ماوریٰ

انسان کی اپنی کہانی

انسان کی طبیعاتی اور ما بعد طبیعاتی حقیقت
ازل سے ابد تک سفر کے متعلق سائنسی تحقیقات
اور تفصیلی حالات و واقعات

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر

سلطان بشیر محمود ستارہ امتیاز

(سابقہ) ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن

دعوتِ عمل

شاید آپ نے یہ تجزیہ نہ کیا ہو کہ قیامت سے پیشتر آنے والے واقعات جن کی خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشنگوئی کی تھی ان میں سے تقریباً ستر۔اسی (80-70) فیصد پورے ہو چکے ہیں۔اس کا یہ مطلب ہے کہ قیامت کا دور شروع ہو چکا ہے۔ویسے بھی ہر آدمی کی موت اسکے لئے قیامت ہی ہوتی ہے جس کے ساتھ ہی وہ آخرت کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے۔اس لئے انجام سے ڈرنا وقت کی قدر کرنا اور مستقبل کے لئے کچھ کرنے کا عزم رکھنا بہترین عقلمندی ہے۔

اس پس منظر میں آج انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ اسے جہنم سے بچالیا جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کی بات کو پھیلایا جائے۔چونکہ لوگوں کے پاس وقت نہیں اور وہ وعظ و نصیحت کو بھی پسند نہیں کرتے اس لئے مناسب طریقہ یہ ہے کہ کتاب کے ذریعہ خواہ وہ کاغذ پر ہو یا کمپیوٹر پر لوگوں تک اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کو مسلسل پہنچاتے رہیں۔

ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ۔ (الرعد آیت 40)

آپ پر پیغام کو پہنچانا فرض ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔ (40)13

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ایک نہایت اہم سنت بھی ہے۔رسائل کے ذریعہ تبلیغ کا آغاز جناب خاتم النبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری میں کیا اور اپنی حیات طیبہ میں 250 سے زیادہ خطوط اس وقت کی اہم شخصیات کو اللہ کی طرف بلانے کیلئے لکھے (خطبات بہاولپور۔حمید اللہ)۔افسوس کہ آج کے مسلمان نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس اہم سنت کو نظر انداز کئے ہوئے ہیں جبکہ عیسائی مشنریاں اس طریقہ کو اپنا کر دنیا میں مغربی تہذیب کو عیسائیت کے نام پر پھیلا رہی ہیں۔خصوصاً 9/11 کے بعد ان کوششوں میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔آج جس مقام پر دنیا کھڑی ہے اور اسلام کے خلاف سازش پر سازش ہو رہی ہے،اس کے پیش نظر اس وقت ہر مسلمان مرد اور عورت پر یہ کام مانند جہاد واجب ہے کہ اللہ کے پیغام کو ہر فرد واحد تک پہنچا دیا جائے اور فرقہ بندی سے بالاتر سائنٹیفک انداز میں دین فطرت کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے تحقیق کی جائے۔

اس کام کو آسان بنانے کے لئے دارالحکمت انٹرنیشنل (قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن) 1986ء سے سائنسی انداز میں عمیق تحقیق اور دور حاضر کے انسان کی سائیکی اور ضرورت کو سامنے رکھ کر کتابیں تیار کر رہا ہے،انہیں خود پڑھیں،دوسروں کو پڑھائیں اور گفٹ کے طور پر آگے پیش کریں۔اگر آپ بزنس مین یا فیکٹری کے مالک ہیں تو اپنے ملازمین میں بانٹیں،دوستوں کو دیں اور غیر مسلموں کو بھی تحفہ میں بھیجیں تا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو حکمت و دانش سے دنیا کے سامنے پہنچانے کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکیں۔یہ فرض عین ہے اور ہم سب کی خیر بھی اسی میں ہے۔آپ کے لئے یہ بہترین صدقہ جاریہ ہوگا۔(انشاءاللہ!)

دارالحکمت انٹرنیشنل

60-C، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد Tel: 2255107-2260001

Web:- www.darulhikmat.com E-mail:- darulhikmat114@yahoo.com , sbm@darulhikmat.com

Marfat.com

ماورئ

BEYOND VISION

انسان کی طبیعاتی اور مابعد طبیعاتی حقیقت
ازل سے ابدتک سفر کے متعلق سائنسی
تحقیقات اور تفیصلی حالات واقعات

مصنف

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

(سابقہ) ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن

Marfat.com

کتاب	ماورئ
مصنف	سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)
پبلشر	دارالحکمت انٹرنیشنل
	60-C ناظم الدین روڈ F-8/4، اسلام آباد
کمپیوٹر کمپوزر	ملک وقار حسین
پہلا ایڈیشن	اکتوبر 2006
تعداد	2000
پرنٹر	کلاسیکل پرنٹرز، اسلام آباد
قیمت	(پاکستان میں) ----------
بیرونی ممالک	یو ایس ڈالر ($10) علاوہ ڈاک خرچ
ایڈریس	60-C، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد
	Tel: 2255107-2260001
ای میل ایڈریس	darulhikmat114@yahoo.com,
	sbm@darulhikmat.com
ویب سائٹ	www.darulhikmat.com

297.22
83 ...
۲۳۵۹۱

ہر قسم کے جملہ حقوق بحق مصنف **سلطان بشیر محمود** (ستارہ امتیاز) محفوظ ہیں۔
کسی ادارہ یا فرد/افراد کو مصنف کی تحریری اجازت کے بغیر کتاب یا اس کے کسی حصہ کو
کسی بھی طرح چھاپنے، کاپی کرنے یا محفوظ کرنے کی اجازت نہیں۔

انتساب

بی بی جی مرحومہ کے نام

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف سے ہیں اور
ہم اسی ہی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔

Marfat.com

پیش لفظ

یہ کتاب انسان کی اپنی حقیقت کے بارے میں بہت سے الجھے ہوئے سوالوں کا روحانی اور سائنسی جواب فراہم کرتی ہے جن کی تلاش میں مذاہب عالم اور سائنس صدیوں سے سرگرداں ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس مسئلہ پر سائنس اور مذہب کے درمیان مفاہمت ناممکن ہے۔ مذہبی روایات اس بات پر مصر بیں ہیں کہ انسان آسمانوں میں کسی جنت میں بنایا گیا تھا اور وہاں سے ایک خاص غلطی کا خمیازہ بھگتنے کے لئے زمین پر امتحان یا سزا کے طور پر بھیج دیا گیا ہے۔ جب کہ سائنسی حلقے اس بات پر ڈٹے ہوئے ہیں کہ انسان حیوانات میں سے ایک حیوان ہے جو حالات اور وقت کے دھارے پر ارتقاء کی منازل طے کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ یوں تخلیقات میں اس کی کوئی خصوصی روحانی حیثیت نہیں بلکہ وہ محض ارتقاء کا ایک پھل ہے، جیسے بن مانس، ہاتھی، گھوڑا، سانپ وغیرہ اپنی نوعیت کے ارتقاء کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے انسان کی پیدائش کسی طرح بھی خصوصی نہیں اور نہ ہی اس میں کسی ماورائی خدائی طاقت کا دخل ہے۔

یوں مذہبی اور سائنسی حلقے دونوں انتہائی متضاد نظریات کے ساتھ باہمی جنگ و جدل میں صدیوں سے برسرِ پیکار ہیں۔ یہ کتاب اصل حقیقت کو واضح کرنے کی طرف ایک نہایت اہم قدم ہے کہ انسان کا ماورائی وجود روحانی ہے اور اس کا جسمانی وجود طبیعاتی ہے۔ انشاء اللہ اُمید کی جاسکتی ہے کہ یہ کتاب سائنس اور مذہب کے درمیان انسان کے بارے نظریاتی انتشار کو ختم کرنے میں بہت معاون ہوگی۔ خاص طور پر بیالوجی کے طلبا جو سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے والی تھیوری اور گھر میں مذہبی روایات کے درمیان تضادات سے پریشان ہیں ان کیلئے یہ کتاب روشنی کا مینار ہے۔ غرض یہ کتاب زمان و مکان میں ہر انسان کی اپنی کہانی ہے جسے اگر سمجھ لیں تو زندگی کا سفر بہت آسان رہے گا۔

اس کتاب کی تحقیق اور تشکیل میں مجھے تقریباً دس سال لگ گئے۔ ان دس سالوں میں جن علمی ماخذوں سے میں نے فائدہ اُٹھایا ان کی لسٹ اس کے آخر میں دی جاری ہے۔ میں ان تمام علماء کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں اور رب العالمین سے ان کے لئے جزائے خیر کی دعا کرتا ہوں۔

سلطان بشیر محمود اکتوبر 2006

Marfat.com

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
حصہ اوّل	**انسان کی طبیعیاتی اور ماورائی حقیقت**	**21**
باب نمبر 1	**انسان کیا ہے؟ مختلف نظریات**	**23**
1.1	تعارف	23
1.2	انسان اور حیوان میں فرق	23
1.3	فلاسفرز کے نظریات	24
1.4	ڈارون کا انسان	26
1.5	انسان کتنا قدیم؟	27
1.6	جدید انسان	28
باب نمبر 2	**انسانی ارتقاء کی سائنسی کہانی**	**31**
2.0	تعارف	31
باب نمبر 3	**ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور اسلامی نظریہ ارتقاء میں فرق**	**37**
3.1	ڈارون کا ارتقائی مسئلہ اور انسانی استحصال	37
3.2	مسلمان مفکر اور مسئلہ ارتقاء	38
باب نمبر 4	**قرآن کا انسان (ولقد کرمنا بنی آدم)**	**41**
	تعارف	41
4.1	انسان بزرگ ترین ہے	41
4.2	انسان خالقِ کائنات کا مظہر ہے	42
4.3	ایک بے مثل ڈیزائن	43
4.4	قرآنِ پاک میں انسانی تخلیق کی کہانی	43
باب نمبر 5	**حضرت آدم علیہ السلام اور انسان کا ظہور اوّل**	**47**

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
5.1	انسانی شخصیت	47
5.2	انسان کی تخلیق کے مختلف مدارج	48
5.3	آدم کا اعجاز علم	51
5.4	نظریہ ہبوط حضرت آدم علیہ اسلام	54
باب نمبر 6	**حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر ظہور**	**57**
6.1	انسان کی کہانی بہت قدیم ہے	57
6.2	انسان کی تخلیق کے تین ادوار کی ایک تکنیکی مثال	59
6.3	زمین پر انسان کی ابتدا	59
6.4	انسانی ارتقاء کی ابتدائی منازل	61
6.5	انسانی حیات کے مختلف ادوار	63
6.6	آدمی کا ارتقاء خصوصی تھا	65
6.7	ظہور آدم اور باغی جینز (Mutant Genes) کا نظریہ	67
6.8	پہلے انسان نما حیوانوں کا کیا بنا؟	70
6.9	کیا ہم سے پہلے بھی زمین پر انسان تھے؟	71
باب نمبر 7	**حضرت آدم علیہ السلام کی نشو ونماء کے مختلف مدارج اور انسانی شخصیت کے روحانی پہلو**	**73**
7.1	نفس آدمی کا امتیازی وصف ہے	76
7.2	نفس کی ترقی کے مدارج	78
7.3	حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب	79
7.4	علم اور روحانی وجدان	80
7.5	ضمیر	82
7.6	شعور اور اختیار	82
7.7	انسانی اور حیوانی قدریں	83

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
حصہ دوم	**انسان کی شخصیت کے کچھ ماورائی پہلو**	**85**
	تعارف	**87**
باب نمبر 8	**انسان کی رُوحانی شخصیت رُوح، نفس اور زندگی کی ترقی تعارف**	**89**
8.1	روحوں پر سائنسی تحقیقات	90
8.2	آزمائش اور اس کی ضرورت	93
8.3	روح اور زندگی کا امتیاز	95
8.4	روح اور جان کی نشو ونما	96
باب نمبر 9	**غیر مرئی طاقتیں، انسانی جینز اور مسئلہ تقدیر**	**99**
9.0	تعارف	99
9.1	مشابہ جڑواں بچوں کا مسئلہ (Identical Twins Case) اور ٹیلی پیتھی	100
9.2	مسئلہ تقدیر اور اختیار	101
9.3	سائنس اور مسئلہ جبر اور قدر	102
9.4	حیرت انگیز نتائج	103
9.5	جین کیسے کام کرتے ہیں؟	104
9.6	تقدیر اور اختیار کا استعمال	105
باب نمبر 10	**وقت، واقعات اور کشف**	**107**
10.1	واقعات اور ان کا ظہور	107
10.2	خواب اور خوابوں کی حقیقت	108
10.3	خواب اور سائنسی تحقیق	110
10.4	کشف اور آدمی کی چوتھی سمت	111
10.5	مستقبل بینی	113

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
باب نمبر 11	**خیال کی قوت اور سی آئی اے کا حیرت انگیز روحانی جاسوسی نظام**	**115**
11.0	تعارف	115
11.1	CIA کا روحانی جاسوسی محکمہ	117
11.2	روحانی جاسوسی کیلئے لیبارٹریاں	118
11.3	دشمن روحانی قوتوں سے مزاحمت	120
11.4	روحانی ٹریننگ کا طریقہ	120
11.5	روحانی جاسوسی کے عملی منصوبے	121
11.6	خطرات اور بغاوت	122
11.7	روحانی قوتوں کا بھلائی کیلئے استعمال	124
11.8	روحانی سراغرسانی اور CIA کے بارے میں اس کے مزید تاثرات	125
11.9	انسان صرف جسم ہی نہیں	126
11.10	پس چہ باید کرو	127
باب نمبر 12	**زندگی کی طوالت۔ڈیزائن لائف اور موت**	**129**
12.1	زندگی کی مدت اور اس کی بقاء	129
12.2	زندگی کی طوالت اور ڈیزائن لائف	129
12.3	جان کی حفاظت اور بقاء	129
12.4	زندگی کی مقررہ مدت	131
12.5	ڈیزائن لائف کی مدت	132
12.6	زندگی کا بڑھنا اور گھٹنا ﴿قرآنی دلیل اور احادیث سے واقعات﴾	134
12.7	زندگی کی طوالت کا راز اور مقصد حیات	136
12.8	موت کا وقت	137

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
12.9	دعا اور درازیٔ عمر	138
12.10	سکرات موت	139
12.11	سکرات موت گناہوں کا کفارہ اور روح کی سربلندی کا ذریعہ	139
12.12	الوداعی وقت	141
12.13	نفس کی پرواز	142
حصہ سوم	**انسان کی ماورائی شخصیت**	**143**
باب نمبر 13	**زندگی روح اور نفس کے متعلق بنیادی مسائل**	**145**
13.0	تعارف	145
13.1	ایمان بالغیب	146
13.2	ایمان بالدلائل	147
13.3	روح کے متعلق قدیم انسانوں کے نظریات	148
13.4	روح اور نفس میں فرق	149
13.5	زندگی اور موت کا عمل	149
13.6	آواگون گمراہ نظریہ	151
13.7	روح اور نفس کا سفر	152
13.8	روح کی حقیقت	154
13.9	کیا روح کی فطرت توانائی ہے؟	155
13.10	روح اور اللہ کا نور	156
13.11	اعمال جسم اور روح	158
13.12	روح کائنات کی بنیادی اکائی ہے	160
13.13	جان دار اور بے جان	162

Marfat.com

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
13.14	کائنات کی تین بنیادی اکائیاں	163
13.15	جمادات کی ارواح	165
13.16	نباتات اور حیوانات کی روحیں	166
13.17	انسانی، حیوانی، نباتاتی اور جماداتی ارواح کے مقام	167
13.18	روح کی شکل	169
13.19	سیل(Cell) انسانی روح کا امین اور کلوننگ سے پیدائش	170
باب نمبر14	**روحوں پر مغربی سائنسی تحقیقات**	**173**
14.0	تعارف	173
14.1	مغربی دنیا میں ارواح پر تحقیقات	173
14.2	ریسرچ سوسائیٹیاں اور ادارے	174
14.3	مغربی تحقیقات کا دائرہ کار اور مقاصد	175
14.4	روحوں کا بلانا(The Soul in Human Form)	177
14.5	روح کی تصویر کشی کی کوشش (Soul Through Lens)	178
14.6	مردہ لوگوں کی روحوں کے فوٹو	179
14.7	روحوں کا وزن کرنے کے تجربات (Weighing of the Soul)	180
14.8	قریب المرگ لوگوں کے مشاہدات (Visitors to the After-Life)	180
14.9	پاکستان اور مسلمان ممالک کیلئے لائحہ عمل	184
باب نمبر15	**ڈاکٹر موڈی کے 'بعد از موت مشاہدات' کی تفصیلات اور تجزیہ**	**187**
15.0	تعارف	187
15.1	عمومی شاہدات	188
15.2	خصوصی مشاہدات	189

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
15.3	کئی جہتی دنیا(Multi Dimensional World)	189
15.4	جان کنی اور وقت نزع کی تکلیف	189
15.5	موت کے بعد سکون	190
15.6	جسم اور ماحول کو دیکھنا	190
15.7	کار کا ایکسیڈنٹ	191
15.8	مردوں کی زندوں سے بات چیت کی کوشش	191
15.9	نفس(Self) کا چیزوں کے اندر سے گزرنا	191
15.10	نفس کی کیفیت اور خصوصیات	192
15.11	سپرٹ باڈی(Spirit Body) کی کیفیت	192
15.12	بصارت کی تیزی	193
15.13	سننے اور سمجھنے کی حس	193
15.14	احساس تنہائی اور خوف	194
15.15	دوسرے لوگوں سے ملاقات	194
15.16	فرشتہ سے ملاقات	195
15.17	نوری ہستی(Light Being) سے ملاقات	195
15.18	زندگی کی فلم اور نیکی کے اعمال	197
15.19	واپسی	198
15.20	دعاؤں کا اثر	198
15.21	زندگیوں پر اثرات	199
15.22	خودکشی کرنے والوں کے بعد از موت حالات	200
باب نمبر 16	روح کی خوشبو	**201**

Marfat.com

نمبرشمار	مضامین	صفحہ نمبر
16.0	تعارف	201
16.1	روح کی خوشبو	201
16.2	اس روح کی شخصیت	202
16.3	روح کی خوشبو کے واقعات	204
15.4	ذاتی مشاہدات	206
15.5	قبر کے حساب کا ایک عجیب واقعہ	210
15.6	چند سوالات اور تجزیہ	211
15.7	کچھ اور لوگوں کی روحوں کی خوشبو کے واقعات	212
15.8	روح کی خوشبو﴿احادیث میں سے واقعات﴾	214
باب نمبر 17	**خوش بخت نفوس اور بد بخت بھوت**	**215**
17.1	موت کے بعد نفوس کے مقامات	215
17.2	نفس مطمئنہ	216
17.3	سیدھے دوزخی نفوس	217
17.4	شہداء کی خصوصی زندگی	218
17.5	سوئے ہوئے نفوس	219
17.6	رجال الغیب	219
17.7	بھوت(Ghosts)	220
17.8	بھوتوں کے کچھ واقعات اور ان پر جدید تحقیقات	221
17.9	امریکی تحقیق	223
17.10	بھوت کیا ہیں؟	223
17.11	بھوتوں کی طبعی ساخت۔زندگی اور موت میں فرق	225

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
باب نمبر 18	**بھوت پریت، جنات وغیرہ کا چڑھنا اور ان سے نجات کے طریقے**	**229**
18.1	بھوت چڑھنا اور مسئلہ آواگون	229
18.2	غیر مرئی مخلوقات کا چڑھنا	230
18.3	جنات اور بھوت وغیرہ چڑھنے کے اثرات	231
18.4	جنات یا بھوت وغیرہ کیوں چڑھتے ہیں؟	232
18.5	جنات	232
18.6	بھوت اور جنّات کا اتارنا	233
18.7	بھوت کو دوڑانے کا طریقہ	234
18.8	جادو کے اثرات	235
باب نمبر 19	**مر کر زندہ ہونے والوں کے مشاہدات اور عالم برزخ کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ**	**237**
19.1	اسلامی تجزیہ کیوں ضروری ہے؟	237
19.2	محافظ فرشتے	238
19.3	عارضی موت کے بعد روح کی واپسی	239
19.4	روح کے احساسات	241
19.5	مردوں کے سننے، دیکھنے اور جواب دینے کی صلاحیت	242
19.6	پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات	242
19.7	روح نکالنے میں غلطی	244
19.8	جسم اور روح کا تعلق	245
19.9	مردوں کا خوابوں میں ملنا	246
19.10	برزخ سے روحوں کا خواب میں آ کر ملنا اور پیغام دینا	247
19.11	مسئلہ آواگون اور برزخ	248

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
19.12	برزخ اور برزخی حیات	249
19.13	برزخی حیات میں داخلہ	250
19.14	برزخی حیات کی تنظیم	251
19.15	عالم برزخ مقام اصلاح اور شفاء	252
19.16	برزخ کی آزادی	253
19.17	روحوں کی ڈیوٹیاں	253
باب نمبر 20	**بعد الموت کی شعوری حالت اور شہداء کے اجسام کا محفوظ رہنا**	**255**
20.1	شہداء کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا	256
20.2	عالم برزخ میں آزادی	256
20.3	موت کے بعد شعور	256
20.4	مردہ کا زندہ کو سننا اور حساب و کتاب	257
20.5	مردوں کی روحوں کا زندہ لوگوں سے ملنا	257
20.6	قبور میں مردوں کا زندہ لوگوں کو پہچاننا اور سلام کا جواب دینا	257
20.7	موت کے بعد روح جنازہ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے	257
20.8	نیک آدمی کی روح کا خوشبودار لباس	258
20.9	دیگر بزرگوں کے واقعات	258
20.10	شہداء کے اجسام کی حفاظت	259
20.11	جدید دور کے واقعات	261
باب نمبر 21	**بعد الموت کی زندگی اور حالات قبر**	**265**
21.1	خواب اور موت میں مماثلت	265
21.2	ہمارے ساتھی فرشتے اور نفس کا نکالا جانا	266

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
21.3	فرشتے	268
21.4	محافظ فرشتے	268
21.5	اعمال کا ریکارڈ	270
21.6	موت کا وقت	272
21.7	برے لوگوں کی موت	274
21.8	اچھے لوگوں کی موت	275
21.9	قبر اور قبر کی زندگی	276
باب نمبر 22	**روحوں سے براہ راست یا خواب میں ملاقات**	**283**
22.0	تعارف	283
22.1	روحوں سے ملاقات	283
22.2	روحوں سے بات چیت	284
22.3	روحوں کا دنیا میں آنا اور عمل دخل	285
22.4	مُردوں کی توقعات اور ایصال ثواب	286
22.5	روحوں سے ملاقات	287
22.6	روح اور خواب	287
22.7	خواب میں روحوں سے ملاقات کے کچھ واقعات	289
22.8	نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت	291
22.8.1	صحابہ کرامؓ کی ازواج کا خواب میں واقعہ	292
22.8.2	کچھ دوسرے لوگوں کے واقعات	295
باب نمبر 23	**کامیاب زندگی اور روحانی ارتقاء**	**295**
23.0	تعارف	295

Marfat.com

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
23.1	نفس کا ارتقاء کدھر؟	295
23.2	اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ	296
23.3	ارتقاء کے راستے	297
23.4	ارتقاء میں کوشش کی حقیقت	299
23.5	عبادت اور نفس کا ارتقاء	300
23.6	روح کا ارتقاء اور نیکیوں کا تصور	301
23.7	فکر اور روح کا ارتقاء	301
23.8	دنیا ایک آزمائش گاہ	304
23.9	پہلا امتحان	305
23.10	ارتقائے نفس کے ذرائع	307
	مصنف کا تعارف اور ذہنی ارتقاء	310
	کتابیات اور حوالہ جات	319

Marfat.com

حصہ اوّل

انسان کی طبیعاتی اور ماورائی حقیقت

باب نمبر 1 انسان کیا ہے؟ مختلف نظریات

باب نمبر 2 انسانی ارتقاء کی سائنسی کہانی

باب نمبر 3 ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور اسلامی نظریہ ارتقاء میں فرق

باب نمبر 4 قرآن کا انسان

باب نمبر 5 حضرت آدم علیہ السلام اور انسان کا ظہور اوّل

باب نمبر 6 حضرت آدم علیہ اسلام کا زمین پر ظہور

باب نمبر 7 حضرت آدم علیہ السلام کی نشوونماء کے مختلف مدارج اور انسانی شخصیت کے روحانی پہلو

۲۳۵۹۱

Marfat.com

باب نمبر 1

انسان کیا ہے؟ مختلف نظریات

''بھلا تم کیسے اللہ کے منکر ہوگئے؟ جبکہ تم مردے تھے' اس نے تمہیں زندہ کیا' پھر وہ تمہیں مارے گا' پھر زندہ کرے گا' پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے''۔ سورۃ البقرہ آیت۔ 28

''آپ فرمادیں کہ زمین میں سفر کر کے دیکھو۔کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں کر تمہیں بنایا۔اور پھر دوسری بار اٹھائے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''(20)29

1.1 تعارف

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات انسان کے لئے فکری دعوت ہیں کہ وہ اپنے آپ کو پہچانے۔آیت مبارک (20)29 اس بات کو واضح کرتی ہے کہ زمین کے اندر اتنے شواہد ہیں کہ اگر انسان ان پر غور کرے تو اپنی تخلیق کے آغاز اور انتہا کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔دراصل انسان اور کائنات کے ماضی' حال' اور مستقبل کے حقائق کو سمجھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے انسان کو سمجھا جائے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ **من عرف نفسه' فقد عرف ربه**، یعنی ''جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا''۔اس لئے یہ بات بہت اہم ہے کہ جانا جائے کہ انسان کیا چیز ہے؟ کائنات میں اس کا مقام کیا ہے؟ اور باقی نوع حیوانی کے ساتھ اس کا کیا تعلق ہے؟ کیا حیوانوں کی طرح وہ بھی ایک عام مخلوق ہے یا اس کی علیحدہ کوئی روحانی شخصیت بھی ہے؟ سائنس نے حساب لگایا ہے کہ ایک آدمی 80% پانی 15% ہوا اور 5% مٹی پر مشتمل ہے۔کیا پانی کے اس بورے کی ایسی شخصیت ہے جسے موت فنا نہیں کر سکتی؟۔ان سوالوں کے جواب سمجھنے کے لئے ہم اس مقالہ میں سب سے پہلے انسان کے متعلق مختلف مروجہ مذہبی اور سائنسی نظریات کا مختصر جائزہ لیں گے اور پھر دیکھیں گے کہ وہ کون سا نظریہ ہے جو حقیقت کے قریب ترین ہے۔اس کے بعد روح' زندگی اور موت کے متعلق دوسرے مسائل کو سمجھنا بھی آسان ہو جائیگا۔

1.2 انسان اور حیوان میں فرق

کیا انسان بھی حیوانوں میں سے ایک حیوان ہے یا ان سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق ہے؟ اس سوال کے جواب میں اس وقت تین طرح کے

Marfat.com

نظریات پائے جاتے ہیں۔

ا۔ فلاسفروں کے نظریات

ب۔ ڈارون کا ارتقائی نظریہ اور اس پر جدید اضافے

ج۔ مختلف مذہبی روایات اور نظریات

ان نظریات کے اوپر دنیا کے سامنے قرآن حکیم کی رہنمائی ہے جس میں خالق کائنات نے خود انسان کی تخلیق کے متعلق ہمارے سوچنے کیلئے بہت سے اشارات دیئے ہیں۔ بیشتر اسکے کہ ہم قرآن کے انسان کی طرف آئیں۔ آیئے سب سے پہلے مختلف سائنسی اور مذہبی نظریات کا جائزہ لے لیں۔

1.3 فلاسفرز کے نظریات

ہم کیا ہیں؟
حقیقت نہ کچھ اپنی سمجھی گئی
شب و روز ہم نے تامل کیا

انسان کیا ہے؟ یہ سوال ہمیشہ ہی سے بہت اہم ہے' لیکن تاریخی ماخذوں کے اعتبار سے اس مسئلہ پر سائنسی تحقیق کا آغاز ارسطو سے ہوتا ہے جو یونان کا ایک بہت بڑا مفکر اور سکندرِ اعظم کا استاد تھا۔ ارسطو نے آج سے 2,500 سال قبل یہ نظریہ پیش کیا کہ ''انسان ایک سیاسی حیوان ہے جس کی جبلت میں جوڑ توڑ' آپس میں کھینچا تانی اور دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش ہے''۔ اسکا یہ مطلب تھا کہ کسی میں جس قدر یہ صفات زیادہ ہیں اس قدر وہ بڑا انسان ہے۔ اس لحاظ سے ارسطو کا یہ نظریہ ایک بادشاہی نظریہ تھا۔ اس کے زمانے میں سیاست خاص طور پر بادشاہ اور کے حواریوں کا مشغلہ ہوتا تھا جبکہ رعایا کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ چنانچہ ارسطو نے اپنے سیاسی حیوان کے نظریہ سے یہ ثابت کر دیا کہ سیاسی لوگ دوسروں کی نسبت سے اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں۔ چنانچہ بادشاہ اور حکومت کے کارندے تو مکمل انسان تھے لیکن رعایا کے لوگ کمتر درجہ کے انسان تھے جنہیں بادشاہ کیلئے غلام بنانا یا سیاسی مفاد کیلئے ان کا خون بہانا جائز تھا۔ لیکن حقیقت اس نظریہ کے الٹ ہے اس لئے کہ انسان کی دلچسپی کا سارا سامان سیاست نہیں بلکہ ان میں زیادہ تر تو ایسے ہیں جنکی زندگی میں سیاست کا کوئی دخل ہی نہیں۔ ایسے بھی ہیں جن کی زندگی کا مقصد طاقت نہیں بلکہ سراسر خدمت ہے اور ایسے بھی ہیں جو غلبہ حاصل کرنے کی بجائے علم و حکمت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان محض ایک سیاسی حیوان ہے اس کی ہمہ گیر شخصیت کی توہین ہے۔

اس کوشش میں کہ انسان کی اس سے بہتر کوئی تعریف ہونی چاہیے کچھ فلاسفروں نے یہ سوچا کہ تمام نوع حیوانی میں انسان ہی کا امتیاز ہے

Marfat.com

کہ وہ الفاظ کے ذریعہ اپنا مطلب سمجھا سکتا ہے اس لئے انسان کی تعریف یہ ہوگی کہ وہ حیوان ناطق ہے یعنی ایسا حیوان جو بول سکتا ہے۔ بولنا یقیناً انسان کا غیر معمولی وصف ہے۔ انسان کی اس خوبی کا ذکر قرآن حکیم کی سورۃ الرحمٰن میں بھی مندرجہ ذیل پیرائے میں کیا گیا ہے۔

''وہ اللّٰہ نہایت ہی مہربان ہے، جس نے قرآن سکھایا، اس نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے اظہار کی قوت عطا فرمائی''۔ سورۃ الرّحمن آیات 1-3

اگر چہ آپس میں بول چال کی صلاحیت ایک بہت بڑا امتیاز ہے جو انسان کیلئے خالق کائنات کی طرف سے ایک عظیم تحفہ ہے لیکن سب سے پہلے قرآن حکیم نے ہی ہمیں بتایا کہ یہ وصف صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں کوئی ایسا جاندار نہیں جس کو خدا تعالےٰ نے کسی نہ کسی حد تک آپس میں بات چیت کرنے کی صلاحیت عطا نہ کی ہو۔ سورۃ النمل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالہ سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اڑنے والے جانوروں میں سے ہدہد اور رینگنے والے جانوروں میں چیونٹیاں بھی بات چیت کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ جدید سائنس بھی اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ شہد کی مکھیاں، گھریلو چیونٹیاں، جنگل کے جانور، سمندر کی مچھلیاں آپس میں اپنا مطلب سمجھانے کے اہل ہیں بلکہ کئی تو ایسی بھی مخلوق ہیں جو اپنی نوع سے باہر دوسروں سے بھی اظہارِ خیال کر سکتی ہیں۔ مثلاً بندروں کی بعض نوع میں الفاظ کا ذخیرہ پچیس یا تمیں تک دریافت ہو چکا ہے۔ مزید تحقیقات ہو رہی ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حیوان ناطق ہونا کوئی غیر معمولی وصف نہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں مشہور انگریز مصنف تھامس کارلائل (Thomas Corloyal) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان ایک معاشرتی حیوان (Social Animal) ہے جو مل جل کر معاشرے کو جنم دیتے ہیں، بستیاں اور شہر بساتے ہیں اور ایسے قانون وضع کرتے ہیں جو معاشرت کیلئے ضروری ہیں۔ اس سلسلہ میں جدید سائنسی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ انسان کی علاوہ باقی حیوانی نوع بھی اپنی خصوصی معاشرت رکھتی ہیں، ان کے بھی اپنے قانون و قاعدے ہیں۔ یوں موجودہ سائنس قرآنِ کریم کی اس بات کی تصدیق کر رہی ہے کہ تمام حیوانات بھی اپنی اپنی جگہ علیحدہ امت ہیں۔ فرمایا: ''ان میں سے ہر ایک تمہاری طرح ایک امت ہیں'' (حوالہ (38)6) (القرآن) جراثیم تک کا اپنا معاشرتی نظام ہے جن کے متعلق ہمیں آگاہی حاصل کرنی ہے۔ اسلئے کارلائل کی انسان کے لئے معاشرتی حیوان کی تعریف ناقص ہے۔

معاشرت ہی کے سلسلہ میں ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ ماقبل تاریخ ادوار پر تحقیق سے یہ پتہ چلا ہے کہ انسان کی موجودہ معاشرتی تہذیب زیادہ پرانی نہیں اکثر سائنسدانوں کی یہ رائے ہے کہ انسانی معاشرتی زندگی کی ابتداء زیادہ سے زیادہ تقریباً بارہ ہزار سال پہلے دجلہ اور فرات کی وادی میں ہوئی، اس سے قبل ایک عرصہ سے زمین پر ایک دو ٹانگوں پر چلنے والی ایک مخلوق تو ضرور موجود تھی لیکن یہ نوع زمین پر ایک وحشی شکاری درندہ کی سی زندگی بسر کر رہی تھی۔ دیگر حیوانات کی طرح اس کا بھی اپنا رہن سہن تھا لیکن کوئی خاص امتیاز بھی نہیں تھا، وہ بھی جنگلوں میں رہتے یہ بھی جنگلوں میں رہتے تھے۔ فرق اگر تھا تو یہ کہ وہ دو ٹانگوں پر چلتے تھے اور پتھر کے ہتھیار استعمال کرتے تھے اور حیوانات دوسروں کو گزند پہنچانے کے لئے دانت استعمال کرتے تھے لیکن پھر کوئی عجیب بات ہوئی۔ قدرت نے اچانک کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا کیں کہ کوئی بیس ہزار سال قبل انسان

Marfat.com

کے رہن سہن میں ایک زبردست انقلاب آیا اور دو ٹانگوں والے اپنی جنگلی وحشی حیوانی زندگی ترک کر کے مہذب خاندانی معاشرتی زندگی شروع کر دیتے ہیں۔ یوں اس نظریہ کے مطابق زمین پر انسان کی معاشرتی زندگی زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس ہزار سال پرانی ہے۔ اس لئے اس تعریف کے مطابق زمانہ ماقبل تاریخ کا دو پاؤں والا حیوان انسان نہیں ہوسکتا۔ یہ بات قرآن حکیم سے اخذ کردہ معلومات کی تائید کرتی ہے۔

انیسویں صدی میں مغرب ہی کے ایک اور مفکر بنجمن فرینکلن (Bengimen Franklin) نے یہ نظریہ پیش کیا کہ انسان دراصل ہتھیار بنانے والا حیوان ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ تمام جاندار جو ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتے ہوں یا رکھتے تھے وہ سب انسانی نوع میں تصور کئے جانے چاہیں۔ لیکن یہ نظریہ بھی سراسر ایک سیاسی نظریہ تھا۔ انسان کی تعریف نے مغربی اقوام جو کہ بنجمن فرینکلن کے زمانہ میں دیگر اقوام کی نسبت اعلیٰ ہتھیار بنانے کی صلاحیت رکھتی تھیں کو انسانیت کا بلند تر درجہ دے دیا اور یوں اسکے محرک نے ان کیلئے کمزور اقوام پر قبضہ کرنے کا اخلاقی جواز فراہم کر دیا۔ یہ تو بنجمن فرینکلن کے نظریے کا سیاسی پہلو تھا لیکن اس کے سائنسی پہلو کے مطابق ہتھیار کی تعریف کرنا بھی ضروری ہے۔ ہمارے جدید دور میں ایٹم بم میزائل سازی اور ریڈی ایشن کے ہتھیار ہیں اس سے پہلے چھڑی، چھری، بھالا اور اسی طرح کے اور آلات سمجھے جاتے تھے اور قدیم زمانہ میں تراشے ہوئے پتھر کے ٹکڑوں کو بھی ہتھیار کہا جاتا تھا۔ کیا اس کا مطلب ہے کہ ہتھیاروں کی ترقی کے ساتھ ساتھ انسان بھی ترقی کرتا جا رہا ہے؟ اس کے علاوہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر کئی طرح کے بندر اور ایسے اڑنے والے جانور بھی ہیں جو اپنا شکار پتھر مار مار کر کرتے ہیں۔ کیا فرینکلن کی تعریف کے مطابق جانور بھی انسان کہلانے کے مستحق ہیں؟ لہٰذا یہ نظریہ بھی غلط نظریہ ہے۔

1.4 ڈارون کا انسان

سائنسی نظریات میں سب سے مقبول عام نظریہ یہودی سائنسدان ڈارون (1809-1882) کا ہوا ہے۔ اس کے نظریہ کے مطابق انسان کی کوئی تخلیق نہیں ہوئی بلکہ حیوانی سطح سے ارتقاء ہوا ہے جس میں ماحول کا بڑا ہاتھ رہا ہے۔ اربوں سال پہلے حیات پانی میں شروع ہوئی، وہیں نمود کی خواہش کی وجہ سے وہ ترقی کرتی رہی، وہیں سے مینڈکوں کی ایک نسل خشکی پر آ گئی، جن مینڈکوں کو درختوں پر چڑھنے کا شوق ہوا وہ بالآخر اڑنے والے جانور بن گئے۔ انہی میں سے کچھ خشکی پر خوراک اور حفاظت کی تلاش میں مختلف اشکال میں بٹ گئے، جن میں سے کچھ بندر بن گئے، بقاء کی یہ جنگ کروڑوں سالوں سے جاری ہے جس کے نتیجہ میں کمزور ناپید ہوتے گئے اور طاقتور بقاء کیلئے زیادہ موزوں ثابت ہوئے یوں بندروں سے بڑھ کر ایک نسل آدمیوں کی وجود میں آ گئی۔

ڈارون کے اس ارتقائی نظریہ کا بنیادی پہلو یہ ہے کہ بقاء صرف اس کو ہے جو جسمانی اور ذہنی طاقتوں کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے (Survival is for the Fittest only) اس لحاظ سے یہ ایک خطرناک سیاسی نظریہ تھا جس سے مغربی معاشرے نے اپنے اعلیٰ ہونے کا جواز نکالا۔ اپنے علاوہ دیگر قوموں کو وہ حیوانی سطح پر دیکھتے تھے، اس لئے ان کے نزدیک اپنے سے کم تر انسانوں پر ظلم کرنا کوئی غیر انسانی حرکت نہیں تھی۔ جدید تحقیقات کے حوالہ سے بعض سائنسدانوں نے ڈارون کے اس نظریہ کو کسی حد تک رد کر دیا ہے۔ وہ حیوانوں میں ارتقاء کے تو

Marfat.com

قائل ہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کی پیدائش کو اب خصوصی سمجھا جانے لگا ہے۔مختلف انسانی نسلوں کے (D.N.A) پر تحقیقات ثابت کرتی ہے موجودہ نسل کے تمام انسانوں کا آغاز کسی وقت ایک ہی فردِ واحد سے افریقہ میں ہوا تھا۔

غرضیکہ سائنسی لحاظ سے انسان کی پہچان ایک الجھا ہوا مسئلہ ہے اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ سائنسدانوں اور فلاسفروں کے نظریات کی رُو سے انسان جو کچھ بھی ہے۔ڈارون کے تدریجی ارتقاء کے نظریہ کے مطابق انسان کا شمار حیوانات میں ہی ہوگا۔یعنی اپنے آپ کو آپ سیاسی حیوان کہہ لیں' معاشرتی حیوان کا نام دے دیں' یا ہتھیار بنانے والا حیوان سمجھ لیں' بہرحال آپ حیوان کے حیوان ہی رہتے ہیں' اس لئے کہ ڈارون کے مطابق انسان تخلیق کے دائرہ میں ایک مستقل عنوان نہیں بلکہ حیوانی دنیا میں ایک ترقی یافتہ حیوان ہے۔سچ تو یہ ہے کہ پہچان کے اس طریقہ نے انسان کو اپنے آپ سے بہت دور کر دیا ہے اور وہ انتشار میں گم ہوتا گیا ہے۔

1.5 انسان کتنا قدیم؟

یہ کہ زمین پر انسان کا ظہور کب ہوا؟ اس سوال کے جواب کا انحصار بھی انسان کی تعریف پر ہے۔اگر ہم انسان کو ارسطو کا سیاسی حیوان سمجھیں تو پھر اسکا ظہور ابھی کل کی بات ہے حکومتوں اور بادشاہتوں کے قیام کا رواج زیادہ سے زیادہ پانچ ہزار سال پہلے شروع ہوا۔اگر کارلائل کے مطابق انسان کو ہم معاشرتی حیوان سمجھ لیں تو پھر اسکی تاریخ مزید کئی ہزار سال پیچھے چلی جاتی ہے۔تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ آج سے تقریباً پندرہ بیس ہزار سال پہلے انسان نے انفرادی زندگی چھوڑ کر قبیلوں کی شکل میں رہنا شروع کیا لیکن اصل انقلاب حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش سے سات آٹھ ہزار سال قبل شروع ہوا جب انسان نے آبادیاں بنانا شروع کیں اور محض شکار پر انحصار کی بجائے اس نے زراعت کی بنیاد ڈالی اور پالتو جانور رکھنا شروع کیے۔معاشرت کے اس عظیم انقلاب کے کیا محرکات تھے؟ سائنسدان ابھی تک نہیں جان سکے۔البتہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ یہ عمل اچانک معرضِ وجود میں آیا تھا اور اس بات پر بھی تقریباً سب ہی متفق ہیں کہ انسانی تہذیب کا ارتقاء اسی نقطہ سے شروع ہوا۔اس انقلابی تبدیلی کے بعد ہی انسان نے اِدھر اُدھر خوراک جمع کرنے کی بجائے خوراک پیدا کرنا شروع کر دی' مستقل رہائش کے لیے گھر بننے لگے اور ملکیت کا تصور شروع ہوا۔پروفیسر بریڈ وڈ (Brad Wood) اور کچھ دوسرے سائنسدانوں کا خیال ہے کہ "انسانی ارتقاء میں یہ اچانک انقلاب سب سے پہلے اس علاقہ میں آیا جسے ہم آج کل عراق کہتے ہیں اور پھر یہ دیکھتے دیکھتے ہر طرف پھیل گیا۔اسی دور سے نئی نئی ایجادات کا آغاز ہوا' زمین پر انسان کی آبادی بڑی سرعت کے ساتھ پھیلنا شروع ہوئی اور یہیں سے مذہبی عقائد اور معاشرتی قوانین کا اجراء شروع ہوا۔اگر انسان کا امتیاز یہی چیزیں ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ انسانیت کی عمر بھی یہی کچھ ہوگی" یعنی زمین پر انسان کی عمر کوئی بیس ہزار سال سے زیادہ نہیں۔

لیکن جب انسان کی تعریف یہ کی جائے کہ وہ ہتھیار بنانے والا حیوان ہے اور پتھر کے سنگریزوں کو ہتھیار سمجھ لیا جائے تو پھر یقیناً انسانی تاریخ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں سال پرانی ہو جاتی ہے۔مختلف مقامات جن میں خاص طور پر پیکنگ' جزائر جاوا' آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ کے بعض علاقے شامل ہیں وہاں سے پتھر کے تراشے ہوئے ایسے ہتھیار ملتے ہیں جو لازمی طور پر کسی ذی شعور مخلوق نے محنت سے بنائے ہونگے۔ان سے یہ

Marfat.com

اندازہ بھی لگایا گیا ہے کہ ان کے تراشنے والے زمین پر کم از کم پانچ لاکھ سال پہلے ملک موجود تھے۔ لیکن ابھی تک ان سنگ تراشوں کے مکمل ڈھانچے کسی جگہ سے بھی نہیں ملے۔ ہڈیوں کے جو ٹکڑے ملے ہیں ان سے یہ مفروضہ قائم ہوتا ہے کہ یہ مخلوق آج کل کے انسان سے قطعاً مختلف تھی۔ اگرچہ وہ دو پاؤں پر چلنے کی اہلیت رکھتے تھے لیکن ان کی ساخت بندروں سے زیادہ مشابہ تھی۔ وہ چھوٹے قد، بڑے بڑے جبڑوں والے، تمام جسم پر بالوں والے انسان نما حیوان تھے جن کا دماغ آج کل کے بن مانس سے ذرا بڑا تھا لیکن موجودہ آدمی سے کہیں کم تھا۔ مثلاً ابھی تک ملنے والی تمام کھوپڑیوں سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ عام طور پر ان کے دماغ کا حجم 1500cc کے لگ بھگ تھا جبکہ بندروں میں یہ 1200cc سے لیکر 1800cc تک پایا جاتا ہے اور حضرت انسان کا دماغ 2100cc کے لگ بھگ ہے۔ اسی لیے دورِ قدیم کی تحقیق کرنے والے بعض سائنسدانوں کا خیال ہے کہ یہ مخلوق انسان اور بندروں کے درمیان کوئی اور چیز تھی جو آج سے بیس لاکھ سال پہلے زمین پر ظاہر ہوئی اور پھر لاکھوں سال یہاں آباد رہی لیکن بعض نامعلوم وجوہات کی بناء پر پھر اچانک معدوم ہوگئی۔ آثار یہ بتاتے ہیں کہ دو پاؤں والے یہ حیوان آگ سے شناسا تھے، ان کی خوراک درختوں کے پھل یا شکار کا گوشت تھی، وہ اپنے ہاتھوں دانتوں اور بعض اوقات پتھروں کی مدد سے شکار کرتے تھے، اگر چاہتے تو ہاتھ پاؤں کے بل بھی چلتے، بودوباش میں وہ بن مانس سے آگے لیکن موجودہ انسان سے کہیں پیچھے تھے۔

اب ہم بولنے والے انسان کی طرف آتے ہیں۔ یہ سوال ابھی تک معمہ ہے کہ انسان نے بولنا کب سیکھا۔ اس وقت دنیا میں تقریباً چار ہزار سے زیادہ زبانیں پائی جاتی ہیں۔ ان میں بعض زبانیں تو ایسی ہیں جن کے بولنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہیں اور بعض ایسی بھی ہیں جن کے بولنے والے صرف چند سو ہیں۔ جاپان میں ہونے والی حالیہ تحقیق کے مطابق بعض بندروں کی زبان میں بھی الفاظ کی تعداد 40 یا 45 کے قریب ہے جنکے ہیر پھیر سے وہ آپس کا مطلب ادا کرتے ہیں۔ آج سے لاکھوں سال پہلے کے ملنے والے انسانی ڈھانچوں کے گلے، منہ اور ناک کی ساخت سے بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ انکی بولیاں دوسرے حیوانوں کیطرح بڑی محدود تھیں اور وہ اپنا مدعا کا اظہار زیادہ تر اشاروں یا مہمل الفاظ سے ادا کرتے تھے۔ ان سائنسی تحقیقات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی حیوان ناطق کے طور پر تاریخ زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ خیالات کے اظہار کیلئے بات چیت کی صلاحیت بھی انسان کو اسی دور میں عطا ہوئی ہو جب اس کی معاشرت کا آغاز ہوا تھا۔

1.6 جدید انسان

جدید انسان کا ظہور کب ہوا؟ یہ ابھی تک حل طلب مسئلہ ہے۔ کئی ایک سائنسی تجزیات کے مطابق جدید انسان کی عمر زیادہ سے زیادہ 40 ہزار سال ہوسکتی ہے اور اسکا ظہور بھی اچانک ہی ہوا ہوگا۔ اس کے ثبوت میں وہ کہتے ہیں کہ چالیس ہزار اور اگلے ڈیڑھ لاکھ سال کی درمیانی مدت میں زمین پر دو پاؤں سے چلنے والے حیوانات کے نشانات نہیں پائے جاتے۔ انسانی معاشرت کے پرانے نشانات فرانس کے کچھ غاروں میں پائے گئے ہیں جن کے مکین غار کی دیواروں کے اوپر ایسی تصاویر چھوڑ گئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ تیس ہزار سال پہلے وہاں رہتے تھے۔ کتاب ''انسانی ارتقاء'' (Rise of Man) کے مصنفین کے مطابق یہ دور جدید حیوانی ارتقاء میں ایک انقلابی جست کا تھا جس سے پندرہ ہزار سال پہلے جدید

Marfat.com

انسان معرضِ وجود میں آیا اور اس کی معاشرت کا آغاز ہوا اور اس کے چار پانچ ہزار سال بعد اس نے زمین پر باقائدہ بستیاں بنا کر رہنا شروع کر دیا۔

اس تمام بحث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ انسان کی تاریخ نہایت قدیم ہے لیکن اس کا ظہور جدید ہے' تقریباً یہی بات قرآنِ حکیم سے بھی ثابت ہوتی ہے۔ جو اس کے ماقبل تاریخی دور (Pre-Historic) کا مندرجہ ذیل آیت میں اظہار کرتا ہے۔

''کیا انسان پر ایک لمبا عرصہ ایسا نہیں گزرا کہ وہ زمانہ میں کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھا''۔۔۔ سورۃ دہر آیت 1

اس آیت کریمہ میں انسان کے ظہور سے پہلے کے انسان کے حیوانی دور کی طرف اشارہ ہے جب زمین پر اس کے جسم کا ارتقاء تو ہو رہا تھا لیکن وہ خود اپنی جنتی حیات میں تھا۔ جیسے آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ اس عرصہ میں زمین پر انسان کی اپنی کوئی علیحدہ پہچان نہ تھی اور وہ ایک بے حقیقت نا قابلِ ذکر حیوان تھا۔ انسانی ارتقاء کا یہ تاریک دور لاکھوں نہیں کروڑوں سال بلکہ اس سے بھی زیادہ قدیم ہوسکتا ہے' جبکہ اس کا ڈیزائن اور شخصیت کائنات کی تخلیق کی غائت ہے۔ یعنی اپنے ڈیزائن کی تقویم میں وہ اوّل اور احسن ترمخلوق ہے لیکن ظہور میں آخر ہے۔ اس درمیانی دور میں وہ ہزارہا حالتوں اور مختلف تجربات سے گزرا جن کا ایک بہترین بیان ہمیں مولانا روم کے ہاں ملتا ہے جو علامہ محمد اقبال کے روحانی استاد تھے۔ ان کی نظم کا ترجمہ باب نمبر۳ میں دیا گیا ہے۔

Marfat.com

باب نمبر 2

انسانی ارتقاء کی سائنسی کہانی

2.0 تعارف

اس سے پہلے باب میں ہم انسان کے متعلق مختصراً مختلف سائنسی نظریات پیش کر چکے ہیں۔ اب ہم انسان کی اصل کہانی کی طرف گامزن ہوتے ہیں۔ اگر چہ انسان کی کہانی ہماری اپنی کہانی ہے لیکن اس مسئلہ پر جس قدر مذاہب اور سائنس میں نزاع ہے اتنا کسی دوسرے مسئلہ پر نہیں۔ جدید سائنس اب ڈارون کے مسلسل ارتقائی نظریہ کی بجائے منزل بمنزل ارتقاء کی قائل ہے اس نظریہ کی بنیاد پرانی ہڈیوں کے تجزیئے پر ہے لیکن ابھی تک دس بارہ ہزار سال سے زیادہ پرانا مکمل انسانی ڈھانچہ بھی نہیں ملا ہے۔ چھوٹی چھوٹی ہڈیوں کے ٹکڑے تیس لاکھ سال پرانے بھی ملے ہیں جن پر گمان ہے کہ وہ شاید کھڑی حالت میں چلنے والے کسی حیوان کے ڈھانچے کے حصے ہوں لیکن وثوق سے کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یوں انسان کی تخلیق کے بارے میں ابھی تک سائنسی علم کی بنیاد صرف ظن وتخمین ہے۔ اس موضوع پر جنوری 17-2000ء ٹائمز (The Times, Jan 17, 2000) میں اب تک ہونے والی سائنسی دریافتوں کا تجزیہ پیش کیا گیا تھا۔ اس کے مطابق صورتِ حال کچھ یوں ہے۔

''آدمی بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ایک حیوان ہے جو مختلف ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے موجودہ حالت تک پہنچا ہے' لیکن اپنی موجودہ حالت میں وہ تمام حیوانی نوع سے بہت مختلف ہے۔ زبان' تہذیب' صنعت میں وہ یکتا ہے۔ بنیادی بیالوجی میں بھی وہ باقی حیوانات سے علیحدہ ہے۔ اس لیے اسکا ارتقاء ایک خصوصی اور یکتا عمل ہوسکتا ہے''۔ یعنی سائنس اس بات کو ماننے لگی ہے کہ انسان اپنی تخلیق میں تمام نوع حیوانی سے علیحدہ خصوصی حیثیت کا مالک ہے۔ یہ ہی بات ہے جس کے متعلق قرآن حکیم واضح طور پر دعوت دیتا ہے۔

ٹائمز (Times) میں دیئے گئے مضمون کا ماحاصل یہ ہے کہ ڈارون کے انسانی ارتقاء کے متعلق نظریہ میں پچھلی دو صدیوں میں کافی تبدیلیاں آچکی ہیں خاص طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فطرت میں کسی نئی چیز کی تخلیق ہمیشہ ہی کسی بہت بڑی اچانک جست (Quantum Jump) کے نتیجہ میں ہوتی ہے۔ لہٰذا ڈاروِن کا آہستہ آہستہ مسلسل تبدیلی والا نظریہ کہ انسان بندروں سے بنا ہے اور یہ کہ طاقتور باقی رہ جاتے ہیں (Survival of the Fittest) بھی صحیح نہیں ہے۔

جدید سائنسی کہانی کے مطابق انسان سے پہلے زمین پر کروڑوں سالوں تک کئی قسم کے دوٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کے ادوار آتے رہے ہیں لیکن اپنے ذہنی اور روحانی ارتقاء کی نسبت سے ان میں سے کسی ایک کو بھی انسان نہیں کہا جاسکتا۔ (یہی وہ بات ہے جو قرآنِ کریم میں بھی سمجھائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بھی دو' چار' چھ یا اس سے بھی زیادہ ٹانگیں رکھنے والے حیوانات کا ذکر ہے (25)24 یعنی اسکے مطابق بھی انسان سے پہلے دوٹانگوں والے حیوان زمین پر موجود رہے ہیں)۔ سائنسی تحقیقات کے مطابق دوٹانگوں پر چلنے والے حیوانات کا اچانک نکتہ آغاز

Marfat.com

کوئی پچاس لاکھ سال پہلے افریقہ میں ہوا تھا۔ اس سے پہلے کے تمام حیوانات چار یا چار سے زیادہ ٹانگوں پر چلتے تھے، لیکن اس اچانک تبدیلی سے ایک نئی نوع کا حیوان وجود میں آ گیا جس کی نسل دو پاؤں پر چلنے کو ترجیح دینے لگی۔ یہ دو ٹانگی حیوان زمین پر کوئی بیس لاکھ سال تک رہا ہے۔ پھر اچانک کچھ تبدیلیاں آئیں جن سے یہ کھڑا ہو کر چلنے والا حیوان مزید ترقی کر گیا لیکن ابھی تک وہ بندر نما ہی تھا۔ ایک عرصہ کے بعد پھر اچانک کچھ تبدیلی آئی جس سے کسی ایک کا دماغ دوسروں کی نسبت زیادہ تیز ہو گیا۔ پچھلے بیس لاکھ سال تک، جب سے انسان نما حیوان نے سر اٹھا کر چلنا سیکھا تھا کچھ نہیں بدلا تھا لیکن اب اس نے پتھر مار مار کر دوسروں کا مقابلہ کرنا سیکھ لیا اور یوں وہ سبزی خور سے گوشت خور بن گیا۔ پتھروں کے استعمال کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ انسان نما حیوان ٹیکنالوجی کے دور میں داخل ہو گیا۔ اس تبدیلی نے اس کے رہن سہن پر بھی کافی اثر ڈالا' وہ پہلے سے زیادہ سوچنے لگا اور زیادہ ہوشیار ہوتا گیا جس سے اس کا دماغ بھی بڑھنے لگا۔ لیکن پھر بھی جدید سائنس اسے انسان نہیں سمجھتی۔ اس زمانہ کے دریافت شدہ ڈھانچوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فسادی اور خونی حیوان زیادہ سے زیادہ بندروں کی کوئی ترقی یافتہ نوع ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد کی سائنسی کہانی یہ بتاتی ہے کہ کوئی بیس لاکھ سال ہوئے جب زمین پر اچانک کچھ قدرتی تبدیلیاں آئیں جن کے نتیجے میں ان بندروں سے ایک نئی نسل پیدا ہوئی جو اپنے آباؤ اجداد سے بھی زیادہ ہوشیار اور تیز چل سکتی تھی۔ ان کا جسم بھی زیادہ سیدھا تھا اور پہلے والوں کی نسبت لمبے بھی زیادہ تھے۔ تقریباً چار لاکھ سال بعد انہوں نے اپنے وطن افریقہ کو خیر باد کہا اور وہاں سے دوسرے براعظموں میں پھیلنے لگے۔ یہ نوع حیوانی جسے (Homoerectus) یعنی سیدھا کھڑا ہونے والا انسان نما حیوان کا نام دیا گیا ہے' اپنی اس حالت میں تقریباً سولہ لاکھ سال سے زیادہ عرصہ تک زمین پر حکومت کرتے رہے۔ انکی طبیعت سیلانی تھی، وہ اکٹھے سفر کرتے' اور خاندان بنا کر رہتے تھے۔ وہ پتھروں کا استعمال بھی جانتے تھے اور خوب خون بہاتے تھے۔ اظہار خیال کے لئے چند آوازیں تو نکال سکتے تھے لیکن کوئی واقعہ بیان نہیں کر سکتے تھے، اور اپنے تجربات دوسروں کو نہیں بتا سکتے تھے۔

اس سائنسی کہانی کے مطابق تخلیق کے اس عمل میں پھر اچانک کچھ قدرتی تبدیلی آئی جس کے نتیجہ میں دو لاکھ سال ہوئے جب انہی میں سے ایک نئی نسل نکلی جس کا دماغ بھی زیادہ تھا اور بھاگنے کے لئے اس کی ٹانگیں بھی زیادہ موزوں تھیں۔ اسے نینڈرتھل (Neanderthal) کا نام دیا گیا ہے۔ نینڈرتھل زمین پر ایک لاکھ سال سے زیادہ عرصہ تک آباد رہے۔ یہ خاندان کی شکل میں غاروں میں رہنا پسند کرتے تھے۔ دوسرے جانوروں کا شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا، پتھر اور لکڑی ان کے ہتھیار تھے جن کے استعمال سے وہ آپس میں بھی اور دوسرے جانوروں کے خون بہانے میں بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ لیکن سائنس انہیں ابھی تک انسان نہیں مانتی۔

اس کے بعد پھر سے اچانک کچھ قدرتی بات ہوئی اور شاید پہلی مرتبہ موجودہ انسان کے آباؤ اجداد پیدا ہو گئے جنہیں ہوموسپین (Homosapien) کہا جاتا ہے۔ یہ پہلے والوں سے طور اطوار میں بہت زیادہ تہذیب یافتہ تھے۔ پہلے والوں سے زیادہ خوبصورت، زیادہ لمبی، متوازن اعضاء اور بڑے سر والے تھے۔ ان کا دماغ تقریباً 1500 cc تھا جبکہ جدید انسان کا دماغ 2300cc ہے جو کہ بہت بڑا فرق ہے اس لئے انہیں بھی انسان نہیں کہا جا سکتا لیکن اپنی ساخت میں وہ جدید انسان سے قریب ترین تھے۔

یوں سائنس کے مطابق حقیقی انسان کی تخلیق تک پہنچنے کے لئے فطرت کئی مرحلہ وار انواع سے گذری ہے' لیکن ابھی تک اس بات کی سمجھ

Marfat.com

نہیں آئی کہ جب نئی نسل پروان چڑھ جاتی تو پہلی نوع کیوں ختم ہو جاتی تھی؟ نسلوں کی موت وحیات کے اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ کوئی ایک لاکھ سال گذرا ہے کہ زمین پر پھر کچھ اچانک قدرتی تبدیلیاں آئیں جسکے نتیجہ میں ماسوائے ہوموسپین باقی ہر طرح کے دو پاؤں والے حیوان مرکھپ گئے ان کی نسلیں ناپید ہو گئیں۔ اس باقی ماندہ نسل کے ہتھیار پہلی نسل سے بھی زیادہ بہتر تھے وہ زیادہ سیدھے کھڑے ہو سکتے تھے ان کی خوراک گوشت اور سبزی دونوں تھی، وہ جنگلوں میں رہتے تھے، لیکن ان میں بھی گھر، خاندان اور قبائل بنانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن ترقی یافتہ حیوانات کی طرح غول درغول اکٹھے رہنے کو ترجیح دیتے۔ کیا وہ انسان تھے؟ جدید سائنسی تحقیق ان کو بھی موجودہ انسان کا درجہ نہیں دیتی۔

کوئی چالیس پچاس ہزار سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قدرت کے تخلیقی امر میں پھر اچانک ایک بہت بڑی انقلابی تبدیلی آئی اور پہلی تمام انسان نما مخلوقات کے مقابلہ میں ایک بہت زیادہ ترقی یافتہ مخلوق پیدا ہوئی، جس کے دماغ کا حجم وہی تھا جو ہمارا ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس کے ظہور کے ساتھ ہی پہلے سے موجود دو ٹانگوں والے سارے حیوان مر گئے۔ اس نئی تخلیق اور ان سے پہلے والوں میں ایک تو جسمانی خوبصورتی کا فرق تھا، نئی مخلوق متوازن اور بہت خوبصورت جسم کی مالک تھی اور اس کے علاوہ بہت زیادہ ذہنی فرق بھی تھا، مثلاً خاندان کا قرب ان کے نزدیک بہت اہم تھا، اکٹھے رہتے اور اپنا مدعا، بات چیت اور الفاظ کے ذریعہ سمجھانے لگے تھے۔ انہوں نے اپنے مردے دفن کرنا شروع کئے، آرٹ اور مجسمے بنانے شروع کر دیئے۔ ان میں حیات بعد الموت کا تصور تھا، چنانچہ انہوں نے مرنے والوں کے ساتھ ان کے استعمال کی چیزیں بھی دفن کرنا شروع کر دیں ان میں محبت اور ہمدردی کے جذبات بھی پہلے سے زیادہ تھے۔ لہٰذا ان میں خاندانی روابط پیدا ہونے لگے، اپنے دفاع کے لیے مختلف قسم کے اوزار بنانے لگے، رہنے کے لیے گھروں کا تصور اجاگر ہوا اور یہیں سے زراعت اور صنعت کا دور شروع ہو گیا۔ امریکی بیالوجسٹ ٹارٹرسل (Tarttersal) اپنی کتاب ''انسان ہونا'' (Becoming Human) میں لکھتا ہے ''بالآخر کوئی تیس ہزار سال پہلے انسان پیدا ہو گیا پہلی دفعہ ایجاد، تصنع، صنعت، آرٹ، ادب کا دور شروع ہوا جو پہلے ملین سالوں میں ہوتا تھا اب وہ دنوں میں ہونے لگا۔''

آئندہ ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ انسان کی یہ جدید سائنسی کہانی قرآنِ کریم سے اخذ کردہ نظریات کے قریب تر ہے۔ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف ترقی تو ضرور ہوئی لیکن یہ تبدیلی ارتقائی یعنی آہستہ آہستہ نہیں تھی بلکہ ہمیشہ اچانک معرض وجود میں آئی۔ جسکے ساتھ ہی پہلے پائی جانے والی مخلوق ختم ہو گئی۔ اچانک حیات وممات کے اس سلسلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی بھی نئی تخلیق ارتقاء کا نتیجہ نہیں تھی بلکہ انقلابی حالات کے نتیجہ میں معرض وجود میں آتی ہے۔ قرآنِ کریم میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی امر نافذ کرتا ہے تو کہتا ہے ''ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے''، یعنی **کن فیکون** کا قانون جست در جست تخلیق کا قانون ہے جسے سائنس کی زبان میں (Creation in Quantum Jumps) کہا جاتا ہے۔ انسان کی سائنسی تاریخ میں یکے بعد دیگرے جو دو ٹانگی حیوانوں میں تبدیلیاں آتی رہیں وہ اس قانون کے مطابق اچانک تبدیلیاں تھیں۔

جہاں تک ارتقاء کا تعلق ہے قرآن کے طالب علم کو اس سے بھی انکار نہیں یہ آہستہ آہستہ تبدیلیوں کے لئے ضروری امر ہے اور اس طرح کی ترقی کو قرآنِ کریم کی زبان ''نازل، انزل، نزول'' وغیرہ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ ترقی زیادہ تر ماحولیاتی اثرات کی وجہ سے ہوتی ہے جس کا مقصد ماحول سے مطابقت (Adoption) پیدا کرنا ہے۔

اگر ہم اس سائنسی تجزیہ کو صحیح مان لیں تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تقریباً تیس چالیس ہزار سال پہلے

نمودار ہوئے تھے۔ان کے نزول سے پہلے زمین پر دو ٹانگوں پر چلنے والے مختلف قسم کے حیوانات لاکھوں سالوں سے رہتے چلے آرہے تھے لیکن ظہور آدم کے ساتھ ہی وہ سب ختم ہو گئے۔سائنس اس بات کی بھی گواہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کے انسان نما حیوان بہت خون بہانے والے، مار دھاڑ کرنے والے تھے۔اس سے قرآنِ کریم میں آدم علیہ السلام کے متعلق فرشتوں کے سوال کی وجہ سمجھ آتی ہے کہ ''یہ تو خون بہائے گا'' کہ وہ پچھلے پچاس لاکھ سالوں میں دو ٹانگوں پر چلنے والی ایسی مخلوق کے کارنامے بھی دیکھ چکے تھے جو بعض جسمانی اطوار میں حضرت آدم علیہ السلام کے نقشہ سے مشابہت رکھتی تھی لیکن مار دھاڑ اور فساد اس کا خاصہ تھا۔یعنی فرشتوں کا اعتراض نہیں تھا بلکہ ان کا پرانا مشاہدہ تھا۔ان کا گمان تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ انہی جیسوں میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنانے والا ہے لیکن بعد میں ان کی یہ بات غلط ثابت ہوئی جس کی انہوں نے معافی مانگی۔اللہ تعالیٰ نے علم کی بنیاد پر حضرت آدمؑ کی برتری کی مہر تمام مخلوقات پر ثبت کر دی۔یہی موجودہ انسان کا تمام بقیہ مخلوقات پر امتیازی وصف ہے جسکی سائنس خود سب سے بڑی گواہ ہے۔

قرآنِ کریم چار یا زیادہ ٹانگوں والے حیوانات کے ساتھ ساتھ دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانوں کے متعلق سائنسی دریافتوں کی بھی تصدیق کرتا ہے اور مزید یہ بھی خبر دیتا ہے کہ جانداروں کی تخلیق کا سبب پانی ہے۔فرمایا:۔

''اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے بنایا تو ان میں سے کوئی تو اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور ان میں سے کوئی دو پائوں پر چلتا ہے اور ان میں سے چار پیروں پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔''یقینا اللہ ہر شے پر قادر ہے''۔ سورۃالنور آیت 45

آئندہ چند ابواب میں ہم دیکھیں گے کہ قرآن حکیم کے مطابق آدمی کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ پھونک دیا جس کے بعد اسے تمام چیزوں کا خصوصی علم ہو گیا۔اس پر کائنات کے اسرار کا علم ظاہر ہو گیا۔جس کی بنا پر وہ مسجودِ ملائک قرار پایا۔یوں قرآنِ حکیم کا انسان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ اور بے مثل مخلوق ہے اور سائنس کے ارتقائی حیوان سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔بیشک جدید سائنس سچائی کی جستجو میں قرآنِ کریم کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے اور انشاءاللہ وہ دن دور نہیں جب سائنسدان قرآنِ کریم کی تصدیق کرینگے اور اسکی سچائی کے گواہ بن کر لوگوں کو اس کی طرف بلائیں گے۔

Marfat.com

شکل: اصلاح زمین اورانسان کے ظہور کی تیاریاں

1۔ 4600,000,000 سال پہلے زمین گیسوں کے
گرم دھوئیں سے معرضِ وجود میں آئی۔

2۔ کوئی 20,000,000 سال تک مسلسل بارشوں
سے زمین کا بیرونی پرت ٹھنڈا ہوا۔

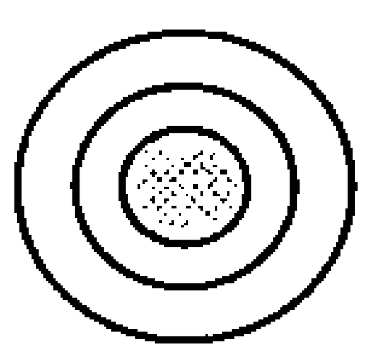

3۔ کوئی 50,000,000 سالوں میں پانی دھوپ
بجلیوں ہواؤں کے اثرات سے زمین کے بیرونی
پرت کوزندگی کے لئے تیار کیا گیا۔

4۔ کوئی 1000,000,000 سال ہوئے جب
زمین کے پانیوں میں پہلی دفعہ زندگی کا جرثومہ پیدا
کیا گیا۔

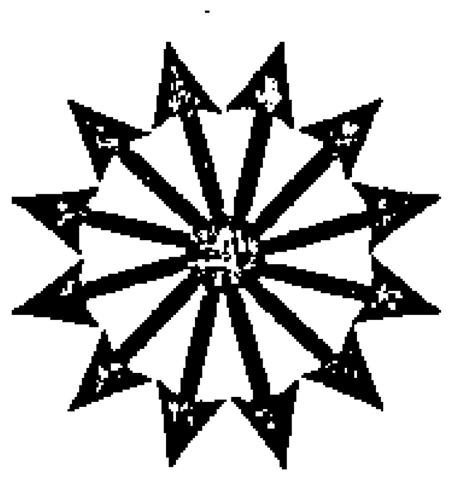

5۔ اگلے 100,000,000 سالوں میں اس ایک
خلیہ سے مالیکول طرح کی نباتات پیدا ہوئیں اور
زمین جنگلوں سے بھر گئی۔

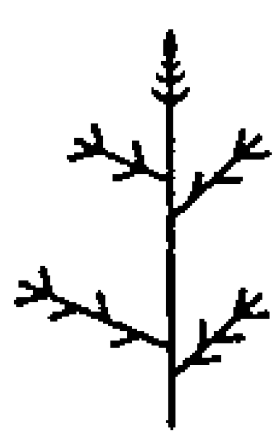

6۔ کوئی 500,000,000 سال ہوئے جب
نفس واحدہ حیوانی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر اس
نے ہر طرح کے جانداروں کو جنم دیا۔

Marfat.com

7۔ کوئی 300,000,000 سال ہوئے جب ہڈی دار جانور وجود میں آ گئے۔

8۔ 160,000,000 سال پہلے دو چار چھ یا زیادہ پاؤں پر چلنے والے حیوانات ظاہر ہوئے۔

9۔ 10,000,000 سال ہوئے جب دو ٹانگوں پر چلنے والی انسان نما مخلوق نظر آئی۔

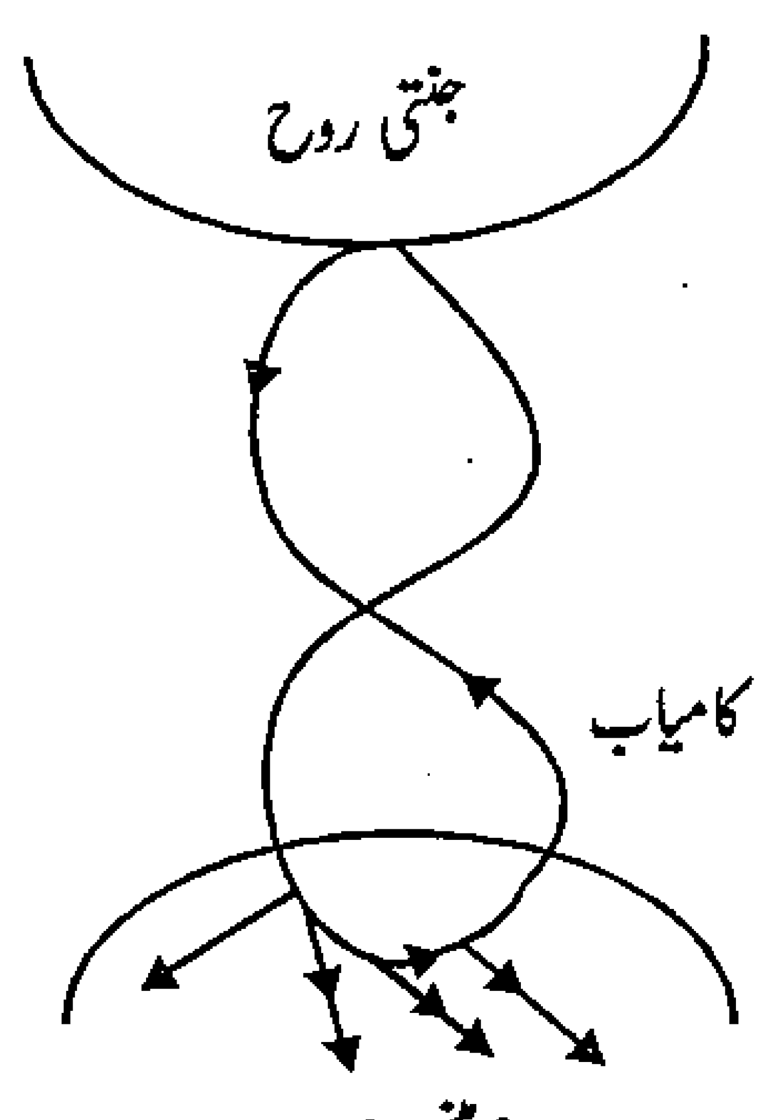

10۔ شاید 50000 سال پہلے حضرت انسان زمین پر وارد ہوا، حیوانی جرثومہ میں روحِ الٰہی کو پھونک دیا گیا۔ انسان کے سفر کے کیمیکل وجود میں روحانی وجود ڈال دیا گیا۔ اب اس کا کام ہے کہ جس جنت سے وہ یہاں آیا ہے اس کے مطابق عمل کر کے وہاں پہنچ جائے ورنہ زمین پر بھوت بن کر سدا بھٹکتا رہے گا۔ کامیاب نفوس جدھر سے آئے ادھر پہنچ جانے والے ہیں۔

باب نمبر 3

ڈارون کے نظریہ ارتقاء اور اسلامی نظریہ ارتقاء میں فرق

3.1 ڈارون کا ارتقائی مسئلہ اور انسانی استحصال

جب بھی ارتقاء کا نام لیا جاتا ہے تو فوری طور پر مولانا محمد علی جوہر مرحوم کا وہ مشہور مصرعہ جو انہوں نے ڈارون کے ارتقائی نظریہ کے متعلق کہا تھا۔ ذہن میں آتا ہے:۔

ڈارون نے کہا کہ بوزنا ہوں میں

دراصل ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے مطابق انسان کی تخلیق تاریخ کوئی خصوصی واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ کروڑوں سالوں پر پھیلے ہوئے ایک مسلسل حیوانی ارتقائی عمل کا نتیجہ ہے جس میں بقاء کا حقدار صرف طاقتور ہے۔ اس کے نزدیک اخلاقی قدریں، دین اور مذاہب انسان کے اپنے بنائے ہوئے ضابطے ہیں جن کو وہ اپنے مفاد کی خاطر بدلتا رہتا ہے۔ ڈارون کی زبان میں اس اصول کو (Survival of the fittest) کہا گیا ہے۔ دراصل یورپی اقوام کو اس سے دیگر انسانوں کو غلام بنانے اور ختم کرنے کا جواز مل گیا۔ دوسرا المیہ یہ ہوا کہ اس کی بنا پر بے دینی (Secularisum) کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

اس ارتقائی نظریہ کے مطابق سب سے پہلے زندگی اربوں سال ہوئے جب ایک جرثومہ کی شکل میں سمندروں میں ظاہر ہوئی اور اس اصول کے تحت کہ 'بقاء طاقتور کیلئے ہے' وقت کیساتھ طاقتور ترقی کرتے گئے اور کمزور معدوم ہوتے گئے اور تخلیق مختلف انواع میں تقسیم ہوتی گئی۔ یوں رفتہ رفتہ جرثوموں سے بڑھ کر مچھلیوں کی تخلیق ہوئی' ان مچھلیوں میں چند ایسی طاقتور مچھلیاں بھی تھیں جو سمندر سے نکل آئیں اور خشکی کی طرف رغبت رکھنے لگیں اور جب سمندروں کے باہر آنا جانا شروع ہوا تو لاکھوں سال کی مدت میں ان کی ٹانگیں نکل آئیں۔ رفتہ رفتہ ان میں سے بعض کے پر بھی نکل آئے۔ یہیں سے زمین کے حیوانوں اور پرندوں کی ابتدا ہوئی اور یوں آہستہ آہستہ یہ حیوان سمندروں سے خشکی میں دور دور تک نکلتے گئے یہاں پر گھنے جنگلات تھے' سخت موسم اور سنگلاخ زمین تھی۔ آہستہ آہستہ ماحول کی شدت اور خوراک کی ضرورت سے مجبور ہو کر ایک غیر شعوری طریقہ سے ان کے جسم ماحولیاتی تقاضوں کے مطابق خود بخود تبدیل ہوتے رہے مثلاً ریگستان میں رہنے والے اونٹ کی گردن لمبی ہوتی گئی چونکہ اسے پتے صرف درختوں کی چوٹیوں پر میسر تھے' کچھ نے درختوں پر رہنا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں ان کی اگلی ٹانگیں معدوم ہوتے ہوتے بازو بن گئیں اور یوں بندر ظہور میں آ گئے۔ اسلئے کہ کبڑا ہو کر چاروں ٹانگوں پر چلتے ہوئے گھنے جنگلات میں زیادہ دقت پیش آتی تھی انہی کی چند نسلوں نے دو پاؤں پر چلنا بھی سیکھ لیا۔ چونکہ اگلی ٹانگوں کا استعمال کم ہوتا تھا اس لئے وہ سکڑنے لگیں اور ٹہنیوں وغیرہ کو ہٹانے میں ان کے زیادہ استعمال کی وجہ سے پائے

ہاتھوں کی شکل میں بدلنے لگے۔ یوں آہستہ آہستہ بندر ترقی کرتے ہوئے آدمی بن گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ڈارون اور ان کے ساتھی محققین کا یہ بھی خیال تھا کہ یہ تبدیلیاں اس قدر آہستہ آہستہ ہوتی ہیں کہ ایک نسل تو کیا سینکڑوں نسلوں میں بھی ظہور پذیر تغیر نا قابل محسوس ہوتے ہیں لیکن بہرحال ان تبدیلیوں کا محرک ماحول ہی ہے۔ اس عمل میں وہ مخلوقات جو ماحول کا مقابلہ نہیں کر سکتیں خود ہستی کے منظر سے معدوم ہوتی جاتی ہیں۔

اٹھارہویں صدی میں جب گوری قومیں افریقہ کے لوگوں کو غلام بنا بنا کر امریکہ لا رہی تھیں اور ان سے حیوانی مشقت کا کام لیتی تھیں تو اس وقت ڈارون کا نظریہ کہ "طاقتور کو بقاء حاصل ہے" بہت ہی مقبول ہوا۔ اس نظریہ سے اقوام یورپ کو اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کیلئے ایک سائنسی بنیاد مل گئی۔ چنانچہ بہت سے یورپی مفکرین نے یہ کہنا شروع کیا کہ انسانوں میں بھی مختلف ارتقائی گروپ ہیں یعنی کچھ زیادہ انسان ہیں اور کچھ کم۔ ان کے مطابق افریقی نیگرو، امریکی ریڈ انڈین اور آسٹریلیا کے پرانے باشندے انسانوں اور بندروں کے درمیان ایک حیوانی کڑی تھی اسلئے وہ انسانی حقوق کے مستحق نہیں۔ لہٰذا ان کو غلام بنانا، ان سے حیوانی مشقت لینا حتیٰ کہ ضرورت کے تحت ان کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔ اس طرح انہوں نے انسانی ارتقاء کی درجہ بندی کر ڈالی جس میں سرفہرست یورپین اقوام کو رکھا گیا کہ وہ انسانیت کا سبق سکھائیں۔ افسوس کے ان میں سے بہت سے شعوری اور لاشعوری طور پر اب بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

3.2 مسلمان مفکر اور مسئلہ ارتقاء

جیسے ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ ڈارون سے بہت پہلے مسلمان مفکرین اچھی طرح سمجھتے تھے کہ مخلوقات میں ارتقاء قدرت کے نشو و نماء کے عوامل کا ایک ضروری حصہ ہے۔ ان کے نظریہ ارتقاء کی خصوصیت یہ تھی کہ ارتقاء ایک خدائی قانون ہے، خالق کی منشاء کے مطابق تخلیق کا ایک ذریعہ اور ٹوٹل وجود میں زمین پر مختلف تخلیقی ادوار انسان ہی کی کہانی ہے جس کے بارے میں قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"تم ضرور چڑھتے رہو گے منزل بہ منزل" سورۃ النشقاق 19

علامہ اقبال اپنی انگریزی کتاب (The Reconstruction of Religious thought in Islam) کے صفحہ 141 میں بتاتے ہیں کہ اسلامی سائنس کی تاریخ میں سب سے پہلے جاحظ (Jaheze) جن کا انتقال ۲۵۵ ہجری میں ہوا' نے یہ بات معلوم کی کہ پرندوں اور حیوانوں کی زندگی ماحول سے متاثر ہوتی ہے اور ایک عرصہ کے بعد وہ نسل در نسل اپنے جسم کو ماحول کی ضرورت کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ اس کے بعد ابنِ مکلوۃ (Ibne Maokwaih) متوفی ۴۲۱ ہجری نے جاحظ کے اس خیال کو باقاعدہ ایک سائنسی کلیہ کے طور پر پیش کیا۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب مسلمانوں میں نباتاتی اور حیوانی ارتقاء کا نظریہ اس قدر مقبول ہوا کہ شعراءِ کرام نے بھی اسے موضوعِ سخن بنایا۔ چنانچہ مولانا رومیؒ اپنی مثنوی میں جس طرح اس نظریہ کے روحانی پہلوؤں کا ذکر کیا ہے وہ ڈارون اور ویلس کے ارتقائی نظریہ سے کہیں زیادہ پر وقار ہے۔

Marfat.com

مندرجہ ذیل میں ان کے اس موضوع پر کلام کا مفہوم اردو میں پیش کیا جاتا ہے فرماتے ہیں:

"سب سے پہلے انسان کا آغاز جامد اشیاء کے مادہ میں ہوا اور پھر یہاں سے گزر کر وہ نباتات میں ہویدا ہوا۔

سال ہا سال تک اس کا وجود پودوں کا ایک حصہ ہوتا تھا۔

پھر نباتات سے بڑھ کر وہ حیوانی زندگی میں ظہورپذیر ہوا۔

اس حال میں وہ اپنے نباتاتی حالت کے کوائف بھول چکا تھا۔

لیکن اب بھی اسے اپنی پہلی حالت کی وجہ سے پودوں سے پیار ہے'

خصوصاً جب موسمِ بہار آتا ہے اورپھول کھلتے ہیں تو یہ پیار

اس بچہ کی طرح ہو جاتا ہے جو اپنی ماں کی طرف کھینچا چلا آتا ہے۔

لیکن وہ نہیں جانتا کہ اس لگائو کی وجہ کیا ہے۔

پھر جیسا کہ تم جانتے ہو' خالق اعلیٰ نے آدمی کو حیوانوں کی دنیا سے بھی نکال لیا

اور اسے انسانی حالت میں لے آیا۔

اس طرح آدمی قدرت کے ایک سٹیج سے دوسرے میں گزرتا گیا۔

حتیٰ کہ وہ عقل مند' عالم اور مضبوط ہو گیا جس طرح کہ آج وہ ہے۔

اب اسے اپنی روح کی پہلی حالتوں کا علم تک بھی نہیں ہے

جان لو کہ پہلے ہی کی طرح وہ پھر اپنی اس حالت کو بدل کر کسی اور ہی اعلیٰ مقام تک رسائی حاصل کریگا۔

جس کا اسے علم نہیں ہے۔

(Translated From Allama Iqbal's Reconstruction of Religious Thought)

اس خوبصورت نظم کو پڑھ کر آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ مولانا رومؒ نے کس قدر پیارے انداز میں تھوڑے سے الفاظ کے ساتھ نظریہ ارتقاء کی پوری کڑیوں کو بیان کر کے رکھ دیا ہے۔ علامہ اقبال کی کتاب (The Reconstruction of Religious Thought in Islam) سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا اپنا نظریہ بھی رومیؒ کی مطابقت ہی میں تھا اور وہ اس لحاظ سے ارتقاء کے قائل تھے۔

Marfat.com

اسلامی نظریہ ارتقاء کی خصوصیت جو اسے ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی نئی تخلیق کا وجود اللہ تعالیٰ کے امر کن کا محتاج ہے۔ اسباب مثلاً ماحول کی تبدیلیوں یا کسی آسمانی یا زمینی انقلاب کا انکار نہیں لیکن اصل وجہ اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت ہے جس کے مطابق نئی زندگی وجود مین آتی ہے۔ جب تخلیق ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اس کی نشو ونماء اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے قوانین اور اسباب کی پابند ہے لیکن یہاں بھی وہ اپنی فطرت میں ودیعت شدہ صلاحیت جس کو آجکل جنوم (Genome) کہا جاتا ہے کے مطابق پھولتے پھلتے ہیں۔ یوں اسلام ماحول کے اثرات کی نفی نہیں کرتا لیکن اس کا اثر بنیادی (Basic) نہیں بلکہ تدریجی تبدیلی (Modification) کا ہے یعنی یہ ایک متحرک نظریہ ہے جس کے مطابق انسانی ارتقاء ایک مدت کے بعد رک نہیں جاتا بلکہ آیت (19)84 کے مطابق نفس منزل بہ منزل اپنی انتہا کی طرف چڑھتا رہتا ہے لیکن پھر بھی ارتقاء کوئی اندھا عمل (Blind Process) نہیں بلکہ اس کا مقصد بھی انسان کو جسے قرآن نے احسن التقویم کہا ہے، اور پھر اسے اسفل السافلین کی طرف دھکیل دیا تھا' دراصل اس نیچی سطح سے اٹھا کر اپنے ڈیزائن کی اوپر والی سطح تک پہنچانا ہے۔

اسلامی نظریہ ارتقاء کے متعلق ایک اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ وہ طاقتور کی بقاء کے اصول کو نہیں مانتا بلکہ اس کی جگہ وہ کہتا ہے کہ ''حق کی جیت ہے''۔ نوع انسانی کے لحاظ سے اس قانون کو یوں کہا گیا ہے ''**خیر الناس من ینفع الناس** ''''لوگوں میں بہتر وہ ہے جو لوگوں کے لئے زیادہ نفع بخش ہے'' اسی بات کو اگر عمل ارتقاء پر نافذ کریں تو کہیں گے۔ **(Survival is for the most useful one)** یعنی عمل ارتقاء بہتری کی طرف قدم ہے۔ جبکہ ڈارون کا اصول ارتقاء صرف ننگی جارحیت کو دعوت دیتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ اسلام ہی میں بے شمار ایسے مفکر بھی ہیں جو کسی طرح کے ارتقاء کے قائل نہیں' بلکہ ان کے نزدیک نوع انسانی کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ایک جامد عمل کے تحت ہوئی تھی۔ وہ قرآنِ کریم سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی مٹی جو کہ سڑے ہوئے گارے کے خمیر سے ہوئی تھی کو گوندھ کر اپنے ہاتھوں سے آدم علیہ السلام کا بت بنایا اور پھر اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک کر اسے زندہ کر دیا۔ پھر وہ جنت میں رہنے لگے جو ان کے نزدیک آسمانوں میں شاید کوئی بہت بڑا سیارہ ہے۔ جب انہوں نے ممنوعہ شجر جسے گندم کا پودا کہا جاتا ہے کا پھل کھا لیا تو انہیں زمین پر بھیج دیا گیا جہاں عمل تولید سے ان کی اولاد ہر طرف پھیل گئی۔ ان کے نزدیک ڈارون کا نظریہ ارتقاء ایک گمراہ کن نظریہ ہے اور اس پر یقین رکھنے والوں کو کافر بھی کہتے ہیں۔

ان متضاد تاویلات نے ایک عام مسلمان کو بہت بڑے مسئلے میں ڈال دیا ہے۔ خصوصی طور پر سائنس کے طلباء کیلئے تو یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ وہ جدید سائنس کو رد کریں یا نعوذ باللہ قرآنِ کریم پر شک کریں جبکہ حقیقت یہ ہے قرآنِ کریم شک وشبہ سے بالاتر سچائی کا سرچشمہ ہے اور سائنس سچائی کی طرف مسلسل جدوجہد کا نام ہے' یہی وجہ ہے کہ ہر جہت میں بالآخر سائنس قرآنِ کریم کی سچائیوں کو تسلیم کرتی آرہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کے طالبِ علموں کیلئے بھی ضروری ہے کہ وہ سائنس کو سمجھیں اور اسے رد کرنے سے پہلے روایات خاص طور پر جن کے ماخذ اسرائیلی ذرائع ہیں پر حکمت سے غور فرمالیں۔ انشاء اللہ آئندہ صفحات پر آپ دیکھیں گے کہ سائنس خود اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سب سے بڑی گواہ بن کر سامنے آرہی ہے۔ جو غیر مسلموں کے لئے حیران کن اور مسلمانوں کے ایمان کو مزید مضبوط کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

Marfat.com

باب نمبر 4

قرآن کا انسان

(ولقد کرمنا بنی آدم)

("Indeed we have honoured the son of Man")

4.0 تعارف

پچھلے ابواب میں ہم نے فلاسفروں، سائنسدانوں اور مغربی تہذیب کے مقلدین کے انسان کے متعلق نظریات کا مختصر جائزہ لیا ہے ان سب کی تان یہیں ٹوٹتی ہے کہ انسان ایک ترقی یافتہ حیوان ہے، ایک ارتقائی حادثہ۔ان کے مطابق اس کی پیدائش میں آگے پیچھے کوئی مقصد کارفرما نہیں ہے، نہ ہی انسان کی انفرادی زندگی اور موت میں کوئی راز ہے۔اس نظریہ میں کسی طرح کی مستقل اقدار کی کوئی گنجائش نہیں، انکے نزدیک انسان خدا کی تخلیق نہیں بلکہ مذہب اور خود رب کائنات انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔یوں وہ سائنس کے نام پر انہی خیالات اور اوہام میں الجھے ہوئے ہیں جن میں ہزاروں سال قبل کے گمراہ لوگ تھے۔قرآنِ کریم سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے کفار بھی یہی باتیں کرتے تھے اوران کے بعد کوئی ساڑھے چار ہزار سال ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اسی قماش کے لوگوں سے پالا پڑا تھا۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان حیوان نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی تخلیق ہے، وہ کائنات سے نہیں بلکہ کائنات اسکی وجہ سے ہے، موت خاتمہ نہیں بلکہ زمان و مکان کے لمبے سفر میں اس کی ایک منزل کا نام ہے۔

نہ تو زمین کیلئے نہ آسمان کیلئے
جہاں ہے تیرے لیے تو ، نہیں جہاں کیلئے

4.1 انسان بزرگ ترین ہے

اس گمراہ فلاسفی کے برعکس کہ انسان حیوانوں ہی میں سے ایک ترقی یافتہ حیوان ہے، نہ صرف قرآن کا انسان انتہائی محترم اور بزرگ ہستی ہے بلکہ وہ کائنات کی غرض وغایت بھی ہے، بحیثیت انسان اس کی بزرگی میں کسی کا مذہب، ملت، رنگ، شکل وصورت غرض کسی طرح کی بھی اُونچ نیچ حائل نہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''**الخلق عیال اللہ**''یعنی خلقت اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے اور آدمی کے متعلق رب تعالیٰ کا اپنا ارشاد ہے:۔

Marfat.com

ولقد کرمنا بنی آدم

"بلا شك وشبه ہم نے آدم کے بیٹے کو بزرگی عطا فرمائی ہے"۔

چنانچہ آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے دنیاوی حیات میں بزرگی کا یہ شرف ہر مومن اور کافر کو یکساں حاصل ہے یہ عزت وافتخار ہر آدمی کا بنیادی حق ہے۔ اس لیے مسلمان صوفیا کہتے ہیں "مندر ڈھا دے، مسجد ڈھا دے، دل نہ ڈھاویں ھو۔" یعنی انسان کے دل کو ٹھیس لگانا مسجد کو تباہ کر دینے سے بڑا گناہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ "مسلمان کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے"۔

ولقد کرمنا بنی آدم کا یہ بھی مطلب ہے کہ انسان کائنات سے عظیم تر ہستی ہے اور جیسے قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ " **سَخَّرَ لَنَا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ** " رب العالمین نے ہر چیز کو انسان کی خدمت پر لگا دیا ہے۔ اس حقیقت کے پیشِ نظر کہ کائنات کی ہر چیز کا مقصد آدمی کی خدمت ہے تو آدمی پر بھی فرض ہو جاتا ہے کہ یہ وہ اپنے مقصدِ حیات کو پہچانے، اپنے عظیم مقام سے گر کر کوئی عمل نہ کرے اور مخلوق کی بجائے صرف اپنے خالق کے سامنے جھکے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"اور اس نے تمہارے لئے رات اور دن کو مسخر کیا، اور سورج اور چاند اور ستارے اسی کے حکم سے تمہارے لئے مسخر ہیں بیشك اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے" سورة النحل 16، آیت 12

4.2 انسان خالقِ کائنات کا مظہر ہے

قرآنِ کریم کے انسان کا ایک عظیم امتیازی وصف اشیاء کا علم ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ خود علیم ہے اور اس نے انسان کو اپنے علم میں سے کچھ حصہ دے کر تمام دیگر مخلوقات میں عظیم بنا دیا ہے۔ اس کے متعلق قرآنِ پاک میں حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ (Case History) ہر انسان کیلئے قابلِ فخر مثال ہے۔ قرآنِ کریم کی متعدد آیات جن میں سے کئی ایک کے حوالے پہلے بھی دیے جا چکے ہیں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں اپنے ہاتھوں خصوصی طور پر پیدا کیا اور اس میں اپنی روح میں سے بھی کچھ پھونک دیا یوں انسان کو اپنی صفاتِ عالیہ کا مظہر بنا دیا۔ انہی میں علم کی صفت بھی ہے چنانچہ اس علیم الخبیر ذات پاک نے انسان پر اپنی تخلیقات کے راز افشاء کر دیئے۔ وہ کائنات کے سامنے ایک باعزت، ذی عقل، باعلم، خود مختار اور اشرف المخلوقات کی حیثیت سے لایا گیا۔ پھر ایک علمی مقابلہ کروایا گیا جسکے نتیجہ میں تمام جنات اور ملائکہ پر انسان کی علیت کو ثابت کیا گیا۔ یعنی وہ سب علوم جنہیں ہم سائنس کا نام دیتے ہیں اور ان کی مدد سے ہم آج کائنات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ

Marfat.com

دراصل بنی آدم کی فطرت کا باطنی حصہ ہیں۔

علم الاشیاء سے بھی عظیم تر تحفہ جو انسان کو نصیب ہے وہ خود ذات پاک کا علم ہے جسے خالق کائنات کی معرفت کہتے ہیں کہ ان کی روح سے "**الست بربکم**" کے سوال کے ساتھ رب تعالیٰ نے اپنی حقیقت کا اقرار کروایا اور اسے اپنی معرفت سمجھائی گئی۔ افسوس کے ہم میں سے اکثر اس علم کی روشنی تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔

4.3 ایک بے مثل ڈیزائن

قرآنِ کریم انسان کے بارے میں یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اپنے روحانی اور جسمانی ڈیزائن میں اعلیٰ ترین خصوصی تخلیق ہے جس کا کوئی ثانی نہیں، فرمایا:۔

> " قسم ہے انجیر کی ' زیتون کی اور طور سینین کی ' اور اس امن والے شہر کی ' یقینا ہم نے انسان کو بہترین ڈیزائن ، (احسن التقویم) کے مطابق خلق کیا ، پھر اسے (امتحان کے لئے) کم سے کم تر درجہ پر (اسفل السافلین) دھکیل دیا"
> سورۃ التین 95، آیات 4-1

احسن التقویم کا اشارہ انسان کی روحانی تخلیق کی طرف ہے اور اسفل السافلین اسکی حیوانی فطرت کی طرف ہے، مطلب یہ کہ انسان اپنی خلق اور فطرت میں روحانی ارتقاء کے آخری مقامات کا حامل ہے۔ اس کا ڈیزائن اور ساخت فطرت کی تمام مخلوقات سے بہترین ہے۔ یہ فرمان کہ **احسن التقویم** بنا کر اسفل السافلین میں کیوں ڈال دیا گیا۔ امتحانی غرض سے ہے تا کہ انسان خود بھی اپنی فضیلت کو ثابت کرے اور زمینی چیزوں کے حرص و ہوا سے بچ کر اپنے جنت والے عالی مقام کو حاصل کرے۔ یہ تو قرآن کے انسان کے کچھ اعجازات ہیں لیکن افسوس کہ کچھ نام نہاد ترقی پسند اپنے آپ کو بندروں کی اولاد بتاتے ہیں۔ کاش کہ اب بھی قرآنِ کریم کی رہنمائی میں اپنے مفروضوں سے نکل کر انسانی تخلیق کے کمالات کی طرف غور کر لیں۔ بندروں سے ہٹ کر اپنی سوچ کو ربِ کائنات کی عظمت اور شفقت کی طرف لوٹائیں۔

4.4 قرآنِ پاک میں انسانی تخلیق کی کہانی

آیئے اب ہم قرآنِ کریم سے اپنی تخلیق کی باتیں سنیں۔ یہ کہانی ایک سبق آموز، نہایت حیران کن، قابلِ فخر بیان ہے جو انسان کو تاریکی کے پردوں سے نکال کر حقیقت کے نور کی طرف لے کر جاتی ہے۔ اس موضوع پر قرآنِ کریم میں کئی آیات مثلاً ,20(116-123) ,38(71-76) ,15(28-31) 7(11-21) میں اس عظیم واقعہ کی مختلف کیفیات بیان کی گئی ہیں۔ ان آیات کریمہ سے آدم علیہ السلام کی

Marfat.com

تخلیق کی جو حقیقت ابھرتی ہے وہ کچھ یوں ہے جس انداز میں قرآن کریم حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی خبر دیتا ہے وہ بذاتِ خود بڑا چونکا دینے والا بیان ہے۔فرمایا:۔

''اے بنی نوع انسان۔ اس واقعہ پر غور کرو' جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا میں زمین پر اپنا ایک نائب بنانے والا ہوں۔ جب میں اسے مناسب شکل میں مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سر بسجود ہو جانا''۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کے اس آفاقی اعلان سے پہلے فرشتے زمین پر بسنے والی مختلف مخلوقات کے اطوار سے آگاہ تھے۔ ان کے مشاہدہ میں حیوانات اور درندے آچکے تھے جو آپس میں خون خرابہ کرتے اور ایک دوسرے سے چھینا تانی کرتے' اپنی خوراک کے حصول کیلئے ایک دوسرے کو جان سے مار دینے سے بھی دریغ نہ کرتے بلکہ بعض تو ایک دوسرے کو کچا کھا بھی جاتے' انہی میں دو ٹانگوں پر چلنے والے کچھ ایسے بھی حیوان تھے جو اپنی سفاکی میں کوئی ثانی نہیں رکھتے تھے۔ وہ نہ صرف اپنے ہاتھوں اور دانتوں سے بلکہ پتھروں اور چھڑیوں سے بھی دوسروں کو مارتے' اکثر اوقات مخالف کا مارا جانا بلا ضرورت ہی ہوتا۔ اپنے ان مشاہدات کی بناء پر فرشتے غلط فہمی کے نتیجہ میں اس اعلان پر حیران ہوئے کہ کیا اللہ تعالیٰ انہی حیوانات میں سے کسی کو اپنا خلیفہ بنائے گا' اور حیرانی سے سوال کیا کہ:۔

''اے باری تعالیٰ! کیا آپ زمین میں اُسے نائب بنانیوالے ہیں جو وہاں خون خرابہ کریگا اور اسکا امن درہم برہم کر دیگا جبکہ ہم آپ کی تعریف و توصیف کرتے ہیں اور ہر وقت آپ کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں''۔ (اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ''میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے''۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کا ماڈل تیار ہو چکا اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی روح میں سے کچھ پھونک کر اپنے اوصاف عطا کر دیئے تو فرمایا ''اے آدم اب تو انہیں بتا کہ ان چیزوں کے خواص کیا ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے بلا تامل سب چیزوں کے صحیح صحیح نام بتا دیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی اس امتحان میں کامیابی کے بعد ربِ ذوالجلال دوبارہ فرشتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ''کیا میں نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ'' میں زمین اور آسمانوں کے تمام رازوں سے واقف ہوں اور مجھے تمہاری حیثیت اور فطرت کا بھی علم ہے اور جو تم ظاہر کرتے ہو یا چھپاتے ہو میں وہ سب کچھ جانتا ہوں''۔ جب حجت تمام ہوگئی تو رب العالمین نے فرشتوں کو حکم دیا'' کہ اب تم آدم کی برتری کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جاؤ''۔ یہ حکم سن کر سب ہی سربسجود ہو گئے ماسوائے ابلیس کے' اس نے انکار کر دیا۔ شیطان کے اس رویہ پر اللہ تبارک تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ ''اے ابلیس تمہیں کس چیز نے آدم کے سامنے جھکنے سے باز رکھا'' تو وہ تکبر میں بولا! ''میں اس کے سامنے کیسے جھکوں جسے آپ نے مٹی کے خمیر سے اُٹھایا ہے۔ جبکہ میری تخلیق آگ سے کی گئی ہے جو مٹی سے برتر ہے اور اس طرح میں ایک کمتر تخلیق کے سامنے کیوں سربسجود ہوں؟''۔

Marfat.com

ابلیس کی اس جسارت اور تکبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے مراتب چھین لیے اور اسے ذلیل وخوار کر کے راندہ درگاہ ہونے کا حکم دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا لیکن وہ تکبر اور حسد میں مزید بڑھتا چلا گیا اور آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کا دشمن بن گیا۔ اس کی سوچ یہ تھی کہ باری تعالیٰ کے حضور اسکی رسوائی کا باعث آدم اور اسکی اولاد ہے، اس لیے میں اسے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور ذلیل کر کے چھوڑوں گا اور جس جنت سے مجھے اس کی وجہ سے نکلنا پڑا ہے میں بھی اسے وہاں سے نکال کر دم لوں گا لیکن وہ آدم علیہ السلام پر زبردستی نہیں کر سکتا تھا چنانچہ اس نے انسان کو راہِ حق سے گمراہ کرنے کی ٹھان لی۔ اسکے لیے اس کا حربہ انسان کے ذہن میں فاسد خیالات، شکوک وشبہات اور وسوسے ڈالنا ہے۔ لیکن اسکے پھندے میں وہی پھنستے ہیں جو خود بھٹکنا چاہتے ہیں، جو نیک راہ پر چلنا چاہتے ہیں شیطان ان کا کچھ بھی تو نہیں بگاڑ سکے گا۔ ان کیلئے کوئی خوف یا غم نہ ہوگا' وہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنی کھوئی ہوئی جنت کو دوبارہ پالیں گے' لیکن جو شیطان کی باتوں میں آ کر مقام انسانیت سے نیچے گر جاتے ہیں وہ اس کے ساتھ جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

یہ ہے قرآن کے انسان کی شاندار داستان۔ بلند مقاصد کیلئے بلند مرتبہ تخلیق' اپنے ڈیزائن (تقویم) میں احسن ترینٰ اور صلاحیتوں (Potential) میں بے مثل ہے' وہ کائنات میں رب تعالیٰ کی عارف اور اسکے خواص کا مظہر ہے اور زمین پر اسکا نائب ہے۔ اسکے ذمہ ان مقاصد کی تکمیل ہے جس کیلئے اسے پیدا کیا گیا۔ دنیاوی حیات کے دوران شیطان کا وجود انسان کیلئے بہت بڑا امتحان ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ایک حصہ ہیں۔ انسان کی عزت اس میں ہے کہ وہ شیطان کا مقابلہ کر کے مالکِ کون ومکان کی نظروں میں اپنا مقام بنائے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو بلا امتحان بھی اسے سب کچھ دے سکتا تھا لیکن اس میں پھر انسان کا کیا کمال ہوتا۔ یہ تو ایسے ہی ہوتا جیسے کوئی کسی پتھر کو اٹھا کر اونچے مقام پر سجا دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو عزت' علم اور اختیار کی نعمتوں سے بقیہ تمام مخلوقات پر امتیاز دیا اور اس کی خودی کی خاطر اسے موقع دیا کہ وہ ان اعزازات کا حق دار ہونا ثابت کرے' اس کیلئے ضروری تھا کہ شیطان کی تخلیق بھی ہوتی اور اسے انسان کو ورغلانے کی صلاحیت اور مہلت بھی عطا ہوتی۔

یہ تو انسان کی جنت میں کہانی کا پس منظر تھا' ادھر زمین پر طبق در طبق اس کے جسم کا ارتقاء قوانین خداوندی کے تحت ایک مکمل منصوبہ کے ساتھ تکمیل پذیر ہو رہا تھا۔ جب جسمانی لحاظ سے بھی وہ اپنی معراج کو پہنچ گیا تو پھر ایک مناسب وقت پر اللہ تعالیٰ نے تمام بقیہ دو پاؤں پر چلنے والے انسان نما حیوانوں کو ختم کر دیا اور آدم کو اسکے زمینی جسم میں منتقل کر دیا' اور اس میں اپنی روح کا کوئی حصہ حلول کر دیا جس کی وجہ سے وہ مقامِ آدمیت پر فائز ہوا اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب قرار دیا گیا۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جسمانی لحاظ سے انسان کسی دوسرے سیارے سے گرائی ہوئی مخلوق نہیں ہے بلکہ ارضی زمین کا ہی وہ ایک حصہ ہے البتہ اپنے روحانی مقام کے لحاظ سے اس کی ساخت، اہلیت اور فطرت اس احسن تقویم کے مطابق ہے جو جنت میں پیدا ہوا تھا اور مسجود خلائق ٹھہرا تھا۔ اس ضمن میں قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ

''اللّٰہ تعالےٰ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، مانند نباتات کے، پھر تمہیں زمین ہی

میں لوٹائیں گے اور زمین میں سے ہی، تم زندہ کئے جائو گے۔(17-18)71

غرضیکہ قرآن کریم سے ہمیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس ماورائی حقیقت میں انسان کی تخلیق جنتی ہے لیکن طبعاتی دنیا میں اسکا خیر ارضی ہے۔ یعنی آدم علیہ السلام کی ایک پیدائش جنتی ہے جس میں اس کا ڈیزائن، تقویم، ماڈل جسم، روحانی فطرت، علم اور رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونے کی صلاحیت سبھی شامل ہیں، اسکی دوسری پیدائش ارضی ہے تو جو مٹی کا پیراہن ہے جس کی بنیاد مادی عناصر ہیں اور جو زمینی اجزاء سے نشوونما حاصل کرتا رہتا ہے اور اس کا رجحان بھی انہی چیزوں کی طرف ہے جو زمینی ہیں۔ آخرکار جب انسان کی زمین پر لکھی گئی تقدیر پوری ہو جاتی ہے تو وہ اپنے جسم کا ایک ایک ذرہ زمین کو واپس کر دیتا ہے اور خود اپنے روحانی پیراہن میں منتقل ہو کر اگلے مقامات کی طرف سفر کا آغاز کرتا ہے۔

Marfat.com

باب نمبر 5

حضرت آدم علیہ السلام اور انسان کا ظہور اوّل

5.1 انسانی شخصیت

پچھلے باب کی بحث سے یہ بات عیاں ہے کہ قرآنِ کریم کے مطابق انسان کی تخلیق کے دو پہلو ہیں۔

1۔ ماورائی شخصیت

2۔ طبیعاتی شخصیت

روح چونکہ امر ربی ہے اس لئے یہ ایک مستقل حقیقت ہے جبکہ پیدائش اور موت کا عمل جسم پر ہے۔ جسمانی حد تک انسان کی زندگی بھی بقیہ حیوانات کی طرح ایک انڈے (Egg) سے شروع ہوتی ہے جو کچھ عرصہ تک ماں کے پیٹ کے محفوظ خانوں میں نشوونما پاتا ہے اور پھر بیرونی دنیا کی کھلی فضا میں نکل آتا ہے۔ یہاں زمین سے پیدا کردہ اشیاء اس کی خوراک بنتی ہیں' پھر جوانی کے کمال کے بعد بڑھاپے میں داخل ہوتا ہے آخر کار جسم کی شکست وریخت کے عمل سے گزر کر مر جاتا ہے۔ اس حوالہ سے انسان اور حیوانات یکساں موت وحیات کے عمل سے گزرتے ہیں' مٹی کے عناصر سے پیدا ہوئے، مٹی سے نکلی چیزیں کھاتے رہے اور پھر مٹی ہی میں مل کر ختم ہو جاتے۔ جہاں تک روحانی شخصیت کا تعلق ہے یہ الٰہی صفات کی مظہر ہے یہ صرف انسان ہی کا خصوصی امتیاز ہے۔ حیوانات اس عظیم تحفہ سے عاری ہیں۔ حتیٰ کہ ملائکہ بھی اسکے مقام کو نہیں پہنچ سکتے یہ حیات کی احسن التقویم والی بات ہے۔ البتہ اپنی زمینی حیات کا آغاز آدمی اسفل السافلین ہی سے کرتا ہے جہاں سے وہ اپنے اعمال اور ایمان کے زور سے روحانی شخصیت کی نشوونما کرسکتا ہے لیکن اسفل کی دنیا اسکے زیادہ نزدیک تر ہوتی ہے۔

”بے شک ہم نے انسان کو اعلیٰ سے اعلیٰ معیار کے مطابق ڈیزائن پیدا کیا ، پھر اسے کم سے کم تر مقام کی طرف دھکیل دیا “ (4-5)96

جیسے جسم کی صحت اور نشوونما کا تعلق خوراک سے ہے اسی طرح روحانی شخصیت کی صحت اور نشوونما کا دارومدار صحیح ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ ان میں حقوق اللہ، حقوق العباد دونوں شامل ہیں۔ ایمان اور عمل کی کمزوری سے انسانی نفس کمزور رہ جاتا ہے اور اسفل کی خواہشات کے پیچھے بھٹکتا رہتا ہے۔ مسلسل گناہ کے نتیجہ میں آدمی کی روحانی شخصیت مر بھی سکتی ہے جس کے بعد وہ مستقل طور پر اسفل اسافلین کا حصہ بن جاتا ہے۔ قرآنِ پاک ایسے لوگوں کو بلحاظ انسان مردہ تصور کرتا ہے۔ مرنے کے بعد یہ بھوت بن جاتے ہیں۔

Marfat.com

ان کے برعکس قرآنِ پاک کے انسان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا شعور رکھتا ہے اور وہ اس کے اسماء الحسنٰی کا مظہر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:۔ **تَخلَّقو اخلاق اللّٰه** ۔ "اپنے آپ میں اللہ کے اخلاق پیدا کرو"۔ کی بلندی یا پستی کی نسبت سے روحانی مقام کا تعین ہوتا ہے۔ جن لوگوں کو روحانی شعور حاصل نہیں وہ محض انسان نما حیوان ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔ انہی کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

"کیا تمہارا خیال ہے کہ ان کافروں میں سے اکثر (حق بات کو) سمجھتے ہیں یا عقل رکھتے ہیں؟ نہیں، یہ تو بس مثل حیوانات ہیں، بلکہ ان سے بھی گئے گزرے، راہِ حق سے بھٹکے ہوئے"۔ (44)45

اس آیت مبارک سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن کے انسان کی خصوصیت اللہ تبارک وتعالیٰ کی پہچان اور تقویٰ ہے۔ محض معاشرت یا بولنے کی صلاحیت یا ہتھیار بنانے کی وجہ سے وہ انسان نہیں بن جاتا، زیادہ سے زیادہ آپ اسے ایک ترقی یافتہ حیوان کہہ سکتے ہیں۔ انسان کہلانے کے حقدار صرف اور صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور وحی الٰہی کی ہدایت پر عمل کرتے ہیں۔ اس لئے ماں باپ اور معاشرہ کی ذمہ داری ہے کہ تعلیم وتربیت کے ذریعے بچوں میں وہ دین اسلام کا شعور پیدا کریں تا کہ وہ اسفل اسافلین سے اُٹھ کر مقام علیین کی طرف پرواز کرنا شروع کریں۔ افسوس کہ اس جدید دور میں بیشتر لوگ اپنے بچوں کی دنیاوی تربیت پر تو زور دیتے ہیں لیکن روحانی تربیت کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ نتیجتاً ایسے بچوں کیلئے، الا ماشاء اللہ، اسفل السافلین کے مقام سے اُٹھنا بہت مشکل ہے اور بڑا ہونے کے بعد وہ دنیا کے گند میں مزید ڈوبتے جاتے ہیں اور بالآخر اسی پستی میں وہ بھوت بن کر بھٹکتے رہتے ہیں۔

5.2 انسان کی تخلیق کے مختلف مدارج

انسان کے روحانی اور حیوانی تشخص کو سمجھنے کے بعد ہم اس کی تخلیق کے مرحلات کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ اس سلسلہ میں قرآنِ کریم اور جدید سائنسی دریافتوں کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی تخلیق تین مدارج میں ہوئی۔

1۔ جنت میں پہلی روحانی اور جسمانی تخلیق۔

2۔ ارضی حیات کیلئے موزوں جسم کا زمینی ارتقاء۔

3۔ زمین پر آدم علیہ السلام کا ظہور اور انسانیت کا آغاز۔

قرآنِ کریم انسانی تخلیق اور ارتقاء کے ان تمام مدارج کا مختلف اسلوب سے ذکر کرتا ہے لیکن لوگ عمومی طور پر انسان کی جنتی حیات اور

Marfat.com

زمینی حیات میں فرق نہیں کرتے جس سے بعض اوقات سائنسی دریافتوں اور قرآنی آیات میں تضاد نظر آتا ہے اور ہمیں اپنی حقیقت سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے۔ انتشار سے بچتے ہوئے ذیل میں اہم اصل بات واضح کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ایک عمومی رہنمائی یہ ملتی ہے کہ دنیا پر ہونے والے تمام واقعات پہلے عالم امر میں ہوتے ہیں اور وہاں سے دنیا میں اللہ کے پروگرام کے مطابق اترتے ہیں۔ اسکے لئے مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیں۔

"بے شک ہم نے اسے (قرآن مجید) شب قدر میں اتار اور تم کیا جانو شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہرامر کی طرف۔ وہ سلامتی ہے فجر کے ظہور تک۔" سورۃ القدر 97 آیت 1-5

اس حقیقت کے مطابق دنیا پر ہونے والے تمام واقعات پہلے عالم الغیب میں تخلیق ہوتے ہیں اور وہاں سے عالم الشہادت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیلات ہماری کتاب "قیامت اور حیات بعد الموت" اور دوسری کتاب "Csmology and Human Destiny)" میں سیر حاصل طور پر موجود ہیں۔ مادی لحاظ سے اس کی مثال یہ ہے کہ جب ہم کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اس کیلئے ارادہ، پھر اسکا نقشہ، پھر تخلیق کے مختلف مرحلہ جات اور دیگر تفصیلات ہمارے ذہن میں تشکیل پاتے ہیں۔ وہاں سے پھر وہ ہاتھ، پاؤں اور زبان کے ذریعہ عالم شہادت میں ظہور پذیر ہونا شروع ہوتا ہے، کاغذ پر نقشے بنتے ہیں، ماڈل تیار کئے جاتے ہیں، کوئی کمی بیشی ہو تو اس کو دور کیا جاتا ہے اور پھر جب ہر طرح سے تسلی ہو جاتی ہے تو مادی ذرائع کے استعمال سے وہ کام ایک مجسم شکل میں سب کے سامنے آجاتا ہے۔ اب اگر وہ مطلوبہ معیار پر پورا اترے تو پھر اسے بہت بڑی تعداد میں بنانے کے لئے (Mass Production) فیکٹری میں بھیج دیا جاتا ہے اور پھر وہاں ایک خاص معیار کے مطابق بنتا رہتا ہے۔ وہاں سے وہ مارکیٹ میں پہنچتا ہے جہاں اس کی استعمال کے ذریعے آزمائش ہوتی ہے۔

عالم باطن سے اتر کر عالم شہادت میں ظہور کی ایک اور عام مثال ہماری اپنی پیدائش ہے۔ بچہ پہلے اپنے باپ کے جسم میں گم ہوتا ہے وہاں سے اتر کر ماں کے رحم میں ظاہر ہوتا ہے اور رحم کی دنیا میں ایک مدت تک رہتا ہے اور بعد میں باہر کی دنیا میں آتا ہے۔ ایسی ہی ایک اور عام سی مثال بارش کی ہے، کروڑوں ٹن پانی بادلوں میں گم ہوتا ہے لیکن زمین پر اسکا ظہور بارش کے ایک قطرہ کی شکل میں ہوتا ہے۔ یہ سب مثالیں واضح کرتی ہیں کہ عالم شہادت میں وجود پانے سے پہلے واقعات عالم باطن میں موجود ہوتے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق انسان کی تخلیق اگرچہ زمین پر بعد کا واقعہ ہے لیکن عالم امر میں اس کا ظہور کائنات کے ڈیزائن سے بھی پہلے ہو چکا تھا بلکہ کائنات کی غرض وغائت انسان ہی ہے۔ جیسا کہ سرور کائنات خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہے **لولاك لما خلقت الافلاك** یعنی "اگر یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نہ ہوتا تو میں کائنات کو پیدا ہی نہ کرتا یعنی کائنات کی تخلیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کی بدولت ہے۔ اقبال فرماتے ہیں۔

Marfat.com

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

یا یہ کہ

سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
سب غائیتوں کی غائیتِ اولےٰ تم ہی تو ہو

قرآنِ کریم سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی باطنی تخلیق وتشکیل ایک ایسا امر ہے جو ہماری اس چھوٹی سی زمین پر نہیں بلکہ بے حساب وسعت والی جنت میں عمل میں آیا۔ یہ وجود کی وہی سمت (Dimension) ہے جہاں عالم باطن کی دیگر مخلوقات ہیں مثلاً ارواح، ملائکہ جیسی ہستیاں رہتی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم میں سے خوش قسمت لوگوں کی زمان ومکان کے سفر کی آخری منزل بھی یہی جنت ہو گی۔

قرآنِ پاک کی آیات سے مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی عظیم داستان کا آغاز جنت میں ہوا، یوں انسان اللہ تعالیٰ کی خصوصی تخلیق ہے۔ اس نے اسے اپنے مبارک ہاتھ سے خود شکل دی اپنی فطرت (image) پر بنایا اور پھر اپنی روح پھونک کر ہمیں کائنات میں یکتا مقام عطاء فرمادیا۔ نہ صرف یہ بلکہ زمین پر اپنی خلافت کی خوشخبری سنا کر انسان کو بے مثال کر دیا۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل آیات ہمارے لئے بے حد باعث مسرت کا باعث اور قابل غور ہونی چاہئیں۔ فرمایا:۔

(یاد کرو وہ لمحات)۔"جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے فرشتوں سے فرمایا! کہ میں مٹی سے بشر (انسان) بنانے والا ہوں۔ پھر جب اسے ٹھیک طرح سے بنا لوں اور اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونک دوں، تو تم اس کیلئے سجدہ میں گرجانا۔ پس سب فرشتوں نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا) اس نے غرور کیا اور یوں وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ فرمایا۔ اے ابلیس تجھے کس چیز نے روکا، کہ تو سجدہ کرے اسے جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ؟کیا تو نے غرور کیا؟ تو واقعی بہت بروں میں سے ہے بولا "میں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے پیدا کیا"۔ فرمایا ! تو یہاں سے نکل جا' پس تو راندہء درگاہ ہے، اور بے شک تم پر میری لعنت ہے'

Marfat.com

۔بولا! "اے میرے رب تو مجھے مہلت دے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے" فرمایا! "پس تو مہلت والوں میں سے ہے" اس معلوم وقت تک۔" بولا! تیری عزت کی قسم! ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گامگر ان میں جو تیرے خاص بندے ہیں (ان پر میرا بس نہیں)" فرمایا! " تو سچ یہی ہے اور میں سچ ہی فرماتا ہوں"بیشک میں ضرور جہنم بھردونگا تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی کریں گے"۔ سورۃ ص 38 آیت 80-70

اس سلسلہ میں یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ جنت آسمانوں میں کسی بہت بڑے سیارے کا نام ہے بلکہ قرآن کریم میں اس کو زمین و آسمان یعنی تمام کائنات کی وسعت سے بھی وسیع تر کہا گیا ہے۔(سورہ البقرہ) اس لئے زمین موجودہ طبعیاتی کائنات سے ماورئ مقام ہے۔ یعنی یہ ہمارے سامنے چارسمتی کائنات میں نہیں ہے بلکہ یہ ان کے علاوہ ہے جہتوں(New Dimensions) میں پنہاں وجود ہے۔ وہ ہر جگہ ہے بلکہ موجودہ کائنات اس کے اندر ہے وہ اس کائنات میں نہیں ہے۔(حوالہ مصنف کی کتاب "قیامت اور حیات بعد الموت")

5.3 آدم کا اعجاز علم

قرآنِ کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ آدمیت کا خصوصی وصف علم الاشیاء تھا۔ (32-31)-2 اور یہ اس روح کے نتیجہ میں تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اس میں پھونک دی تھی۔ پھر اس بے مثل وصف کا کھلے بندوں اظہار کیا گیا، خالقِ کون ومکان نے تمام مخلوقات کو اس تقریب میں آنے کا حکم دیا اور فرشتوں سے کہا کہ اگر وہ اپنی بڑائی کے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس کی پیدا کردہ اشیاء کے اسماء (خواص) بتائیں، لیکن انہیں یہ ادراک نہیں تھا پھر یہی حکم آدم علیہ السلام کو ہوا جسے انہوں نے ودیعت شدہ علم کی بنا پر ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا۔ یہ عظیم سائنسی امتحان حجت قائم کرنے کیلئے تھا تاکہ آدم علیہ السلام کا یکتا مقام سب پر واضح ہو جائے ورنہ رب تعالیٰ ویسے بھی سجدہ کا حکم دے سکتا تھا۔ ,(28)15,(61)17
[38(72-7), 2(116), 18(50), 7(11), 4(31-34)]

اس امتحان میں کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ حضرت حوا علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرا دیا۔ یہ مضمون قرآنِ کریم کی آیات (35)2 ,(19)7 ,(119-118)20 میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا:

"اے آدم تو اور تیرا جوڑا جنت میں رہو، پس اس میں سے تم دونوں جو چاہو کھائو، اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا' ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جائو

Marfat.com

گے۔پھرشیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا،کہ ان پر وہ چیزیں کھول دے جو ان سے چھپی ہوئی تھیں اور بولا ! تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اس لئے کھانے سے منع فرمایا کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جائو یا ہمیشہ یہاں کے رہنے والوں میں سے نہ ہو جائو۔اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔یوں اتار لیا انہیں اس نے اپنے فریب میں۔پھر جب انہوں نے اس درخت کا پھل کھایاتو ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گیئں،اور لگے اپنے بدن پر جنت کے پتے لپیٹنے،تب انہیں ان کے رب نے فرمایا!کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے منع نہ کیا تھا،اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟دونوں نے عرض کی" اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گااور ہم پر رحم نہ کریگا' تو یقینا ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے۔" فرمایا!"تم سب یہاں سے اتر جائو"۔اور تمہارے لئے زمین میں ایك وقت تك ٹھہرنا ہے،اور اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔"فرمایا! اسی میں تم جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اسی میں سے نکالے جائو گے"۔

مفہوم سورۃ الاعراف 7 آیت 25-18

یہی مضمون تھوڑی تبدیلی کے ساتھ آیات (37-32)2 میں دیا گیا ہے۔آیات (141-116)20 میں بھی اسی مضمون کا پھر اعادہ ہے۔فرمایا:

"تو ہم نے فرمایا۔ اے آدم (شیطان)تیرا اور ترے زوج کا دشمن ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکال دے،پھر تم مشقت میں ڈال دئیے جائو۔بے شك' تیرے لئے جنت میں یہ ہے کہ اس میں نہ تو بھوکا ہو گا نہ ننگا،اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے گی اور نہ گرمی۔"پھر شیطان نے اسے وسوسہ میں ڈال دیابولا ! اے آدمؑ کیا میں تمہیں بتا دوں ہمیشہ زندہ رہنے والا درخت اور

Marfat.com

ایسی سلطنت جس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔" سورۃ طٰہٰ 20آیت 120-116

آیات(39-34)2 میں یہ مضمون اس طرح آیا ہے:

"اور ہم نے فرمایا! اے آدمؑ، تم اور تمہارا زوج جنت میں رہو اور اس میں سے بے روک ٹوک کھائو جہاں سے تمہارا جی چاہے اور تم دونوں اس درخت کے پاس نہ جانا، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جائو گے۔ تو شیطان نے ان دونوں کو ڈگمگا دیا اور پس ان دونوں کو وہاں سے خارج کرادیا جس میں وہ تھے اور ہم نے فرمایا! تم سب یہاں سے نیچے اتر جائو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے، اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا۔ پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمالی، بیشک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا۔ ہم نے فرمایا! تم سب کے سب اس سے نیچے اتر جائو، پس اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کریگا اسے نہ کوئی اندیشہ ہو گا اور نہ کچھ غم ہو گا۔ اور جو کفر کریں گے اور میری آیات کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے" سورۃ البقرہ 2آیت 39-34

ان آیات کریمہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ فرشتوں سے علمی مقابلہ جیتنے کے بعد آدمؑ اور اسکی زوجہ کو جنت میں رکھا گیا' جب شیطان کے بہکانے سے انہوں نے وہاں کا ڈسپلن توڑ ڈالا تو ان پر عتاب نازل ہوا اور انہیں جنت سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ وہیں آدم علیہ السلام نے اپنی غلطی کی معافی مانگی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا۔ لیکن معافی کے باوجود جو فیصلہ ہو چکا تھا اس پر عمل کرایا گیا۔ یہ حکم آدمؑ' ان کی زوجہ کو اور ان کی ذریت سب کے لیے تھا۔ بمعہ شیطان کو حکم ہوا کہ "تم سب کے سب نیچے اتر جاؤ"۔

بعض قرآن کریم کے مفسرین جنت سے مراد زمین پر کوئی باغ لیتے ہیں لیکن ایسی تفسیر نہ صرف حقائق کے خلاف ہے بلکہ اصل واقعہ کی عظمت کو بھی نقصان پہنچاتی ہے۔ جبکہ آیات مبارکہ (39-28)2 پر سرسری غور کرنے سے بھی واضح ہو جاتا ہے کہ یہ سارا واقعہ عالم جنت ہے۔ یہ طے شدہ مشیت تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بالآخر زمین پر ٹھکانا ہوگا، لیکن اس کا ماڈل جنت میں بنایا گیا۔ وہیں اس میں روح ڈالی گئی' علم عطا ہوا

Marfat.com

اور وہیں ان کا ملائکہ اور شیطان سے آمنا سامنا ہوا' وہیں ان کی زوجہ کی تخلیق ہوئی۔ پھر دونوں ایک عرصہ تک عالم الجنت میں رہے، جہاں ان کی روحانی تربیت ہوتی رہی۔ آخر کار وہیں اپنے دیئے گئے اختیار کے غلط استعمال کرنے سے سزا کے مستحق ہوئے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انکی غلطی کو معاف فرما دیا۔ البتہ حسب پرگرام حق تعالیٰ نے جنت سے انہیں اوران کی ذریت کو عالمِ ارواح میں بھیج دیا۔ جہاں سے نسل آدم اپنی اپنی باری پر عالم الارض میں اتر کر اپنے لئے مخصوص جسم میں داخل ہو جاتی ہے اور اس وقت تک رہتی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کو اس کا امتحان منظور ہے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جنت میں حضرت آدم علیہ وسلم کی ماوریٰ شخصیت ان کے خصوصی انسانی جسم کی شکل کے مطابق تھی۔ انسان کے زمینی جسم کا ارتقاء بھی اسی ڈیزائن کے مطابق ہوا، اور بڑھتے بڑھتے وہ آدم علیہ السلام کی اصل صورت کے مطابق ہو گیا۔ قرآنی الفاظ میں اس کا آغاز ایک نفس واحدہ (Primordial Cell) سے پانی میں ہوا اور رب العالمین کے قوانینِ ربوبیت کے مطابق اس کی تربیت اور ارتقاء جب تک اس نے چاہا اور جس طرح چاہا جاری رہا۔ زمین پر یہ جسم طبق درطبق' منزل بہ منزل ایک ارتقاء سے دوسرے ارتقاء کی طرف چڑھتا گیا۔ حتیٰ کہ اس قابل ہو گیا کہ اسمیں آدم بمعہ اپنی روح کے رہ سکیں۔ اسکی مثال انسان کے لباس سے دی جاسکتی ہے جسکی تیاری کے لئے پہلے کسان کپاس بوتا ہے' پھر جولاہا کپاس سے دھاگا بناتا ہے اور پھر اس سے کپڑا بنتا ہے اور پھر درزی اس کپڑے سے پوشاک بناتا ہے۔ اسطرح انسانی جسم کی تیاری بھی مختلف مرحلات سے گزری ہے جو بظاہر ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں لیکن مقصد کی وحدت کے لحاظ سے ایک ہی تھے۔ اپنے ابتدائی دور میں مسلمان ان نظریات سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ یہ بات مولانا روم کی اس مضمون پر نظم سے ظاہر ہوتی ہے۔ جس کا ترجمہ پہلے دیا جا چکا ہے۔

5.4 نظریہ ہبوط حضرت آدم علیہ اسلام

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق عام طور پر مشہور اور عوام الناس میں مقبول نظریہ ہبوط آدم ہے یہ کہ وہ آسمانوں میں کوئی جگہ جس کا نام جنت ہے میں بنائے گئے تھے اور پھر وہاں سے انہیں زمین پر بھیج دیا گیا۔ ان روایات کے مطابق کہانی کچھ یوں بنتی ہے کہ "سب سے پہلے خالقِ کائنات نے تمام سطح زمین سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کیلئے چُن چُن کر مٹی جمع کی' پھر جنت میں اس مٹی کو پانی سے گوندھا گیا اور جب وہ مٹی اچھی طرح تیار ہو گئی تو پھر اس سے آدم علیہ السلام کا بت اپنے ہاتھوں سے بنایا' جب یہ بت تیار ہو گیا تو خالقِ کائنات نے اپنی روح سے کچھ اس میں پھونک دیا جس پر اس بت میں جان پڑ گئی' اب وہ عقل و دانش کا مالک' صاحبِ اختیار' صاحبِ علم تھا۔ اس کے بعد اس کی پسلی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو بھی پیدا کیا' چونکہ پسلی کی ہڈی ٹیڑھی ہوتی ہے اس لئے عورت کا مزاج بھی ٹیڑھا ہے۔ اس کے بعد یہ دونوں کچھ عرصہ جنت میں رہے لیکن وہاں شیطان کے بہکاوے پر انہوں نے گندم کا دانہ کھا لیا' جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو جنت سے نکلنا پڑا' اور انہیں زمین کی امتحان گاہ میں بھیج دیا گیا (کس چیز پر کیسے بھیجا گیا؟ معلوم نہیں)۔ زمین پر پہنچنے کے بعد نسل انسانی با قائدہ عمل تولید سے بڑھنے لگی اور اب تک بڑھتی آرہی ہے"۔ لیکن اس کہانی میں نہیں بتایا گیا کہ جنت کہاں تھی اور وہاں سے زمین پر پہنچتے پہنچتے حضرت آدم علیہ السلام کو کتنے سال لگے۔ جدید سائنس کی معلومات کے مطابق ستاروں کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ روشنی کو ایک ستارے سے

Marfat.com

دوسرے تک پہنچتے پہنچتے لاکھوں سال لگ سکتے ہیں۔ اگر جنت ستاروں کی دنیا ہے تو پھر آدم کو وہاں سے زمین کی طرف آتے آتے اس سے کم عرصہ تو نہیں لگا ہوگا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

پرفیسر چارلوٹ ویلس (Prof. Charlotte Wallace) وہ فلاسفر ہے جس کے نظریات کا موجودہ عیسائی مذہب میں بڑا دخل ہے اپنی کتاب (A Study of Evolution) میں لکھتے ہیں کہ ہبوط آدم کا نظریہ دراصل بائبل میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے واقعہ پر مبنی ہے جس پر عیسائی کلیسا نے بے شمار روایات کو جنم دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سترہویں صدی عیسوی میں کیمبرج یونیورسٹی کے ایک بشپ نے حساب لگایا کہ خداؤں کے اتحاد ثلاثہ (Trinity) باپ، بیٹے اور ماں نے 23 اکتوبر 4004 قبل از مسیح صبح 9 بجے حضرت آدم علیہ السلام کو آسمانوں سے زمین پر بھیجا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام آج سے تقریباً 6000 (چھ ہزار) سال ہوئے جب اترے تھے۔ اس طرح لوگوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے شجرہ نسب بھی بنا ڈالے ہیں۔ کچھ مسلمان علماء نے بھی ان عیسائی روایات سے بڑا اثر لیا ہے۔ چنانچہ ابنِ ہشام نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے متعلق اپنی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر حضرت آدم علیہ السلام تک کا پورا سلسلہ نسب دیا ہے اور اس شجرہ نسب میں چالیس کے قریب نسلیں دکھائی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ نسب کسی صورت میں بھی مکمل نہیں ہوسکتا لیکن پھر بھی بہت سے لوگ اسے حرفِ آخر سمجھ بیٹھے ہیں۔

ہمارا مقصد یہاں کسی بھی مکتبِ فکر پر تنقید کرنا نہیں بلکہ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ انسان کی پیدائش کے متعلق نظریہ ہبوط کے بانی مسلمان نہیں بلکہ عیسائی عالم تھے۔ انکے برعکس جیسے مولانا رومؒ کی نظم سے بھی ظاہر ہے مسلمان مفکر مخلوق میں ارتقائی نزول کے قائل رہے ہیں ڈارون کی پیدائش سے بھی چھ سو سال قبل مسلم معاشرہ میں نظریہ ارتقاء کا اس قدر چرچا تھا کہ سائنسدان کی مجلسوں سے باہر یہ شعروادب کا بھی حصہ بن چکا تھا۔ لیکن جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلامی نظریہ ارتقاء ڈارون کے نظریہ ارتقاء سے بالکل مختلف ہے۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اب جدید سائنس اسلامی نظریہ کی خود ترجمان بن کر سامنے آرہی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 6

حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر ظہور

ہم نے دیکھا ہے کہ اگر چہ زمین پر ہبوط آدم کی کہانی انتہائی دلچسپ ہے لیکن بدقسمتی سے اس میں بہت زیادہ تضاد ہے اور رنگ افسانوی ہے۔ دوسری طرف انسان کے بارے میں جس قدر بھی نظریے سائنس نے قائم کئے ہیں ان کی اصل لیبارٹری نہیں بلکہ ہڈیوں کے ٹکڑے ہیں جن پر قیاس آرائی کر کے ایک ایسی کہانی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے جو قابلِ قبول ہونے کی سند حاصل کر سکے۔ لیکن حقیقت یہ کہ Anthropology ابھی ایک ٹھوس سائنس نہیں بلکہ قیاسیات کا مجموعہ ہے۔ اس میں سائنس دانوں کی بدنیتی کا ہرگز دخل نہیں بلکہ تحقیق کی اپنی مشکلات ہیں اور دوسری وجہ سائنسدانوں کی وحی الٰہی سے ناواقفیت ہے۔ اگر ہم سائنسی تحقیق کے ساتھ ساتھ قرآنِ کریم کی روشنی میں انسان کی تخلیق کو سمجھنے کی کوشش کریں تو یقیناً ہم بہتر نتائج پر پہنچ سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل میں ہماری تحقیق کا محور یہی بنیاد ہے۔

6.1 انسان کی کہانی بہت قدیم ہے

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ عیسائی مذہب انسان کو صرف 6000 سال پرانا بتاتا ہے جو خود تاریخ نے غلط ثابت کر دیا ہے لیکن اس سلسلہ میں قرآنِ کریم نے چودہ سو سال پہلے جس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی وہ حیران کن ہے۔ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ زمین پر انسان کی کہانی نہایت قدیم ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور سے پہلے انسان پر ایک طویل عرصہ ایسا بھی گزرا ہے جب وہ ایک بے حیثیت مخلوق تھا۔ یہ بات مندرجہ ذیل قرآنی آیت سے واضح ہوتی ہے۔ خالقِ کائنات فرماتے ہیں۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا

کیا انسان پر ایک لمبا دور ایسا نہیں گزرا جب وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہیں تھی۔ (1)76

حین من الدھر وقت کے پیمانہ پر ایک بہت لمبے غیر محدود وقفہ کو کہا جاتا ہے۔ یہ کونسا زمانہ ہے جسکا ذکر وحی الٰہی میں کیا گیا' یقیناً یہ زمین پر ظہور حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کے بعد کا نہیں ہوسکتا' اس واقعہ کے بعد تو حضرت آدم علیہ السلام اور اسکی اولاد اشرف المخلوقات تھے اور انکا چرچا زمین پر کیا عالم بالا میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ اسلئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ان آیات مبارکہ میں جس دور کا ذکر ہے وہ زمانہ قبل از حضرت آدم علیہ السلام ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں مولانا رومیؒ کے مطابق انسانی جسم پہلے جمادات کے نوع میں تھا پھر نباتات میں اس کا ظہور ہوا اور پھر حیوانات کے وجود میں ارتقاء کی منازل طے کرتا رہا۔ اسی سلسلہ میں جدید سائنسی کوششیں بھی قابلِ فخر ہیں کہ اب سائنس بھی اسی نتیجہ پر پہنچ گئی ہے کہ انسان کی کہانی واقعی بہت قدیم ہے' کروڑوں سالوں پر محیط طبق در طبق تخلیق کا ایک سلسلہ ہے جسکی آخری بلند ترین کڑی حضرت انسان ہے اور

جو نسبتاً ایک حالیہ بات ہے۔

اب اگر قرآنی لحاظ سے ہم جاننا چاہیں کہ انسانی ارتقاء کا یہ دور کس قدر طویل ہوگا تو اس کے متعلق بھی ہمیں قرآنِ کریم ہی سے اشارہ ملتا ہے کہ جس عرصہ کو اللہ تعالیٰ خود لمبا کہے وہ انسانی معیار پر کس قدر لمبا ہوگا۔ اس کا اندازہ ہم یہاں سے لگا سکتے ہیں قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک دن ہمارے ایک ہزار سال اور بعض حالات میں پچاس ہزار سال کے برابر بھی ہوسکتا ہے۔ ہزار سال کے دن کے بارے میں حکم بارگاہِ ایزدی ہے۔

"اور یقینا یہاں ایک دن تمہارے رب کے ہاں ہزار برس کی مانند ہے، اس گنتی کے مطابق جو تم کرتے ہو۔" سورۃ الحج 22 آیت 47

چنانچہ انسان کے اس دور کے متعلق جس میں وہ کوئی قابلِ ذکر ہستی نہیں تھا۔ اگر ہم آیت (1)76 پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ یہ آیت زمین پر انسان کے جسم کے ارتقاء کے متعلق ہے اور یہ عرصہ ہزاروں لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں سالوں پر پھیلا ہوا ہوسکتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔ ماڈرن تحقیق کے مطابق وہ جرثومہ جسے قرآنی اصطلاح میں "نفس واحدة" کہا جا سکتا ہے۔ تقریباً پانچ کروڑ سال پہلے مٹی میں ظاہر ہوا اور پھر بے شمار نباتاتی اور حیوانی ادوار سے گزرتا ہوا انسانی شکل میں نمودار ہوا۔ یہ کہ انسانی جسم کا ماخذ مٹی ہے لیکن انسان کو وجود میں آنے میں لمبا عرصہ لگا۔ اس مضمون کو آیت (4)6 سے بھی تقویت ملتی ہے۔ حکم خداوندی ہے:

"وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے، پھر اس نے ایک مدت مقرر کی، اور اس کے یہاں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے، پھر بھی تم شک کرتے ہو"۔
سورۃ الانعام آیت 2

اس نوعیت کی تمام آیات سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے جسم کے لحاظ سے انسان کوئی آفاقی تخلیق نہیں ہے جسے جنت میں بنا کر زمین پر پھینکا گیا بلکہ شروع ہی سے انسانی جسم کا خمیر اسی زمین سے اُٹھایا گیا تھا جس پر اس نے بعد ازاں رہنا تھا۔ اس سلسلہ میں قرآنِ پاک ہماری یہ رہنمائی بھی کرتا ہے کہ جسمانی زندگی کا ابتدائی جرثومہ بھی زمین ہی کے ماحول میں پیدا ہوا ہے۔ اس لئے بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ زندگی کسی بیرونی دنیا سے شہابِ ثاقب کے ساتھ چمٹ کر زمین پر پہنچی، صحیح نہیں ہے۔ اس بارے میں آیت (2)6 ہم پہلے ہی پڑھ چکے ہیں۔ یہاں ہم اسی مسئلے پر کچھ مزید آیاتِ کریمہ بھی نقل کر رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا؛

ہم نے اسی میں سے تمہیں پیدا کیا، اور اسی میں پھر تمہیں لوٹائیں گے، اور اس میں سے تہیں دوبارہ نکالیں گے۔ سورۃ طٰہٰ 22 آیت 55

Marfat.com

اس آیت مبارکہ کی روشنی میں ان شکوک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انسانی جسم کوئی آفاقی تخلیق تھا اور زمین پر ظہور سے پہلے وہ کسی اور جگہ بنایا گیا تھا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام اپنے ڈیزائن کے لحاظ سے جنتی مخلوق تھے لیکن زمین پر رہنے کے لئے انہیں جو جسم دیا گیا وہ یہاں ہی کی پیداوار ہے۔ آیہ مبارکہ 53(22) سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ انسانی جسم پر کئی ادوار گزرے ہیں۔ اس کے حیوانی ارتقاء کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ "وہ تمہارے حال سے اس وقت بھی خوب واقف تھا جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا" (اور باقاعدہ نارمل تولیدی دور کے بارے میں فرمایا گیا)؛ "اور اس وقت بھی جب تم ماؤں کے پیٹ میں جنین تھے"۔

6.2 انسان کی تخلیق کے تین ادوار کی ایک تکنیکی مثال

اوپر دی گئی اس تشریح سے یہ نتیجہ ہرگز اخذ نہ کیا جائے کہ ہم انسان کی جنتی حیات کی نفی کر رہے ہیں۔ وہ اپنی جگہ پہ ایک مستقل امر ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ جیسے پہلے بھی کئی دفعہ بتایا جا چکا ہے کہ انسان کا ڈیزائن اور اس کا ماڈل آفاقی جنت میں ہی بنایا گیا تھا۔ وہاں ہی اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصی صلاحیتیں عطاء کیں اور پھر وہیں اس کا امتحان ہوا جس میں وہ کامیاب رہا۔ اس کامیابی کے بعد وہ ایک عرصہ تک جنت میں رہا اور وہاں سے عالم ارواح میں منتقل ہو گیا۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی کہانی کا پہلا باب تھا۔

اس کی کہانی کا دوسرا باب زمین پر عام سائنسی قوانین کے مطابق اس کے جسم کا ارتقاء تھا جس کا قرآنی اصطلاح میں ایک نفس واحدہ سے پانی میں آغاز ہوا اور جس کے ترکیبی عناصر چنی ہوئی مٹی سے لئے گئے تھے۔ یہیں سے یہ ہستی جس کی قسمت میں بالآخر انسانی جسم بننا تھا۔ آہستہ آہستہ ارتقاء کی منازل طے کرتی رہی۔

اس کا تیسرا باب آج سے شاید تیس چالیس ہزار سال پہلے شروع ہوا جب اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو عالم باطن سے عالم ظاہر کے جسم میں منتقل کر دیا اور ایک فرد واحد سے شروع ہو کر اب ہم اربوں کی تعداد میں ہیں۔

اس ساری کہانی میں جنتی تخلیق کے دور کی مثال ایک لیبارٹری کی سی ہے یہاں ڈیزائن سے ایک ماڈل کیا جاتا ہے اور اسے ٹیسٹ کیا جاتا ہے۔ ٹیسٹ میں کامیابی کے بعد ڈیزائن کو فیکٹری میں بھیج دیا جاتا ہے تاکہ پھر جتنی تعداد میں چاہو اس کے مطابق متعلقہ اور مطلوبہ چیزیں بنا لو۔ انسان کی نسبت سے فیکٹری نارمل تولیدی نظام کی مثال ہے۔ لیکن پیداوار (Production) سے پہلے ایک لمبا عرصہ فیکٹری بنانے میں لگ جاتا ہے۔ چنانچہ لیبارٹری میں تحقیق وترقی کا مرحلہ اور فیلڈ میں فیکٹری بنانے کا کام اکثر متوازی ہی ہوتا ہے۔ انسان کی نسبت سے زمین کی تخلیق اور اس پر انسان کی نشوونما کیلئے سامان ربوبیت کا انتظام اور ساتھ ساتھ اس کے جسم کا ارتقائی ڈھانچہ بننے کی یہ ایک مثال ہے۔

6.3 زمین پر انسان کی ابتدا

اس بحث کے بعد کہ انسانی جسم زمین پر خلا سے وارد نہیں ہوا اب ہم ایک اور بنیادی سوال کی طرف آتے ہیں کہ زمین پر اس کی ابتداء

Marfat.com

کیسے ہوئی؟ کوئی ایسا مذہب نہیں جس نے اس سوال کو حل نہ کرنا چاہا ہو۔اس سلسلہ میں بعض اوقات تو بڑی عجیب عجیب تاویلات ملتی ہیں مثلاً ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں ہے کہ کچھ انسان سورج کی اولاد ہیں۔بعض نے اس کا رشتہ خدا تعالیٰ سے جوڑا ہوا ہے کہ شودر خدا کے پاؤں سے بنے ہیں۔اور بڑی ذاتوں کے لوگ اسکے ہاتھوں اور دماغ سے بنے تھے۔لیکن یہ سوال سائنس کیلئے بھی اتنا ہی پیچیدہ ہے جتنا مذہب کے فلاسفروں کیلئے تھا۔آیئے دیکھیں کہ خالقِ کائنات اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔

زندگی کے متعلق قرآنِ حکیم کا بنیادی قانون (Basic Law) یہ ہے کہ اس کا آغاز پانی سے ہوا۔یہی وہ قانون ہے جس پر جدید بیالوجی کی اساس ہے۔فرمایا:

''کیا جو کافر ہیں انہوں نے غور نہیں کیا؟کیا شروع میں آسمان اور زمین اکٹھے ایک ملغوبہ کی طرح نہیں تھے؟اور ہم نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ کردیا'اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا،تو کیا وہ ایمان نہیں لائیں گے؟'' سورۃ الانبیاء 30 ، آیت مبارکہ 30 21

''اور اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا'' سورۃ النور24 آیت 45

آیہ مبارکہ (30)21 ایک شاہکار سائنسی معجزاتی آیت ہے جس کے چند الفاظ میں کائنات کے آغاز اور ہر طرح کے جاندار کی تخلیق کو انتہائی بلیغ انداز میں واضح کردیا گیا ہے (تفصیلات کے لئے ہماری کتاب حیات بعد الموت اور Dooms day and Life After Death کا مطالعہ کریں)۔پہلی بات کائنات کے متعلق بتائی گئی کہ موجودہ اربوں علیحدہ علیحدہ آسمانی اجسام ابتدائے آفرینش میں اکٹھے ایک مرکب تھے اور دوسری بات حیات کے بارے میں بتائی گئی ہے کہ زندگی کی بنیاد پانی ہے۔اسی طرح آیہ مبارکہ (45)24 بھی زندگی کے بارے میں ایک عظیم سائنسی قانون ہے۔یعنی جدھر زندگی ہے ادھر پانی بھی ہوگا۔

ان آیات سے یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ہر طرح کی زندگی جس میں تمام چھوٹے بڑے جاندار شامل ہیں' سب کا آغاز زمین پر ہوا اور یہاں پانی پہلے سے موجود ہوگا۔یہ کائناتی قانون ہے۔جہاں پانی نہیں وہاں زندگی نہیں اور جہاں پانی ہوگا ہواں زندگی ہوگی۔آیہ مبارکہ (24)25 میں خصوصی طور پر انسان کا ذکر ہے کہ اس کی تخلیق کا آغاز بھی پانی ہی سے شروع ہوا تھا' فرمایا گیا ہے:۔

''اور اللہ تبارک وتعالیٰ وہ ہے جس نے آدمی کو پانی کی بوند سے پیدا کیا'' (24)25

آپ کہہ سکتے ہیں کہ جدید بائیولاجیکل سائنس ان آیات کی تشریح ہے۔اس کلیہ کے مطابق ہماری زمین پر سب سے پہلے زندگی کے جرثومے سمندروں میں پیدا ہوئے،وہیں پھلے پھولے اور وہیں سے زندگی نے خشکی کی طرف رخ کیا۔قرآنِ کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اپنی تخلیق

Marfat.com

کے ایک لمبے عرصہ تک زمین مردہ تھی اور یہاں کوئی زندگی نہیں تھی۔ یہی بات سائنس بھی کہنے لگی ہے کہ زمین کی عمر تقریباً چار ارب سال ہے اور اس میں سے پہلے ارب سال زندگی کے لحاظ سے یہ ایک چٹیل مردہ گاہ تھی۔

زمین کے اس ابتدائی دور میں تقریباً پانچ سوملین سال لگا تار بارشیں ہوتی رہیں۔ گرم زمین پر سے پانی کے بخارات اٹھتے اور فضا میں ٹھنڈے ہو کر بارش کی شکل میں دوبارہ گر جاتے۔ زمین کی گرمی، سورج کی حدت اور کائناتی شعاعوں کی موجودگی میں یہ دور تیز ہواؤں اور بادلوں کا بھی تھا، جس میں بجلیاں کوندتی رہیں اور گرج و چمک کا سلسلہ لگا رہا۔ سورج کی روشنی و کاسمک (Cosmic) شعاؤں اور بادلوں کی بجلیوں کی مدد سے زمین کے عناصر آپس میں ملتے رہے اور زندگی کیلئے ضروری کیمیکل بناتے رہے۔ یوں فضا کیمکل بنانے کی ایک بہت بڑی فیکٹری تھی اور سمندروں کا پانی ذخیرہ کی جگہ۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ کسی نامعلوم طریقے سے جسے ہم مسلمان امر ربی کہیں گے یہ کیمیکل اس طرح ملے کہ زندگی کا پہلا جرثومہ پیدا ہوا۔ یوں زندگی پانی میں شروع ہوگئی اور پھر اگلے ایک ارب سال میں انتہائی سرعت سے ترقی کرتی ہوئی سمندروں، میدانوں، پہاڑوں غرض ہر جگہ پھیل گئی۔ زندگی کے اس ہجوم میں اس جرثومہ کی بھی ابتدا ہوئی جسکی قسمت میں بالآخر بھی انسان کو جسم فراہم کرنا تھا۔

6.4 انسانی ارتقاء کی ابتدائی منازل

جب انسانی جنین کا پانی میں آغاز ہوگیا تو اس کے بعد کیا ہوا؟ اس سوال کے جواب میں بھی ہم کتابِ خداوندی ہی سے رہنمائی حاصل کریں گے۔ مندرجہ ذیل آیات اس مضمون پر معلومات کا انتہائی مفید سرمایہ ہیں۔

"اور بیشك ہم نے انسان کو پانی اور زمین کے چنے ہوئے عناصر کے مرکب سے پیدا کیا، اس کے بعد ہم نے اسے (ایك جرثومه کی شکل میں) ایك محفوظ مقام اور مناسب ماحول میں رکھ دیا، پھر اس (جرثومه) کو ہم نے ترقی دیکر خون کے ایك لچھے دار جسم میں تبدیل کیا، پھر اس لچھے دار جسم کو ہم نے ایك چبائے ہوئے گوشت کی بوٹی کی طرح بنا دیا اور پھر اس بوٹی کو ہڈیوں سے مزین کیا پھر ہڈیوں پر گوشت کی تہہ چڑھادی، اس طرح ہم نے اسے ایك اور ہی مخلوق بنا دیا پس اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے اور سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ اور پھر تم یقینا مرجانے والے ہو۔ پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جائوگے۔' سورة المومنون 23 آیت 16-14

Marfat.com

یہ آیات سائنس کیلئے انسانی تخلیق کے بارے معرکتہ الآراء معلومات کا خزانہ ہیں جن کا ایک ایک لفظ قابل غور ہے۔ سبحان اللہ! کتنے تھوڑے سے الفاظ میں انسان کی تخلیق کے تمام مدارج کو واضح کر دیا گیا ہے، جس پر پچھلے سینکڑوں سالوں سے سائنسدان بے شمار مقالے اور کتابیں لکھ چکے ہیں۔ آیت مبارکہ کا آخری فرمان "اس طرح ہم نے اسے ایک اور ہی مخلوق بنا دیا" سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ارتقائی منازل طے کرتا ہوا جسم اپنی ابتداء میں موجودہ انسانی ہیت سے بہت مختلف ہوگا لیکن آخر میں آ کر اللہ تعالیٰ نے اس میں کچھ ایسی خصوصی تبدیلیاں کر دیں کہ وہ اشرف المخلوقات کی شکل اختیار کر گیا۔

یہ کہ اپنے جسمانی لحاظ سے انسان زمین ہی کی پیداوار ہے مندرجہ ذیل آیہ مبارکہ بھی سائنس کیلئے انتہائی مفید رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ ارشاد ہے:۔

"اور اللہ نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، مانند نباتات کے، پھر وہ اسی میں تمہیں لوٹا دے گا، اور پھر اسی سے نکال لے گا"۔ سورۃ نوح 71، آیت 17-18

یہاں غور طلب بات انسان اور نباتات کی پیدائش میں مماثلت ہے "اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے نکالا ہے مانند نباتات کے" بہت معنی خیز فرمان ہے۔ نباتات کا زمین سے اگنا تو ہر ایک کے مشاہدے کی بات ہے لیکن کبھی انسان بھی اس طرح مٹی سے نکلتا نظر آیا ہے؟"

دراصل یہ آیہ مبارکہ انسان کی تخلیق کے اس دور کی عکاسی کرتی ہے جسکے بارے میں فرمایا گیا ہے "انسان پر ایک ایسا بھی دور آیا ہے جس میں وہ کوئی قابل ذکر ہستی نہیں تھا" اس کا آغاز پانی اور مٹی کے مواد میں ایسے ہی ہوا جیسے نباتات میں کوئی بیج اگتا ہے اور بار آور ہونے سے پہلے کئی حالتوں سے گزرتا ہے۔

اسی نوع کی کئی اور آیات قرآن کریم میں زمین پر انسانی جسم کے ارتقاء کے مختلف مدارج کو واضح کرتی ہیں، لیکن یہاں ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن کریم ہدایت کا سرچشمہ ہے جس میں صرف بڑے بڑے حقائق کی طرف اشارے کیے جاتے ہیں اور تفصیلات انسانی تحقیق کیلئے چھوڑ دی جاتی ہیں، جن کو معلوم کرنا اولوالالباب کا کام ہے۔ بہر حال یہ آیات الٰہی واضح کرتی ہیں کہ زمین پر انسان کے جسم کی نشوونما یکمشت نہیں ہوئی بلکہ یہ ایک لمبے عرصے پر محیط درجہ بدرجہ مسلسل عمل تھا جس کے مطابق خالقِ حقیقی نے انسان کو پیدا کیا۔ مندرجہ ذیل آیات انسان کے اس ارتقائی سفر کی مزید نشان دہی کرتی ہیں، فرمایا:۔

"قسم ہے مجھے شفق کی اور رات کی' اور اس کی جسے یہ ڈھانپ لیتی ہے' اور چاند کی' جب وہ پورا ہو جاتا ہے، اے (انسان) یقینا تم ضرور چڑھتے چلے جاؤ گے' طبق در طبق"۔ سورۃ الانشقاق 84، آیات 16-19

یعنی جس طرح ڈوبتے سورج کی شفق میں تمہیں ارتقائی مناظر نظر آتے ہیں یا چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلیں چاندنی کے ارتقاء کو ظاہر کرتی ہیں' بالکل اسی طرح انسان بھی ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف لگاتار چڑھتا رہے گا۔اس کا یہ ارتقائی سفر جو پانی اور مٹی کے اندر ایک جین سے شروع ہوا پھر زمین پر حضرت انسان کی شکل میں ظاہر ہوا یہاں سے پھر عالم برزخ میں چھپ جاتا ہے' وہاں سے وہ یوم الدین کو اپنے اعمال کے بوجھ کے ساتھ حاضر ہوگا۔یہی مضمون مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے:۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے، وقار کی آرزو نہیں کرتے، حالانکہ اس نے تمہیں پیدا کیا ہے، ایک سٹیج در سٹیج، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے سات آسمان بنائے ہیں، طبق در طبق''۔

سورۃ نوح 71، آیات (13-15)

6.5 انسانی حیات کے مختلف ادوار

اوپر کی بحث سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کی دو حیثیتیں ہیں ایک ماورئی حیثیت اور دوسری طبیعاتی حیثیت۔روحانی حیثیت کا تعلق جنت سے ہے اور جسمانی حیثیت کا تعلق زمین سے۔دنیا کی زندگی روح اور جسم کا امتزاجی زمانہ ہے اور پھر یوم الدین کو یہ دونوں اکٹھے ہونگے۔مندرجہ ذیل میں ان حقائق کے مختلف ادوار کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

ا۔ زمین پر ظہور سے پہلے انسان کا احسن التقویم کے طور پر جنت میں ڈیزائن ہوا' اس کا ماڈل بنایا گیا' اس میں روح ڈالی گئی' اس کو علم عطاء ہوا' وہ مسجود ملائکہ ٹھہرا، اسے اختیار کی فضیلت عطا ہوئی' وہیں جنت ہی میں شیطان حسد کی وجہ سے اس کا دشمن بن گیا' علمی فضیلت ثابت کرنے کے بعد اس ماڈل کو جنت میں رکھا گیا' جہاں اس پر کچھ اختیاری پابندیاں لگائی گئیں لیکن وہ اپنے تجسس پر کنٹرول نہ کرسکا اور شیطان کے دھوکے میں آ گیا جس کی وجہ سے اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی پھر جب وہ بہت پچھتایا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا لیکن اس نافرمانی کی بنا پر اس میں کچھ ایسی تبدیلیاں آگئیں تھیں کہ وہ جنت میں رہنے کے قابل نہ رہا اس لئے اسے وہاں سے عالم ارواح میں بھیج دیا گیا جہاں اس سے اور اس کی روحانی اولاد سے **الست بربکم** کا اقرار لیا۔

۲۔ ادھر ان آفاقی واقعات کے متوازی زمین پر انسان کے ارضی جسم کی بھی نشوونما شروع ہو چکی تھی۔یعنی زمین پر انسان کا جسمانی ظہور کوئی حادثہ نہیں تھا کہ وہ آسمانوں سے یہاں پھینک دیا بلکہ قانون قدرت کے مطابق اللہ تعالےٰ کے خاص منصوبہ اور ڈیزائن کے مطابق یہ ہزاروں لاکھوں سالوں پر پھیلا ہوا ایک ارتقائی عمل تھا جس میں وہ ایک درجہ سے دوسرے درجہ کی طرف بڑھتا گیا۔جب زمین پر انسانی جسم احسن التقویم کا مقام حاصل کر چکا تو اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح سے اسے نفس عطاء کر دیا جس سے یک لخت وہ ایک اعلیٰ شعور اور امتیازی قوت کا مالک بن کر زمین پر

Marfat.com

اشرف المخلوقات کے طور پر ظاہر ہوا۔ اس لمحہ سے انسانی جسم کا ارتقاء تو ختم ہو گیا لیکن روحانی طور پر ترقی ہمیشہ ہوتی رہے گی، اسکی کوئی انتہا نہیں۔ یہ موت کے بعد بھی جاری رہے گا۔

۳۔ اپنے آغاز میں انسان کا جسم زمین پر پانی اور زمین کے چنے ہوئے عناصر کا ایک مرکب تھا۔ اس کی پیدائش ایسے ہی شروع ہوئی جیسے بقیہ نباتات اور حیوانات کی شروع ہوئی تھی۔ اس مرکب کو بیالوجی میں Primrdial Soup کا نام دیا گیا ہے یہیں سے یہ جرثومہ ترقی کرتے کرتے ایسی شکل میں پہنچا جو کہ گوشت کا ایک لوتھڑا تو تھا لیکن ابھی اس میں ہڈیاں نہیں تھیں' مزید ارتقاء کے نتیجہ میں وہ ہڈی دار جسم میں تبدیل ہو گیا' جدید سائنس میں ان کو Vertebrates کہتے ہیں اور پھر ان Vertebrates سے انسان نے ایک اور ارتقائی جست لگائی اور تمام حیوانی نوع سے بالکل ہی علیحدہ شکل لے کر حضرت آدم علیہ السلام کی شکل سے زمین پر اس کا ظہور ہو۔

۴۔ قرآنِ کریم ہی سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی جسمانی عمل ارتقاء کو نہایت تیزی سے ماں کے رحم میں بھی دہراتا ہے۔ ماں اور باپ کے نطفہ کے امتزاج کے بعد ان تمام حالتوں کا جو ارتقائی عمل کروڑوں سالوں پر مشتمل تھا' اب ماں کے پیٹ میں وہ صرف 9 ماہ کے عرصہ میں گزر جاتا ہے۔

''اس نے تمہیں ایک نفس واحدہ سے پیدا کیا' پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں، میں سے آٹھ قسم کے جوڑے اتارے، (اب وہ) تمہیں ماؤں کے رحم میں پیدا کرتا ہے، ایک خلق سے دوسری خلق پر درجہ بہ درجہ، تین اندھیروں کے پردے میں، یہ ہے اللہ تمہارا۔ وہ تم سب کا پروردگار ہے، اسی کی ہے بادشاہی، اسکے سوا کسی کی عبادت نہیں، پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟''
(سورۃ الزمر 39، آیت 6)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ''اب وہ تمہیں ماؤں کے رحم میں پیدا کرتا ہے ایک خلق سے دوسری خلق پر درجہ بدرجہ'' نہایت ہی قابل غور بیان ہے اور ماں کے رحم کی مختلف ارتقائی منازل کو واضح کرتا ہے۔ آیت کے آغاز میں نفس واحدہ کا ذکر ہے۔ یہ وہ نفس ہے جہاں سے انسان کی ابتداء ہوئی۔ ماڈرن میڈیکل سائنس بھی قرآنِ حکیم کے اس بیان کی سچائی کی گواہی دے چکی ہے اور معلوم کر چکی ہے کہ رحم مادہ میں بچہ کی نشوونما ایک سیدھی بات نہیں بلکہ کروڑوں سالوں پر پھیلا ہوا ارتقائی عمل صرف 9 ماہ کے قلیل عرصہ پر ماں کے پیٹ میں دہرا دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ تین تہوں والی تھیلی جسے رحم کہا جاتا ہے میں معرض وجود میں آتا ہے۔

Marfat.com

6.6 آدمی کا ارتقاء خصوصی تھا

اسلام کی انسانی ارتقاء کی کہانی کا ایک اعجاز یہ ہے کہ وہ انسان کی پیدائش کو دوسری تمام مخلوقات کی پیدائش کا سبب قرار دیتا ہے یعنی باقی تمام مخلوق اس لئے بنائی گئی کہ خدا تعالیٰ نے انسان کو بنانا تھا اور جب وہ بن چکیں تو پھر حضرت انسان کا ظہور کیا۔ یعنی اس تھیوری کے مطابق تمام ارتقاء کا نصب العین بھی آدمی کے لئے مناسب جسم فراہم کرنا تھا۔ جیسے ہم رہنے کیلئے مکان بناتے ہیں۔ اس کی تعمیر کے لئے اینٹ سیمنٹ سریا کیا کیا پہلے بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ آدمی کے آباؤ اجداد بندر یا بن مانس تھے بلکہ صحیح یہ ہے کہ جس جرثومہ کی قسمت میں آدمی بننا تھا وہ اپنی پیدائش سے ہی آدمیت کے امقام پر فائز تھا ارتقائی منازل ظہور سے پہلے کے سفر کی داستان ہے۔ اس کی ایک مثال کسی بادشاہ کے بیٹے کی ہے وہ اپنے بچپن ہی سے مستقبل کا بادشاہ ہوتا ہے لیکن تاج شاہی کا حقدار وہ پہلے بادشاہ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

انسان کے ارتقائی سفر کی مثال آپ کسی قیمتی زیور کے بناوٹ میں جو مختلف مرحلات پیش آتے ہیں اس سے سمجھ لیں اس کی بنیاد سونے کی ایک ڈلی ہوتی ہے' سنار اس کو مختلف ارتقائی منازل سے گزار کر آخر کار اس کو زیور کی شکل میں لے آتا ہے۔ اس دوران اس سے کئی طرح کی کانٹ نکلتے رہے، اسی کے نتیجے میں مچھلی بنی' اسی سے بندر بنا' اور اسی سے دیگر حیوانات اور جانور علیحدہ ہوئے جیسے کئی بڑے منصوبے کی تکمیل تک اس چھانٹ نکلتی ہے اور مختلف طرح کے کئی ایک ڈیزائن کی شکلیں بھی بنتی ہیں۔ لیکن کوئی نہیں کہے گا کہ اس طرح زیور کانٹ چھانٹ کے نتیجے میں بنا ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کانٹ چھانٹ اسکے نتیجہ میں بنی تھی۔ یہی حال انسانی ارتقاء کا ہے۔ جس طرح کسی بڑے منصوبہ کی تکمیل کے دوران اس سے کئی چھوٹے منصوبے نکلتے ہیں اسی طرح انسان کی تکمیل کے سفر کے دوران اس سے کئی حیوانی انواع پیدا ہوئیں۔ اسی کے لئے جہان کی تکمیل کی گئی تھی' وہی اشرف المخلوقات تھا اور باقی سب اس کے ہونے کی وجہ سے ہوا۔

ے سب غائتوں کی غائت اولیٰ تمہی تو ہو۔

اسی بات کو آپ انجینئرنگ کے کسی بڑے منصوبہ کی تکمیل کے مختلف مرحلوں پر غور کرنے سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ 1962 میں جب امریکہ نے خلائی سفروں کا منصوبہ بنایا تو اس وقت سے اب تک یہ سفر آگے ہی آگے بڑھتا جارہا ہے، اس دوران اس سے کمپیوٹر' انٹرنیٹ' لیزر' راکٹ' میزائل' روبوٹ غرض بے شمار مختلف منصوبوں نے جنم لیا ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ روبوٹوں سے خلائی سفر کا منصوبہ نکلا بلکہ یہی صحیح ہے روبوٹ خلائی سفر کے منصوبے کا نتیجہ ہیں۔ مغربی مصنف Prof. Colbert ہمارے اسی نظریہ سے کسی حد تک اتفاق کرتے ہیں۔ ان کا بھی یہی خیال ہے کہ آدمی ایک mammal ہوتے ہوئے بھی اپنی ہی قسم کا mammal ہے اور اس کی نشوونما اپنی جداگانہ لائن میں ہوئی۔ اگر ہم اسلامی نظریہ کو ایک ارتقائی سلسلہ سے دکھانے کی کوشش کریں تو اس کی شکل سامنے کے صفحہ پر دی ہوئی شکل سے ملتی جلتی ہوگی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح دنیا کے تمام جاندار حیوانات انسان ہی سے نکلی ہوئی شاخیں ہیں۔ مولانا رومؒ کے نزدیک انسان کے دل میں حیوانات اور جانوروں کیلئے محبت اور رحم کے جذبات ہیں اور حیواں میں بھی جو آدمی سے محبت ہے اس تعلق کی وجہ سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق تمام جانداروں کی اصل تو

Marfat.com

شکل: نفسِ واحدہ سے انسان کا زمینی ارتقاء

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے لئے کائنات کو بنایا گیا ہے۔ ہر چیز غائت انسان ہے۔ زمین اور اس پر ہر چیز بھی اس کی خاطر اور اس کے منصوبہ کی تاویلات ہیں۔ چنانچہ وہ نفسِ واحدہ جسے خالق کائنات نے پہلے دن زمین کے پانیوں میں پیدا کیا، وہ اس انسان کے عظیم منصوبہ کی پہلی اینٹ تھی۔ وہ مختلف مدارج سے گذرتا ہوا حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں آخر کار ہوایدہ ہوا یعنی جنت میں اس کی تخلیق قدیم تھی لیکن زمین پر ظہور زمانہ قریب میں اس وقت ہوا جب یہ اس مہمان خصوصی کے شان وشوکت کے معیار کو پہنچ گئی۔ مندرجہ ذیل شکل بتاتی ہے کہ تمام جاندار اسی ہی سے بنے ہیں۔ ڈارون غلط ہے کہ انسان ان سے بنا ہے۔ سب غائتوں کی غائت اولیٰ تمہی تو ہو۔

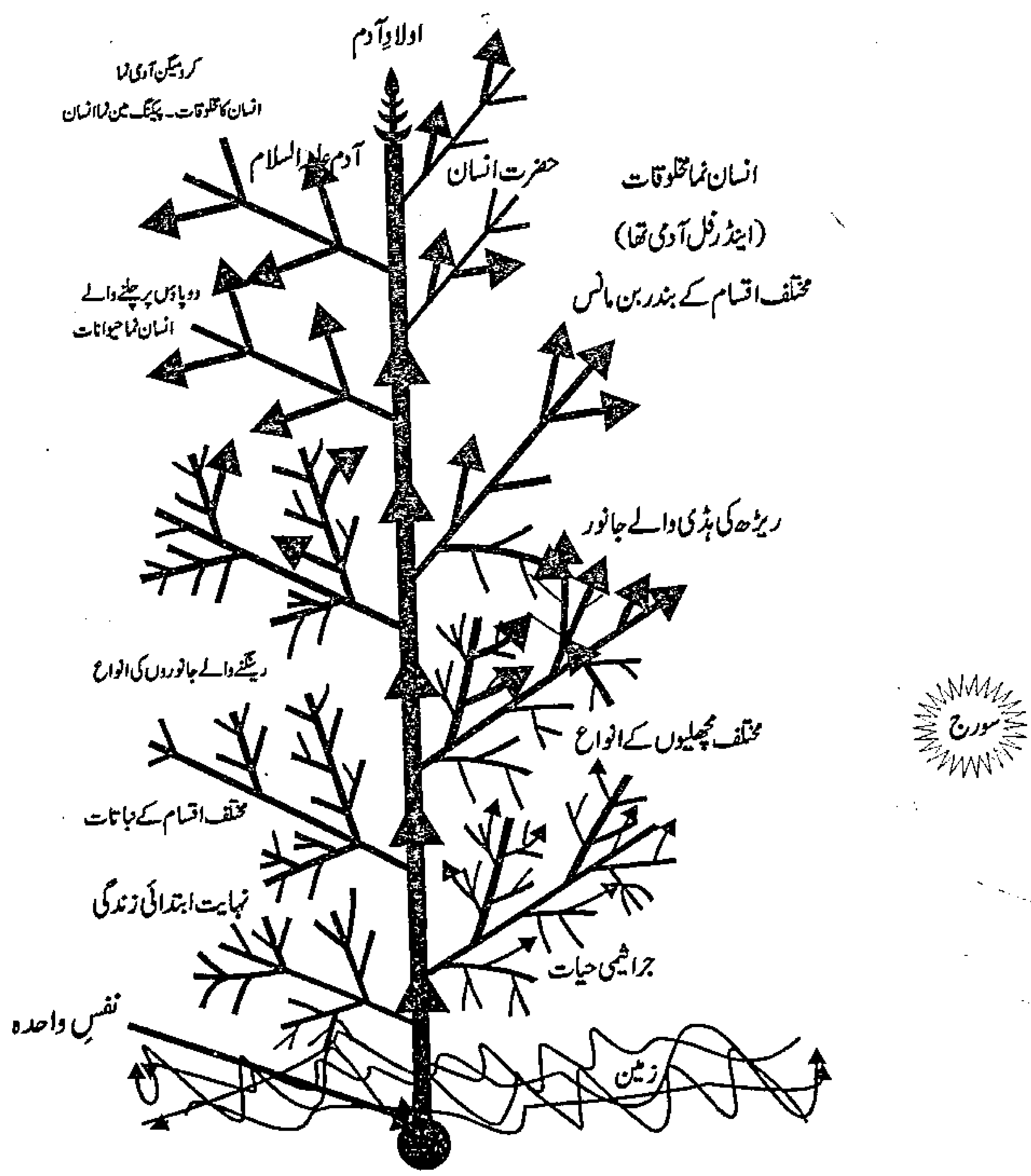

ایک ہی ہے۔فرمایا:۔

''اور اللّٰہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا، تو کوئی ان میں سے اپنے پیٹ پر چلتا ہے' اور کوئی ان میں دو ٹانگوں پر چلتا ہے' اور کوئی ان میں سے چار ٹانگوں پر چلتا ہے' اور اللّٰہ تعالیٰ جیسے چاہے پیدا کرتا ہے، یقینا اللّٰہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔ سورۃ النور24، آیت 45

یہاں پر دو ٹانگوں پر چلنے والے حیوانوں کا ذکر ہے ان حیوانات میں وہ تمام انسان نما شامل ہو سکتے ہیں' جنہیں سائنسدان جاوا مین یا پیکنگ مین وغیرہ کہتے ہیں اور اب وہ عدم وجود میں چلے گئے ہیں۔انہی میں آج سے چند لاکھ پہلے والے (Homo Erectus) بھی شامل تھے۔یوں قرآن کریم اس بہت بڑی سائنسی غلط فہمی کو دور کر دیتا ہے جس کے مطابق ان مخلوقات کو انسان کا جد امجد کہا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ تمام دیگر مخلوقات انسان کے تخلیق کے عظیم منصوبہ کے پس انداز By Products ہیں۔

6.7 ظہور آدم اور باغی جینز (Mutant Genes) کا نظریہ

حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور درحقیقت تخلیق کے اس بے پایاں سلسلہ کی انتہا تھی جس کے بارے میں ارشاد ہے۔

''یقینا ہم نے بنایا آدمی کو خوب سے خوب اندازہ پر''سورۃ التین95، آیت 4

''اور نہیں کوئی جاندار زمین پر' نہ کوئی پرندہ اپنے پروں پر اُڑتا ہے، مگر ہیں ہر ایک امت تمہاری مثل' چھوڑی نہیں ہم نے لکھنے میں کوئی چیز کتاب میں' پھر اپنے رب کی طرف تم سب اکٹھے ہونے والے ہو''۔
سورۃ الانعام6، آیت 38

جیسے ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ ڈارون کے ارتقائی نظریہ کے مطابق ماحول کے اثرات کی وجہ سے زندگی کا ابتدائی جرثومہ مختلف شکلیں دھارتے ہوئے انواع واقسام کی حیوانی دنیا کا باعث ہے اور یہ بے دین لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ خود بخود ہی ہو گیا۔اس کیلئے کسی بیرونی عقل یعنی رب تعالیٰ کی ضرورت نہیں۔انہی میں وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کا انکار نہیں کر سکتے وہ یہ کہتے ہیں کہ زندگی کا ابتدائی جرثومہ تو خالق کا مرہون منت ہے لیکن ایک دفعہ بنا کر اسے حالات کے حوالہ کر کے خود ذات باری تعالیٰ علیحدہ ہو گئی۔لیکن ایسے تمام نظریات باطل نظریات ہیں۔قران حکیم

Marfat.com

شکل: قرآن کریم کے مطابق تخلیقی اوامر۔

اچانک جست (Quantum Jumps) اور آہستہ آہستہ نشو ونما (Evalution) کا نظریہ

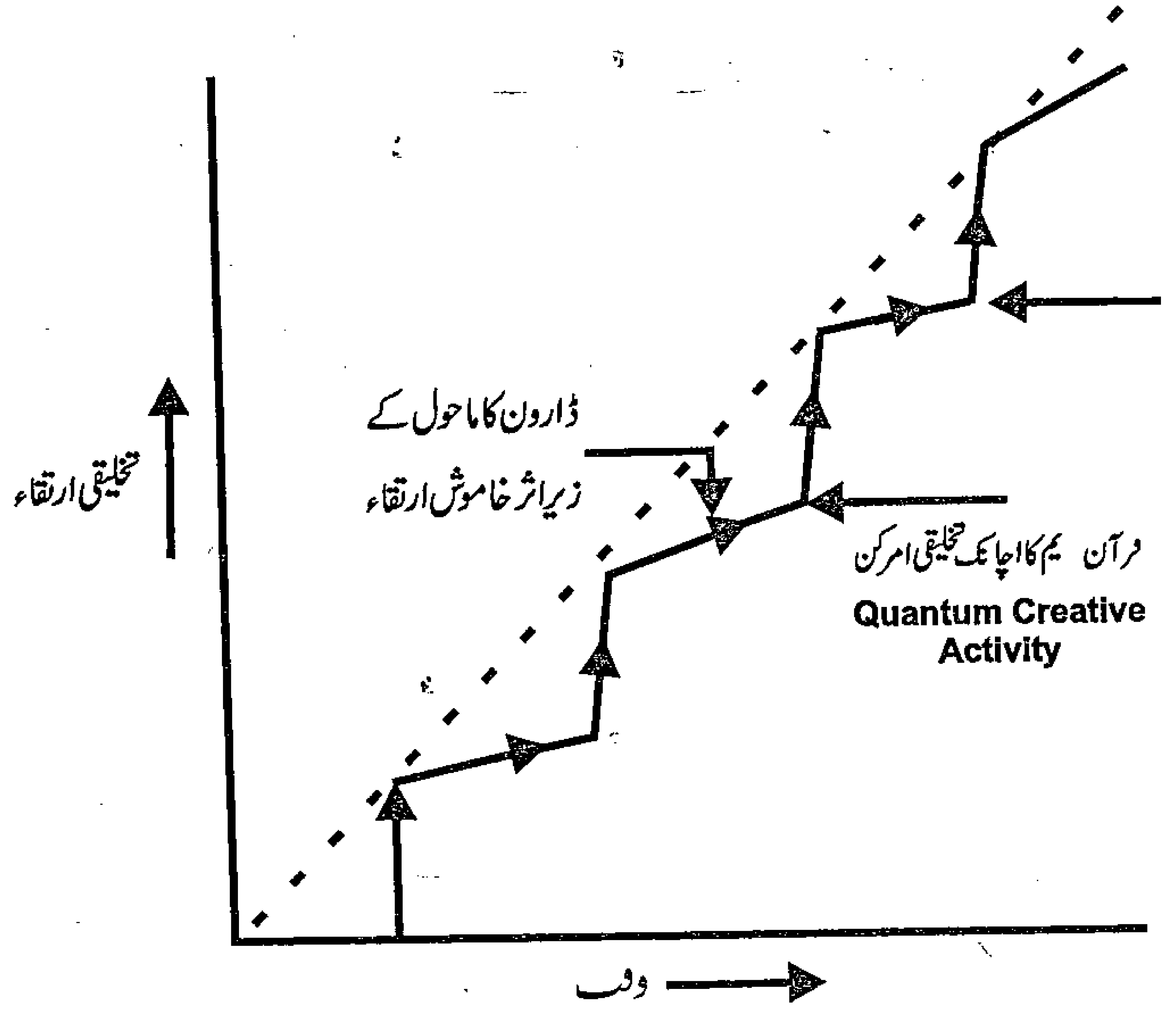

سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کی تخلیق ایک مکمل اور مربوط منصوبہ تھا جس کی ترقی اور تکمیل میں عمل ارتقاء بھی ایک ضروری کڑی ہے لیکن یہ مسلسل سست رد عمل نہیں تھا بلکہ ایک جست در جست آگے بڑھنے کا عمل تھا اور یوں طبق در طبق یہ منصوبہ اپنی تمام جزئیات کے ساتھ اپنے مقسوم کو پہنچ گیا جسکا مقصود آدم کیلئے موزوں جسم کی تیاری تھی۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی بھی بڑے منصوبے کو کچھ تشکیل سے پہلے بے شمار مرحلہ جات سے گزرنا پڑتا ہے۔

جست در جست تخلیق کا نظریہ قرآن حکیم کی آیات (14)71 }(16-19)84 وغیرہ پر مبنی ہے جن کے اوپر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔ اوپر دی گئی شکل میں عام نظریہ ارتقاء جست در جست' منزل بہ منزل ارتقائی عمل (Quantum Evolution Theory) کا موازنہ دکھایا گیا ہے۔ اس میں آپ دیکھیں گے کہ اسلامی نظریہ کے مطابق تمام حیوانات اور جانداروں کی تخلیق اچانک تخلیقی جستوں کے مطابق ہی معرض وجود میں آئی۔ اس کے برعکس ڈارون کے نظریہ ارتقاء میں تخلیق کا عمل آہستہ آہستہ ہوتا رہا ہے۔ جنیٹک سائنس کی جدید دریافتوں سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ ڈارون کا جامد ارتقائی نظریہ سے کوئی بڑی تبدیلی ناممکن ہے۔ جینز میں تبدیلی کے لیے کچھ بیرونی عقلی عوامل کے امر کن کی ضرورت پڑتی ہے۔ جس کی نشاندہی قرآن پاک میں کی گئی ہے۔

قرآنِ پاک سے اخذ شدہ نظریہ کے مطابق امر کن کے نتیجہ میں نئی تخلیق جوڑوں کی شکل میں اچانک پیدا ہوتی ہیں پھر منزل بہ منزل

Marfat.com

ارتقائی عمل کے نتیجہ ہیں ان کی نشو ونما ہوتی ہے اور پھر ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل ہونے کیلئے مزید امر کن سے اچانک تبدیلی معرض وجود میں آتی ہیں جس کی نشو ونما پھر ایک مسلسل ارتقائی عمل سے ہوتی ہے۔ یوں اچانک ارتقاء (Quantum Jump in creative activity) اور مسلسل نشو ونما کے عمل کے نتیجہ میں زندگی کا ابتدائی جرثومہ (جسے قرآنی اصطلاح میں ''نفس واحدہ'' کہا گیا ہے) سے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور منصوبہ کے مطابق کروڑوں قسم کی نباتاتی اور حیوانی زندگی کو تخلیق کر دیا اور اس کی ترقی کی آخری شکل آدمی کا جسم ہے۔ اور اب رحم مادر میں کروڑوں سالوں پر پھیلے ہوئے یہ تمام مرحلات صرف نو ماہ کے مختصر عرصہ میں طے ہو جاتے ہیں۔ (سبحان اللہ)

یہ سوال کہ اچانک تبدیلی کیسے معرض وجود میں آتی ہے بیالوجی کی زبان میں یہ عمل باغی جین (Mutant Gene) کی وجہ سے ممکن ہے' عام حالات میں نسل در نسل پیدا ہونے والے جینز تقریباً ایک طرح کے ہوتے ہیں' لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک جین ایسا پیدا ہو جائے جو عام نسل سے بالکل مختلف ہو' اب اگر اس عجیب الخلقت جین سے کوئی نئی نسل چل جائے تو وہ بالکل ایک نئی نوع کا پیش خیمہ ہو سکتی ہے۔ اسطرح ہر باغی جین ارتقائی عمل میں ایک اچھی بُری جست ہے، یعنی یہ ماحول کی مطابقت نہیں بلکہ ماحول کے خلاف بغاوت کا عمل' ہے' لیکن ایسی اہم تبدیلیاں روز روز نہیں ہوتیں بلکہ لاکھوں سالوں کے طویل عرصہ میں بھی اگر ایک آدھ بار ہو جائے تو بڑی بات ہے۔ مادی سائنسدان ایسی کسی تبدیلی کے عوامل کو Probability کے حوالے سے یاد کرتے ہیں۔ ہم اسے اپنے رب کا منشاء سمجھتے ہیں۔

''اور مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے' جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کا سب۔ بیشك اس میں نشانیاں ہیں غور فکر کرنے والوں کیلئے''۔

سورۃ الجاثیہ 45، آیت 13

جہاں تک حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کا تعلق ہے تو حقیقت یہی معلوم ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ کے حکم سے یہ عمل ارتقاء میں ایک بہت لمبی جست تھی، نتیجتاً جیسا کہ آیت (15)23 میں بھی فرمایا گیا ہے اس سے ایک بالکل ہی مختلف مخلوق وجود میں آ گئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کب پیدا ہوئے؟ یہ سوال ابھی تک تشنہ تحقیق ہے' لیکن قرآنی معلومات کی رو سے ہم یہ بات یقینی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ پیکنگ مین یا جاوا مین' یا جنوبی افریقہ سے پائی جانے والے لاکھوں سال پرانی کھوپڑیاں حضرت آدم علیہ السلام یا ان کے آباؤ اجداد نہیں تھے۔ سائنسی تحقیقات کے مطابق پہلا آدمی جو اپنی جسامت، ڈیل ڈول اور شکل وصورت میں موجودہ آدمی سے زیادہ سے زیادہ مشابہت رکھتا تھا وہ Cromagonon ہو سکتا ہے جسکے آثار آج سے تیس چالیس ہزار سال پہلے ملتے ہیں ان کے دماغ کا حجم تقریباً دو ہزار کیوبک سینٹی میٹر تھا جبکہ ان سے پہلے جاوا' پیکنگ یا اسی نوع کے اور حیوانوں کے دماغ صرف سات سو پچاس سے چودہ سو پچاس کیوبک سینٹی میٹر تھے۔ ان شواہدات کے پیش نظر اغلب یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ظہور کو زیادہ سے زیادہ چالیس ہزار سال گزرے ہوں گے اور اگر ہم انسانی معاشرت کی ترقی کے حساب کو لیں تو پھر یہ مدت اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور تقریباً بیس ہزار سال پرانا ہونا چاہیئے یعنی سائنسی

Marfat.com

لحاظ سے آدمؑ کی نسل کا ظہور زمین پر ایک بہت بڑی انقلابی تبدیلی تھی اور وہ زیادہ دیر کی بات نہیں ہے۔

ان دلائل کی روشنی میں ہم یہ کہیں گے کہ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام اپنے جسم کے لحاظ سے بھی خصوصی پیدائش تھے۔ان سے پہلے انسان نما مخلوق زمین پر ضرور آباد ہو گی جنہیں دیکھ کر فرشتوں نے خون خرابہ اور شرارت کرنے والا کہا تھا۔ظہور آدم علیہ السلام کے لئے انسان کے ارتقاء میں جو اچانک تبدیلی رونما ہوئی اس کا تعلق اس کے ذہن سے تھا تا کہ وہ علم کی امانت کا بوجھ اٹھا سکتا۔اس کے بعد نسل انسانی کا نر اور مادہ سے تولیدی سلسلہ چل پڑا جس کے بارے میں ارشاد ہے:۔

"اے نوع انسانی! بیشک ہم نے بنایا تم کو ایک نر اور ایک مادہ سے اور ہم نے بنایا تمہیں خاندان، اور قبیلے تاکہ آپس کی پہچان ہو، تحقیق اللہ کے یہاں تم میں سے عزت والا وہ ہے، جو تم میں سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔" سورۃ الحجرات 49، آیت 13

6.8 پہلے انسان نما حیوانوں کا کیا بنا؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بعد انسان نما حیوانوں کا کیا بنا جو ان سے پہلے کرۂ ارض پر آباد تھے؟ اس سوال کے بہت سے جواب ہو سکتے ہیں۔انسان نما حیوان تو کیا اس کرۂ ارض نے بیشمار قسم کے ایسے حیوان بھی دیکھے ہیں جن کا ڈیل ڈول اور جسامت ہاتھی کے جسم سے بھی کئی گناہ زیادہ تھی لیکن وہ بھی اپنے وقت پر آئے اور پھر ایسے غائب ہوئے کہ اب ان کا نشان صرف ان کے ڈھانچوں میں موجود ہے جو برف یا خشکی میں دب گئے اور ہمارے لئے خدا تعالیٰ کی قدرت کے امین اور گواہ ہیں۔

ثابت شدہ تحقیقات کے مطابق زمین پر کئی ادوار گزرے ہیں' مثلاً کبھی یہاں جنگل ہی جنگل تھے' جس جگہ کوہ ہمالیہ ہے یہاں کبھی گہرے سمندر تھے، پاکستان کا تمام تر خطہ بھی اربوں سال پہلے سمندری علاقہ تھا۔کبھی زمین انتہائی بڑے بڑے جانوروں کا مسکن تھی وہ گئے تو چھوٹے جانداروں کا دور شروع ہوا' ان میں سے بھی اب کئی نسلیں معدوم ہو گئیں۔دراصل فنا کا یہ اصول پوری کائنات پر لاگو ہے اور اسکا مقصد نئے آنے والے مہمان کیلئے جگہ خالی کرنا ہے۔اسی اصول کے مطابق جب بنی آدم پیدا ہونا تھا تو پہلے سے بسنے والے انسان نما حیوانوں کو قدرت نے معدوم کر دیا۔

جہاں تک وجوہات کا تعلق ہے یہ کئی ہو سکتی ہیں۔مثلاً زمین پر کتنے ہی برفانی دور (Ice ages) آئے ہیں جب زمین کی بیشتر سطح برف سے ڈھکی ہوئی تھی۔آخری برفانی دور کو محض بیس سے تیس ہزار سال کا عرصہ گزرا ہے۔اسی طرح زمین پر طوفانی دور آتے رہے ہیں جب تمام برف پگھل گئی اور زمین پر پانی ہی پانی ہو گیا۔آخری طوفانی دور کو بھی ایک لاکھ سے زیادہ عرصہ نہیں گزرا' اور پھر علاقائی طوفان تو آتے ہی رہتے

Marfat.com

ہیں۔ یہ تمام تبدیلیاں ماحول کو متاثر کرتی ہیں؛ اکثر ان کا بوجھ خوراک کی کمی پر پڑتا ہے۔ اسی طرح کوئی اچانک جراثیمی حملہ وغیرہ بھی حیوان نما انسان کے خاتمہ کی وجہ ہو سکتا ہے۔ اغلب یہ ہے کہ وہ قریب کے برفانی دور کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کا مقابلہ کرنے کیلئے جس عقل، علم اور ذہانت کی ضرورت تھی وہ ان میں نہیں تھی، یوں وہ بھوک اور سردی کا شکار ہو کر ختم ہو گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ کسی وبا کا شکار ہو گئے ہوں جس کا علاج ان کے پاس نہیں تھا۔ بہر حال ان کا معدوم ہونا زمین کی تاریخ میں کوئی انہونی واقعہ نہیں تھا بلکہ ایسا اکثر ہوتا آیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''مٹاتا ہے اللہ جو چاہے' اور رکھتا ہے اللہ جو چاہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے''۔ سورۃ الرعد 39 ، آیت 39

''بیشک وہی پیدا کرتا ہے، پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ' اور وہی بخشنے والا ہے' محبت کرنے والا' بڑی شان والے عرش کا مالک' وہ کر ڈالتا ہے جو چاہے''۔ سورۃ البروج 85 ،آیت 16-12

6.9 کیا ہم سے پہلے بھی زمین پر انسان تھے؟

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ اگر آدم علیہ السلام کی زمین پر آمد صرف 20 سے 30 ہزار پہلے ہے، تو کیا بقیہ اربوں سال سے زمین انسان کے وجود سے خالی تھی، یا حضرت آدم علیہ السلام کا سلسلہ بھی چلتا آ رہا ہے؟ ایک نسل آدم آئی اور زمین پر کچھ عرصہ آباد رہی اور پھر اپنی مدت کو پورا کرنے کے بعد ختم ہو گئی اور دوسرے آدم آ گئے اور علیٰ ہذا القیاس؟

قرآن کریم کی کئی ایک آیات سے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ واقعی یونہی چلا آ رہا ہے۔ موجودہ نوع انسانی کے جدامجد سے پہلے بھی زمین انسانوں سے آباد تھی، جو اپنے برے اعمال کی وجہ سے ختم ہو گئی۔ ان کا خاصہ خون بہانا تھا۔ غالباً ایسا شدید جنگ وجدل اور قدرتی آفات کے حملوں سے ہوا ہوگا۔ یہ اس قدر تباہ کن واقعات تھے جن سے ہر ذی روح متاثر ہوا۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کے حوالہ سے فرشتوں کا یہ بیان ہے کہ ''کیا آپ اسے خلیفہ بنانے والے ہیں جو زمین میں خون بہائے گا؟ (سورۃ البقرہ) شاید اسی وجہ سے ہے۔ یعنی ہم سے پہلے والی انسانی مخلوق ہولناک جنگوں کے نتیجہ میں تباہ ہوئی ہوگی۔ اسکے ثبوت میں سورۃ یونس کی مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں زبردست دلیل نظر آتی ہے (واللہ اعلم بالصواب)

''اور ہم نے تم سے پہلے زمانوں (القرون) والوں کو ہلاک کر دیا، جب وہ حد سے بڑھے۔ اور ان کے پاس رسول روشن دلیل لیکر آئے تھے۔ اور وہ ہرگز ایمان

Marfat.com

لانے والے نہیں تھے۔ اور ہم ایسا ہی بدلہ ، دیتے ہیں مجرم لوگوں کو۔ پھر ہم نے ان کے بعد تمہیں زمین میں (خلائف) جانشین بنایا تاکہ دیکھیں ، کہ تم کیسے کام کرتے ہو''۔ سورۃ یونس **10**، آیات **14,13**

اس آیہ مبارکہ 13 سے ظاہر ہے کہ ہم سے پہلے بھی نوع انسانی کے زمانے (قرون) گزرے ہیں۔ ان قرونوں میں لوگ تھے۔ ان کے اوپر بھی اللہ تعالیٰ کے رسول ہدایت لیکر آتے رہے لیکن نافرمانی کی وجہ سے وہ ہلاک کردیئے گئے۔ اب زمین پر ہماری نوع کے انسان خلیفہ ہیں۔ اگر ہم بھی حد سے گزر گئے تو ہلاک ہوجائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے بعد ایک نئی نسل آدم کو یہاں متمکن فرمادے، یوں قیامت تک آدمیت کا یہ سلسلہ وارعمل جاری رہے گا۔ (واللہ اعلم)۔

Marfat.com

باب نمبر 7

حضرت آدم علیہ السلام کی نشو ونماء کے مختلف مدارج
اور انسانی شخصیت کے روحانی پہلو

پہلے ابواب میں دی گئی بحث اور قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں ہم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لیکر زمین پر آدمیت کی معراج تک پہنچنے کے وقفہ کو مندرجہ ذیل ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

☆ منشاء پیدائش کا اظہار۔
☆ جنت میں حضرت آدمؑ کے ماڈل کی تیاری۔
☆ اشرف المخلوقات کا درجہ عطا ہونا۔
☆ جنت میں امتحان اور شیطان کا بہکاوا۔عتاب کے بعد معافی۔
☆ انفاس کی عالم خلق میں آمد اور حق کی گواہی؛ تمام رسولوں کے انفاس کی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گواہی۔
☆ زمین پر انسانی جسم کی متوازی تیاری اور پھر تولیدی سلسلہ کی ابتداء۔

اب ہم ان تمام ادوار کو ایک ایک کر کے مختصر طور پر اپنے سامنے رکھیں گے اور خدا تعالیٰ کے عظیم منصوبہ کی جزیات اور مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

اسلام کی تعلیمات یہ ثابت کرتی ہیں کہ کائنات کی تخلیق آدمی کی تخلیق کے منصوبہ کا حصہ ہے۔یعنی یہ کہ کائنات آدمی کیلئے بنائی گئی تھی آدمی کائنات کے لئے نہیں۔یہ بات ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی واضح ہوتی ہے کہ ابھی کائنات کا وجود بھی نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لوحِ محفوظ پر لکھ دیا گیا تھا۔اس ضمن میں اللہ تعالےٰ قرآن کریم میں بار بار یہ یاددہانی کرواتا ہے کہ" ہم نے انسانیت کے لئے زمین وآسمان کو مسخر کر رکھا ہے۔لہٰذا صحیح یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کائنات کے عظیم تخلیقی منصوبہ کی بنیاد ہے۔

اس عظیم منصوبہ میں ایک خاص وقت پر حضرت آدم علیہ السلام کا ماڈل جنت میں بنایا گیا۔ادھر زمین پر تولیدی نظام کے تحت ذریت حضرت آدم علیہ والسلام کیلئے اسکے جسم کا زمینی قوانین کے تحت ارتقاء شروع کر دیا گیا۔جہاں تک یہ بات کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرشتوں سے کس وقت حضرت آدم علیہ والسلام کی تخلیق کا اظہار کیا قرآنِ کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زمین کی پیدائش اور اس کی ترقی کے بعد کا واقعہ ہوگا۔ اس وقت زمین طرح طرح کے حیوانوں، چرندوں اور پرندوں سے آباد ہوگی اور فرشتے ان کے حالات کو اچھی طرح واقف ہونگے۔آیت

Marfat.com

(30)21 سے یہ بات بھی اخذ ہوتی ہے کہ اس وقت ان کے سامنے زمین پر ایسی مخلوق بھی گزر چکی تھی جو شکل وصورت میں آدمی نما تھی لیکن فطرتاً ان میں شرارت اور ظلم کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا اور خوب خون خرابہ کرتے تھے' اور کیا پتہ کہ وہ خود آپس کی لڑائیوں کے سبب تباہ و برباد ہو چکے ہوں۔ اس لحاظ سے تخلیق آدم کا یہ جنتی واقعہ دو کروڑ سال سے پہلے کا نہیں ہوگا۔

جہاں تک کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسم کی زمینی پیدائش اور اس کے بنانے سنوارنے کا دور ہے قرآن کریم سے یہ دور بہت لمبے عرصہ پر بکھرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں قرآنی الفاظ کے مطابق وہ ایک بے حیثیت مخلوق تھا۔ آیت مبارکہ (9-7)32 میں انسان کے اس دور کے بڑے بڑے مدارج کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ فرمایا:۔

"یقیناً وہ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا' عزت والا ' رحم کرنے والا ہے، وہ جس نے ہر چیز بنائی ۔ خوب بنائی ،اور آدمی کی تخلیق کی ابتداء مٹی سے کی، پھر اس نے بنائی اس کی نسل، ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے۔پھر اس نے اسے ٹھیک کیا اور اس میں اپنی روح سے کچھ پھونک دیا اور تمہارے لئے (سننے، دیکھنے اور سمجھنے کیلئے) کان، آنکھیں اور قلب بنائے ،مگر تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو"۔ سورة السجده آیت(9-6)

اس سائنسی شاہکار آیت مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو نسبتی طور پر ایک بہترین ڈیزائن کے مطابق بنایا ہے اور انہی کی طرح زمین پر آدمی کا تخلیق کا آغاز بھی مٹی سے ہوا۔ جب وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا ایک مناسب شکل میں آ گیا تو زمین پر انسانی دور شروع ہوا۔ اس سے پہلے دور میں آدم ایک بے حیثیت مخلوق تھا۔ آدمی کی معراج کا آغاز اس وقت شروع ہوتا ہے جب اس میں خدا تعالیٰ نے اپنے نفس میں سے کچھ پھونک دیا جس کے متعلق اوپر دی گئی آیات (8-7)32 میں ارشاد ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی کوئی حیوانی مخلوق نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی روح کا حامل ہے جسکی وجہ سے اسے علم کی روشنی عطاء ہوئی' حق و باطل کے امتیاز کا پتہ چلا' خودی کا جوہر ملا اور ان تمام خوبیوں کے ساتھ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ مقرر ہوا۔ اگر ہم انسان کے ارتقاء کو ان آیات کی روشنی میں دیکھیں تو پھر ارتقائی مدارج اگلے صفحہ پر دی گئی شکل کے مطابق نظر آئیں گے۔

(ا) اس تصویر میں ارتقاء کا پہلا دور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے لاکھوں' کروڑوں سالوں کی مسافت ہے جو اب ماں کے پیٹ میں محض 9 ماہ میں طے ہو جاتا ہے باپ اور ماں کے جرثومے ملنے سے اس کا جسم بننا شروع ہوتا ہے اور جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی چھ ہفتہ کے بعد اس (Embryo) میں عالم بالا سے نفس آ کر مل جاتا ہے۔

(ب) دوسرا دور انسان کی زندگی میں اختیار اور امتحان کا دور ہے جس میں انسان کو اختیار ہے کہ وہ فجور کی راہ اختیار کرے یا تقویٰ کی' اسی دور

Marfat.com

شکل: آدم علیہ السلام کی جنتی تخلیق اور زمین پر ان کے جسم کے ارتقاء کے کچھ ادوار

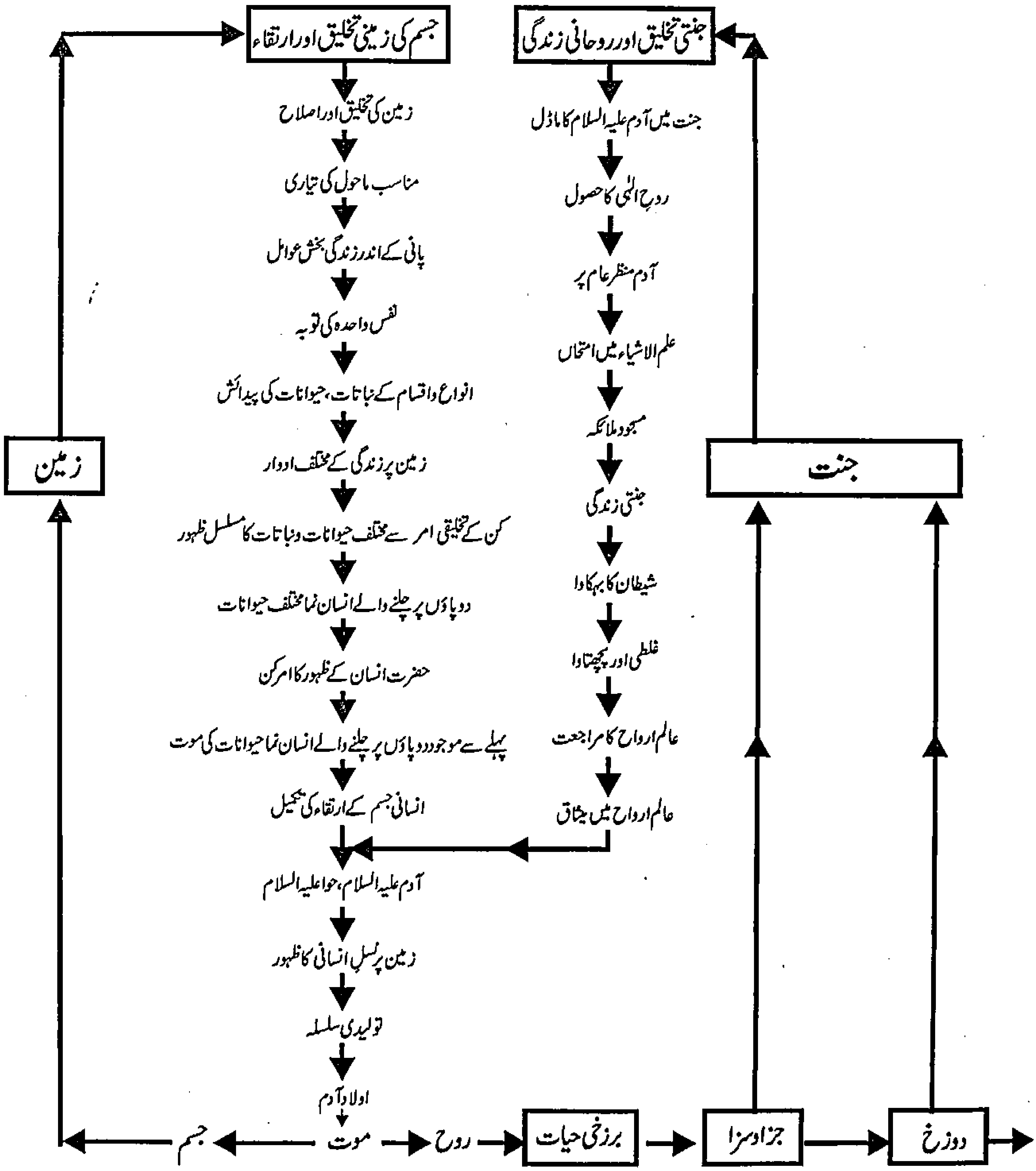

Marfat.com

کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی فجور کی اور تقویٰ کی، بے شک فلاح پائی اس نے جس نے اسے پاک رکھا، اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے معصیت میں ڈالا"۔ سورۃ الشمس 91، آیت 7-10

(ج) تیسرا دور موت کے بعد ٹھہراؤ کا دور ہے جس میں انسان اپنے تقویٰ یا فجور کی تصویر دیکھتا رہتا ہے اور عالم برزخ میں اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔ کچھ تقویٰ کی بنا پر امید کی شمع جلائی رکھتے ہیں اور کچھ اپنے فجور کی گرد کے نیچے خوف وہراس کی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

(د) چوتھا دور جزا کا دور ہے جس کے بعد کوئی حیات نو کا جنت کی اعلیٰ بلندیوں سے آغاز کرے گا، تو کوئی جہنم کی گہرائیوں سے۔

(س) جہنم ہو یا جنت ان میں بھی جمود نہیں، جیسا کہ قرآن حکیم ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ انسان ہمیشہ درجہ بدرجہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہی جائے گا (84(20)، اور اس کی انتہائے منزل اپنے خالق حقیقی کا قرب ہے جس میں اُسے اطمینان ملے گا۔

"تحقیق دلوں کا سکون، اللہ ہی کے ذکر سے ہے"۔ (القرآن)

7.1 نفس آدمی کا امتیازی وصف ہے

اگر ہم آیات (9-8-7)32 کا پھر بغور مطالعہ کریں تو یہ واضح ہوتا ہے کہ تینوں آیات میں انسانی ارتقاء کی پوری تاریخ سمٹی ہوئی ہے جس میں پہلا دور روحانی ارتقاء کا ہے، جب جنت میں اس کا ماڈل بنا اس میں روح پھونکی گئی، علم عطا ہوا اور فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا۔ پھر جنت میں رکھا گیا وہیں اسے شیطان نے بہکایا اور پھر وہ اپنی تمام تر ذریت کے ساتھ عالم خلق میں ٹھہرا دیا گیا۔

دوسرا مرحلہ جنتی ماڈل کے مطابق انسانی جسم کی زمینی تیاری کا تھا۔ جب وہ اپنی جسمانی معراج کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی روح میں سے کچھ عطا کیا اور اب تولیدی سلسلہ سے انسان پیدا ہو رہے ہیں۔ انسان کو روح کی وجہ سے سوچنے، سمجھنے، اچھائی اور بھلائی کی تمیز اور حق خود اختیاری ملا ہے اور دنیا میں اسی کا امتحان ہے۔

روح اور اختیار کے استعمال کے نتیجہ میں انسان کی جو شخصیت بنتی ہے اس کا نام نفس ہے۔ اس کی مثال بیج میں سے ماحول کے اثرات کی بناء پر نشو ونماء کے بعد پودے سے درخت بننے کی ہے۔ اس مثال میں بیج مانند روح ہے جس میں پودے کی تمام نباتاتی خصوصیات پہلے ہی سے پنہاں ہیں۔ نفس مانند درخت کی خصوصیات کے ہے جو بیج ماحول اور مالی کی نشو ونما کے اثرات کا مرکب ہے۔ اسی طرح انسانی نفس بھی روح، ماحول کے اثرات، انسان کے ذاتی اختیار کے استعمال اور اس کی تعلیم وتربیت کے مجموعی اثرات سے بنتا ہے۔

مرنے کے بعد جسم دوبارہ زمین کا حصہ بن جاتا ہے، نفس برزخی حیات میں چلا جاتا ہے اور انسان اپنے بیج (Cell and

Marfat.com

(Genes جواس کی روح کا بھی حامل ہیں پیچھے چھوڑ جاتا ہے جس سے مزید نفوس تیار ہوتے رہتے ہیں۔

زمین پر ظہور آدم علیہ السلام سے پہلے کے انسان نما حیوان کا زمانہ روح سے عاری وجود کا حیوانی دور تھا۔ ارتقاء خواہ وہ منزل در منزل ہوا یا مسلسل اسی حیوانی وجود کا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں یہ ہزاروں لاکھوں سالوں پر محیط جسم کی نشوونما کا زمینی دور ہے۔ جب منشاء الٰہی کے مطابق یہ سلسلہ اپنی تکمیل کو پہنچ گیا ہے تو اسے روح کا امین بنا کر انسان کو بہترین فطرت اور اعلیٰ ترین صلاحیتیں عطا ہو جاتی ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام کا سائنس سے کوئی ٹکراؤ نہیں، صرف یہ ہے کہ سائنس زمینی ادوار کی بات کرتی ہے جبکہ اسلام ٹوٹل حقیقت بیان کرتا ہے۔ اس کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"یقینا ہم نے انسان کو خوب سے خوب، تر ڈیزائن کے مطابق پیدا کیا"۔

سورۃ التین 92 آیت 3

اس ارشاد کے بعد یہ گنجائش نہیں رہ جاتی کہ انسان کے جسم کا مزید ارتقاء بھی ہوگا' بلکہ یہ اب ایک مکمل اور جامع تخلیق ہے جس میں کوئی سائنسدان' فلسفی یا حکیم کوئی کمی نہیں دیکھ سکا اور سب مانتے ہیں کہ اپنے اعضاء کی متناسب بناوٹ اور اعلیٰ کارکردگی میں انسان لاجواب ہے' لہٰذا حضرت آدم علیہ السلام کا ظہور انسان کے جسمانی ارتقاء کی آخری منزل ہے البتہ روحانی ارتقاء سب کا اپنا اپنا ہے۔

جہاں تک زندگی کا تعلق ہے انسان کی شخصیت میں اس کا جسم محض عناصر کی ایک خاص ترتیب کا مرہون منت ہے جس میں زندگی کی رمق عناصر میں کیمیائی عمل (Bio Chemical Reactions) کی وجہ سے ہے، ان بائیو کیمیکل عوامل میں فساد ہی بیماری کا باعث ہے اور جب وہ جسم اس کے قابل نہیں رہتا تو نفس اسے چھوڑ کر برزخی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ جان لیوا بیماری۔ ایکسیڈنٹ قتل' خودکشی وغیرہ میں یہی ہوتا ہے کہ جسم نفس کے رہنے کے لئے بیکار ہو جاتا ہے اس لئے وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔

انسان اور حیوانات کی موت میں فرق یہ ہے کہ حیوانات کی موت ان کے لئے قطعی اور آخری موت ہے (لیکن یہ بھی مٹ جانا نہیں) جبکہ اولادِ آدم کی موت اسکے لئے ایک نیا آغاز ہے۔ اس لئے کہ اسکی روحانی شخصیت اس روح کیوجہ سے ہے جو اسے ماں کے پیٹ میں ودیعت ہوتا ہے اور حیوانی شخصیت جسم کیوجہ سے ہے جو نفس کیلئے ایک گاڑی کی مثل ہے' جبتک گاڑی چلتی ہے اسکا مالک اسے اپنے استعمال میں رکھتا ہے لیکن جب وہ ناقابل استعمال ہو جاتی ہے تو وہ اسے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ جسم کے ارتقاء میں ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ ماحول اور زمینی مادیات کا پابند ہے اس کی نشوونما اور اس کی بیماریاں بھی مادی اسباب کا نتیجہ ہیں اس لئے جسمانی ارتقاء میں مرضی کا دخل نہیں بلکہ جسم ماحول کے کنٹرول میں ہے۔ چونکہ نفس کا عالم مادیات سے تعلق نہیں اس لئے یہ حیوانی ارتقاء سے بالاتر ہے اور اسکا اپنا ارتقاء سدا جاری و ساری ہے۔ اس کے لئے جو ضروری عوامل ہیں ان کا علم اللہ تعالیٰ انسان کے باطن میں ڈال دیا اور اختیار بھی عطا فرما دیا تا کہ وہ شعوری طور پر اپنے ارتقاء کو جاری رکھے۔ باطنی کیفیات کو اجاگر کرنے اور عملی مثال کے ذریعے نفس کی نشوونما کو دکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندے بھی مبعوث کرتا رہا ہے

Marfat.com

جن کو وحی کی روشنی دی جس کے ذریعہ وہ رب تعالیٰ خدا کے منشاء کو عام کرتے رہے تا کہ لوگ جان سکیں کہ نفس کی ترقی کیلئے کیا باتیں ضروری ہیں اور وہ کونسے لوازمات ہیں جن سے پرہیز لازم ہے۔قرآن کریم ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ نفس کی نشوونما کے لئے اس کو قلبی امراض سے محفوظ رکھا جائے اور قلبی امراض کی وجہ اس کا ارضی چیزوں کی طرف میلان ہے۔اس لئے کہ ارض کثافت کا نام ہے اور روح کی ترقی اسکی لطافت میں ہے۔اسکی اپنی حقیقت عالم الغیب سے ہے، جب یہ عالم شہادت میں آتا ہے تو جسم میں جکڑ جاتا ہے۔اسلئے وجود سے آزادی میں ہی اس کے لئے خوشی نروان اور ترقی ہے۔دورانِ زندگی جو نفوس چیزوں کی حرص میں پڑ جاتے ہیں وہ ماورئٰ سے دور ہوتے جاتے ہیں اور وجود اسے کثیف تر کرتا جاتا ہے۔اسی لئے تمام مذاہب نے ارضی چیزوں سے محبت کم کرنے کی تعلیم دی ہے۔

7.2 نفس کی ترقی کے مدارج

اسلام کی تعلیم کے تمام لوازمات اور رہنمائی اس لئے ہے کہ انسان اپنی دنیاوی حیات میں اپنے نفس کی اس طرح ترقی کرے کہ وہ واپس اپنی کھوئی ہوئی جنت کو پاسکے۔یوں جب اپنی پیدائشی سطح سے بلند ہو کر عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی ترقی کرتا رہے۔دنیاوی زندگی عالم شعور ہے جہاں انسانی نفس اپنے اختیار اور علم کو استعمال کرتے ہوئے بفضل حق تعالیٰ غیر محدود ترقی کرسکتا ہے۔اس کی اعلیٰ ترین مثال رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک انسان تھے لیکن اپنی انسانی حیثیت کے باوجود ان کا نفس ترقی کے ان منازل پر تھا کہ ان کی رسائی کے مقام کو ملائکہ کے سردار جبرائیلؑ بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔اس لئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مقامات علّیین کے سفر کے دوران حضرت جبرائیل علیہ السلام کو راستہ ہی میں ساتھ چھوڑنا پڑا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بھی جیسے قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ،ترقی کے ان زینوں پر ضرور جاسکتے ہیں جہاں فرشتے ان سے ہم کلام ہونے لگتے ہیں۔

''تحقیق' جنہوں نے کہا اللّٰہ تعالیٰ ہمارا رب ہے' اور پھر اسی پر کاربند رہے' ان پر اترتے ہیں فرشتے (کہتے ہیں) نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو' اور خوشخبری سنو، اس جنت کی جس کا تم سے وعدہ ہے۔(وہ ان کو کہتے ہیں) وہاں تمہارے لئے وہ کچھ ہے جو تم چاہو گے' اور تمہارے لئے وہاں وہ کچھ ہے جو تم مانگو گے' مہمانی ہے' اس بخشنے والے مہربان کی''۔ 4(28-32)

افسوس کہ دنیا میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو عالم شعور میں اپنے نفس کے ارتقاء کی بجائے اپنے جسم کی نشوونما ہی میں لگے رہتے ہیں' ایسے لوگوں پر موت کے بعد جب حقیقت واضح ہوگی تو انہیں انتہائی مایوسی ہوگی، لیکن اس وقت وہ کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔البتہ جو لوگ اپنے نفس کے پیدائشی درجہ پر ہی برزخی حیات میں داخل ہوجاتے ہیں جیسے وہ بچے جو سن بلوغ کو پہنچے بغیر ہی وفات پاجاتے ہیں یا مجذوب' جن کو عالم شعور سے

Marfat.com

واقفیت نہیں ہوتی ان کیلئے بھی بلالحاظ مذہب وملت اگلی راہیں آسان ہیں۔

انسان کی عالم شعور کی زندگی اور نفس کی ترقی کے حوالہ سے سورۃ الشمس کی آیات 10-7 جن کا پہلے بھی حوالہ دیا جاچکا ہے نہایت قابل غور ہیں۔

''قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی فجور کی اور تقویٰ کی' بے شک فلاح پائی اس نے جس نے اسے پاک رکھا' اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے معصیت میں ڈالا''۔ سورۃ الشمس 91، آیات 10-7

انسان کا پیدائشی درجہ ایک بنیادی درجہ ہے، وہاں سے آگے بڑھنے کے لئے محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس بہترین نمونہ ہے جو کہ ترقیوں کے انتہا کے درجہ پر فائز ہیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر ہر انسان اپنے بنیادی درجہ سے بہتر سے بہتر حالت میں عالم برزخ میں داخل ہوسکتا ہے۔ چونکہ دنیاوی زندگی میں انسان کا حیوانی پہلو اس کے ذہن اور سوچ پر غالب آیا ہوتا ہے اس لئے روح کی روشنی کو دبائے رکھتا ہے۔ اور اکثریت روحانی ترقیوں کی طرف توجہ نہیں کرتی لیکن جیسے ہی وہ جسم سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے تو صحیح صورت حال بھی دکھائی دینے لگتی ہے۔ اس وقت نفس اپنی بنائی ہوئی دنیاوی زنجیروں سے نکلنا چاہتا ہے لیکن انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ اپنے کھوئے ہوئے مقام کو نہیں پاسکتا، اس لئے برزخی دنیا میں وہ انتہائی ناامیدی آس وحسرت کے عالم میں داخل ہوتا ہے۔

7.3 حضرت آدم علیہ السلام زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب

ہم نے دیکھا ہے کہ خالق کے ڈیزائن میں حضرت آدم علیہ السلام ایک عظیم باب ہے جس کیلئے کائنات کو پیدا کیا گیا۔ قرآنِ کریم مختلف حوالوں سے اس بات کو متعدد بار واضح کرتا رہا ہے کہ زمین وآسمان میں سب کچھ انسان کیلئے بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے لئے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں' اور تمہیں اپنی پوری نعمتیں عطاء کیں، ظاہر اور چھپی ہوئیں' اور پھر بھی لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں، جو اللہ کے بارے جھگڑا کرتے ہیں، بغیر علم' بغیر عقل اور بغیر روشن کتاب کے''۔ سورۃ القمان 31، آیت 20

''اور وہی ہے جس نے تمہیں بنایا اپنانا نائب' زمین میں، اور ایک کو دوسرے پر

Marfat.com

درجات دیے، تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو تمہیں عطاء کی گئی۔ بیشک آپ کے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی، اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے"۔ سورة الانعام 6، آیت 166

اس آیت مبارک میں' کیا تم نے نہیں دیکھا' اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان کائنات کی غرض وغائت پر غور کرے تا کہ وہ سمجھ سکے کہ کس طرح ہر چیز اس کیلئے کام کر رہی ہے؟ غرضیکہ کارخانہ کائنات کی تخلیق کی غائت حضرت انسان ہے، سوچنے کی بات ہے کہ پھر انسان کی غائت کیا ہونا چاہیئے؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو زمین پر خالق کائنات کا نائب ہونے کا درجہ کیسے ملا؟ اور اس نیابت کے تقاضے کیا ہیں؟ یہاں پر فی الحال ہم پہلے سوال پر ہی توجہ دیں گے اور دیکھیں گے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو اپنا نائب بناتے وقت کون کون سی خصوصیات ودیعت فرمائیں، یعنی وہ کون سی صفات ہیں جو انسان کو حیوانی سطح سے بلند کرتی ہیں۔ یہ خصوصی صفات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہونا

۲۔ علم حاصل کرنے کی استعداد ہونا

۳۔ ہدایت کی استعداد ہونا

۴۔ اختیار کا حاصل ہونا

۵۔ اختیارات کا صحیح استعمال

یہ وہ خصوصی باتیں ہیں جو انسان کو تمام نوعِ حیوانی میں ممتاز کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ ہماری فطری خاصیتیں تقریباً وہی ہیں جو عام حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہیں اور یہ ہمارے حیوانی دور کی باقیات میں سے ہیں اس لئے فطری طور پر حیوانوں کی طرح ہماری ارضی زندگی کا میلان بھی خوراک، رہائش، جسم کی آسائش اور نسل بڑھانے کی خواہش کے اردگرد گھومتا ہے۔ اب ہم نیابت کے لئے جو صفات درکار ہیں ان کا فرداً فرداً ذکر کریں گے۔

7.4 علم اور روحانی وجدان

علم حاصل کرنے کی استعداد وہ خصوصی قابلیت ہے جو آیات (42-30)2 کے مطابق انسان کو اس وقت عطا کی گئی جب اسے شرف نابت بخشا گیا۔ آیات (42-30)2 سے اسلام کا آدمی کے متعلق نظریہ اچھی طرح ظاہر ہو جاتا ہے، ہمیں بتایا گیا ہے کہ قادر مطلق نے آدمی کو علم حاصل کرنے کی خصوصی قابلیت عطا کی اور یہی وہ قابلیت ہے جس کی بنا پر وہ اشرف المخلوقات ہے۔ علم درحقیقت خدا کی اپنی صفات میں سے ایک

Marfat.com

صفت ہے۔قرآن کریم کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی میں اپنی روح کا کچھ حصہ ڈال دیا،اس بات کا شاہد ہے کہ اللہ تبارک نے انسان کو نام کا نائب نہیں بلکہ اسے تخلیقی قوتوں کا مالک بھی بنایا اور علم کو اس کی فطرت کا حصہ بنا یا دیا۔روح کی بالیدگی کے لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اس علم کو اپنے اندر اور باہر تلاش کرے۔اس لئے کہ آدمیوں میں حقیقی معنوں میں وہی اللہ تعالیٰ کا نائب ہونے کا حقدار ہوگا جو علم کے حصول میں ایک اعلیٰ مقام پر فائز ہوگا۔اس علم میں علم الاشیاء کا ہونا بہت زیادہ اہم ہے اس لئے حضرت آدم علیہ السلام اور فرشتوں کا امتحان اسی علم میں ہوا تھا۔

لہذا قرآنی آیات (42-30)2 سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی نائبیت کے لئے علم الاشیاء ضروری علم ہے لیکن اس سب کا مقصود رب تعالیٰ سے تعلق ہو اور اس کے تخلیقی کارناموں سے ہمیں اس کی آگاہی ہو یعنی ''نائبیت خالق کی معرفت اور مخلوق کی واقفیت میں ہے۔اسلئے ''علم الاشیاء'' کا حصول اسلام کا لازمی حصہ ہے۔''رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ علم الاشیاء انتہائی اہم ہے۔آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

''رب ارنی حقائق الاشیاء''۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ حقائق الاشیاء کے جاننے کے لئے کوشش کرنا ہر آدمی پر لازم ہے۔چونکہ حقائق الاشیاء سائنسی علوم سے ہی حاصل ہوسکتا ہے۔لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ سائنسی علوم کی دسترس اور ان کے حصول کے لئے کوشش درحقیقت انسانی معراج کے لئے لازمی چیز ہے۔قرآن کریم اپنی سینکڑوں آیات میں کائنات کے اوپر غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔یہ بار بار کی دعوت انسان کو حق نائبیت کی طرف بلاوا ہے۔اس لحاظ سے مغربی اقوام مسلمانوں سے آج کل بہت آگے ہیں لیکن افسوس کہ معرفت الٰہی سے محروم ہونے کی بنا پر وہ بھی نیابت کی حقدار نہیں۔اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا کا نائب بننے کیلئے علم کے علاوہ اس کی اطاعت بھی لازمی ہے۔اگر کوئی شخص علم تو رکھتا ہے لیکن اطاعت نہیں کرتا یا اطاعت تو کرتا ہے لیکن علم الاشیاء سے نابلد ہے تو اس نے بھی نیابت کا حق ادا نہیں کیا۔سب سے بدقسمت وہ ہے جو جاہل بھی ہو اور اطاعت گزار بھی نہ ہو،ایسا آدمی شیطان سے بھی بدتر ہوگا۔

قرآن کریم سے ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ انسان کی علمی استعداد اس کی حیوانی جبلّتوں سے نہیں بلکہ روحانی قوتوں میں ہے،یعنی علم کی اصل روح ہے جو اسکے اندر پھونکی گئی تھی یہ رب العالمین کا وہ خاص تحفہ ہے جس سے حیوانات محروم ہیں۔روح سے انسان کو علم الدنی یعنی باطنی استعداد حاصل ہوتی ہے۔اس بات کا تجربہ کئی ایک سائنسدانوں اور مفکروں کو بھی ہوا ہے کہ انسان کی زندگی میں کچھ لمحات ایسے ضرور آتے ہیں جب دفعتاً اس پر چھپے ہوئے حقائق روشن ہوجاتے ہیں،پیچیدہ گتھی کی کڑیاں خود بخود کھلتی نظر آتی ہیں۔یہ انسان کے باطنی علم کی وجہ سے ہے۔جس کو ہم Intuition کا نام دیتے ہیں۔قرآن کریم میں اس کا نام علم الدنی ہے اس کی اساس انسان کا باطن ہے۔سائنس کی تاریخ اس بات کا ثبوت ہے کہ فطرت کے بڑے بڑے راز روحانی جست ہی سے حل ہوئے ہیں۔اکثر ایسا ہوا کہ سائنسدان جب تھک ہار کر مایوس ہوگیا تو اچانک روشنی کی کرن نمودار ہوئی اور زندگی بھر کی محنت کا ثمر مل گیا۔عظیم دریافتوں اور روح کے وجدان کے اس تعلق کو کتاب Scientific Discovery and Intuition میں بڑی اچھی طرح واضح کیا گیا ہے کہ سوچ اور مسلسل تحقیق جزئیات کی تفصیلات کیلئے لازمی ہیں لیکن عظیم دریافتیں روح کے وجدان کا نتیجہ ہیں۔نہ

صرف سائنس بلکہ حقیقی ادب، آرٹ اور شاعری سے بھی اس کا گہرا تعلق ہے۔تمام بڑے بڑے شاعر، فنکار اور ادیب گواہ ہیں کہ ان کی زندہ جاوید تخلیقات کسی سوچی سمجھی سکیم کا نتیجہ نہیں تھیں۔ بلکہ یہ الہامی تھیں اور فنکار انہیں قلم کے ذریعہ محفوظ کر لیتے۔

7.5 ضمیر

علم حاصل کرنے کی استعداد کے علاوہ روح انسانی کی ایک اہم خاصیت "ضمیر" ہے جو روح کی آواز ہے قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قسم ہے نفس کی اور جیسا اس کو ٹھیک بنایا، پھر سمجھ دی فجور کی اور تقویٰ کی"۔ سورۃ الشمس 91، آیت 7-10

ضمیر روح کی آواز ہے جو آدمی کو برے کاموں پر ٹوکتی ہے اور اچھے کاموں کی طرف راغب کرتی ہے۔ یہ انسانی فطرت میں دبی ہوئی ایک چنگاری ہے جسے محنت اور توجہ سے کوئی اجاگر کر لے یا بے توجہی سے بجھا دے۔ یہ وہ چیز ہے جو ظلم کو دیکھ کر پریشان ہو جاتی ہے، انسانوں کو آپس میں محبت کا درس دیتی ہے، رحم، ترس اور خیر خواہی کے جذبات اس کو فرحت دیتے ہیں۔ یہی وہ طاقت ہے جو بعض اوقات انسان کو ایسی بلندیوں پر لے جاتی ہے کہ عقل کے تمام تقاضوں کے خلاف وہ سچائی کیلئے اپنی جان تک قربان کر جاتا ہے، اور تاریخ میں کبھی وہ غازی علم الدین، کبھی جی گوپرا، کبھی ارسطو کی شکل میں زہر کا پیالہ پی کر عقل سے برسرِ پیکار نظر آتا ہے۔

ضمیر کی آواز کو بڑھانا یا کم کرنا انسان کا اپنا کام ہے۔ اس دنیا میں زیادہ لوگ تو وہی ملیں گے جو اپنے ضمیر کو دباتے رہتے ہیں اور یوں اسے کمزور کر لیتے ہیں جسکے نتیجہ میں پھر وہ عمر بھر بھٹکتے ہی رہتے ہیں۔ درحقیقت ہوتا یہ ہے کہ ابتدا میں انسان جب کوئی غلط کام کرتا ہے تو روح فوراً اس کو ٹوکتی ہے، اگر تو انسان اپنی روح کی آواز پر توجہ کرتا رہے اور اس کے اشارہ پر لبیک کہتے ہوئے برائی سے رکتا رہے تو آہستہ آہستہ یہ مزید طاقتور ہوتی جاتی ہے۔ لیکن جب انسان اپنی روح کی آواز کو دباتا ہے اور عقل سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے اپنے اچھے برے فیصلے کرتا ہے تو ضمیر کمزور ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں انسان ضمیر کی ہدایت سے گرتا جاتا ہے اور یوں نفس اپنے بنیادی ارتقائی مقام سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔ بہرحال جب تک انسان زندہ ہے وہ سنے یا نہ سنے روح اپنا یہ کام کرتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات چور ڈاکو عادی مجرموں کی زندگی میں بھی کوئی ایسا موڑ آ جاتا ہے کہ ان کی خوابیدہ ضمیر اچانک بیدار ہوتی ہے اور ان کو راہ راست پر لے آتی ہے۔

7.6 شعور اور اختیار

یہ آدمیت کی تیسری شرط ہے اور روح کی لازمی صفت ہے جو انسان کو تمام دیگر مخلوقات سے ممتاز کرتی ہے۔ قرآن کریم میں انسان کے

ناطے سے روح کی ترقی نفس کی صورت میں ہوتی ہے جس کا مطلب یہ روح کی شکل ہے جو شعور اور اختیار کے استعمال کے نتیجہ میں بنتی ہے۔ یعنی نفس ہماری وہ روحانی شخصیت ہے جو مختلف عوامل کے نتیجہ میں ابھرتی ہے۔ یہ صرف انسان کا اعجاز ہے کہ اسے اپنی زندگی میں اپنے لئے راہ متعین کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے اعمال کی اصل یہی اختیار ہے کہ ہم سچائی کا ساتھ دیں یا بدی کی طاقتوں کا دامن پکڑیں۔ قرآن حکیم میں صاف صاف طور پر بتا یا دیا گیا ہے کہ دین میں جبر نہیں۔ **لا اکراہ فی الدین۔**

قانون فطرت ہے کہ جہاں اختیار ہے وہاں کچھ ذمہ داریاں بھی ہونگی۔ یہ بات نظام دنیا میں بھی عام ہے، ایک بڑا افسر بڑے اختیار کا مالک ہوتا ہے، لیکن انصاف کے تقاضوں کے سامنے اتنا ہی زیادہ اسے ذمہ دار (Accountable) بھی ٹھہرایا جاتا ہے، یہی مثال انسان کی باقی مخلوقات میں ہے وہ اس دنیا کا حکمران ہے، اگر وہ اپنے فرائض کو پوری طرح ادا نہ کرے تو اس سے کون حساب لے؟ ظاہر ہے کہ کلی طور پر ایسا ہونا دنیا میں ناممکن ہے۔ یہاں ظالم دندناتے ہیں اور ان کے سامنے مظلوم کو آہ کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوتی۔ جب قانون فطرت ہے کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے تو پھر جس پر ظلم کیا جاتا ہے اسے انصاف کیوں نہ ملے؟ جو کسی کا حق چھینتے ہیں ان کو سزا کیوں نہ ہو؟ اگر دنیا کی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا تو کسی اور دنیا میں ضرور ایسا ہونا چاہیے؟ اگر یہ بات نہیں تو یہ قانون فطرت کے خلاف بات ہوگی۔ اس لئے انسان کا صاحب اختیار ہونا اس امر کی طرف وکالت کرتا ہے کہ موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے جس میں اس کے اختیار اور فرائض کا حساب ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تمہیں شر، اور خیر سے آزماتے ہیں اور آخر کار تم سب ہماری، ہی طرف لوٹ کر آنیوالے ہو"۔

سورۃ الانبیاء 21، آیت 35

7.7 انسانی اور حیوانی قدریں

انسان دو قدروں کا مجموعہ ہے

1۔ انسانی قدریں 2۔ حیوانی قدریں

انسانی قدروں کی وجہ اس کی روح ہے جو عالم بالا سے ایمبریو Embryo میں داخل ہو کر انسان کو حیوان سے انسان بناتا ہے۔

جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے اس لحاظ سے انسانی قدریں صرف آدمی تک ہی محدود ہیں البتہ حیوانی قدروں میں ہم دیگر حیوانوں سے مختلف نہیں۔ خورد و نوش کی تگ و دو، ہوس اور شہوت، لڑائی جھگڑے، دشمنی، غصہ، حق اور ناحق سے بے حسی، لالچ، غرض تمام وہ قدریں جن کا مطلوب مادی طاقت اور ذرائع کا حصول ہے سب حیوانی قدریں ہیں۔ ان کے برعکس انسانی قدریں ہمیں علم کی طرف راغب کرتی ہیں، تخلیق کا سبق دیتی ہیں، کائنات کے رازوں سے پردہ اُٹھانے میں راہ دکھاتی ہیں، ایثار اور قربانی کا جذبہ عطا کرتی ہیں، برائی سے روکتی ہیں اور بھلائی کی طرف راغب کرتی

Marfat.com

ہیں۔ الغرض انسانی قدریں شخصیت کے ان پہلوؤں کا نام ہے جس کی اساس روح ہے، اس وجہ سے انسانی قدروں کو روحانی قدروں کا نام بھی دیا جاتا ہے، یہ قدریں نفس کی نشو ونما کیلئے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے جسم کی نشو ونما کیلئے کھانا پینا ضروری ہے۔ ہماری دنیاوی حیات، زمان ومکاں کے طویل سفر کے دوران وہ مختصر سا وقفہ ہے جس میں ہم علم، شعور اور اختیار کا استعمال کرتے ہوئے اپنی روحانی شخصیت کو آسانی سے ترقی دے سکتے ہیں۔ چونکہ حیوانی اور روحانی اقدار میں تضاد ہے اسلئے ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ دوسرے کی کمزوری کا باعث ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی آدمی حیوانی قدروں کی طرف زیادہ راغب ہوگا تو روحانی طور پر کمزور ہوتا جائے گا۔ بہر حال ان دونوں کے امتزاج سے انسان کی جو شخصیت نکھر کر سامنے آتی ہے اسے قرآن کریم کی زبان میں نفس کہا جاتا ہے۔

انسان کا امتحان بھی یہی ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیئے گئے علم، شعور اور اختیار سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کیسا نفس بنتا ہے؟ اس کی تین اقسام ہیں:۔

نفس امارہ	یہ حیوانی قدروں کی نمائندگی کرتا ہے۔
نفس لوامہ	یہ حیوانی اور روحانی قدروں کے بین بین ہے۔
نفس مطمئنہ	اس میں روحانی قدریں غالب ہوتی ہیں۔

لہذا آدمی کی کامیابی یہ ہے کہ جیسا وہ ارضی حیات سے روانہ ہو کر عالم برزخ کی حدود میں داخل ہو تو نفس مطمئنہ کے ساتھ وہاں جائے۔ اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اپنے آپ میں اللہ والی صفات پیدا کر۔ ''**تخلقو اخلاق الله**'' اللہ والا بندہ اپنے آپ میں اللہ تعالیٰ کے اخلاق پیدا کرتا ہے۔ یعنی وہ اسماء الحسنیٰ کا انسانی نمونہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے لئے تمام نوع انسانی میں بہترین مثال سرورِ کائنات خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

Marfat.com

حصہ دوم

انسان کی شخصیت کے کچھ ماورائی پہلو

تعارف

باب نمبر 8 انسان کی ماورائی شخصیت، رُوح، نفس اور زندگی

باب نمبر 9 غیر مرئی طاقتیں، انسانی جینز اور مسئلہ تقدیر

باب نمبر 10 وقت، واقعات اور کشف

باب نمبر 11 خیال کی قوت اور سی آئی اے کا حیرت انگیز روحانی جاسوسی نظام

باب نمبر 12 زندگی کی طوالت۔ ڈیزائن لائف اور موت

Marfat.com

تعارف

کچھ لوگ انسان کی ماورائی مخلوقات کا سرے ہی سے (Outright) انکار کرتے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو انکار کا حوصلہ نہیں رکھتے، لیکن ماورائی دنیا کو ماننے کے لئے بھی تیار نہیں، وہ ان کو طرح طرح کی طبیعیاتی تاویلات کے ذریعہ تشریح کرتے ہیں۔ انہی میں کئی بڑے بڑے دانشور بھی شامل ہیں۔ مثلاً علامہ عنائت اللہ مشرقی (مرحوم) اپنی کتاب تکملہ میں جنات کو انسانوں کا بالا طبقہ (Elite) سمجھتے ہیں۔ بعض دانشوروں کے نزدیک جنات سفید عام اقوام ہیں۔ فرشتوں کو علامہ عنائت اللہ مشرقی اور سر سید احمد خان نے قدرتی طاقتیں کہا ہے۔ مثلاً ان کے نزدیک کشش ثقل بھی ایک فرشتہ ہے۔ برق بھی کسی فرشتے کا نام ہے۔ جبکہ قرآن کریم سے واضح پتہ چلتا ہے کہ انسان کی طرح جنات ایک ذہین مخلوق ہے ان میں بھی کچھ مسلمان ہیں کچھ کافر، کچھ اچھے اور کچھ بُرے ان کا بھی کوئی دین ہوتا ہے۔ ان کا وجود انسان سے قدیم تر ہے اور ان کی بنیاد آگ تھی اپنی بعض خصوصیات میں انسان سے زیادہ طاقتور ہیں مثلاً وہ نہایت تیز رفتاری سے سفر کر سکتے ہیں اور اپنی شکل بدل سکتے ہیں۔ لیکن بہر حال مجموعی حیثیت میں وہ نوع انسانی سے ادنیٰ تر مخلوق ہیں۔ شیاطین بھی جنات ہی میں سے ہیں وہ انسان دشمن ہیں اور ان کے اذہان کے ذریعہ (Newous system) ان پر حملہ آور ہوتے ہیں، اسلئے کہ طبیعیاتی طور پر ان کا بھی انسان پر کوئی زور نہیں۔

ایسی ماورائی مخلوقات کے ہونے یا نہ ہونے پر جھگڑنے کی بنیاد یہ ہے کہ انسان انہیں اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ محسوس نہیں کر سکتا۔ نہ صرف حواس خمسہ بلکہ اپنے ایجاد کردہ طبیعیاتی آلات کی مدد سے بھی ان کی موجودگی کو ابھی تک ذہنی طور پر ثابت نہیں کر سکا ہے۔ دوسری طرف ایسا بھی ہوتا رہتا ہے کہ ہمارے سامنے ایسے واقعات ہو جاتے ہیں جس کے اسباب کو ہم جاننے سے قاصر رہتے ہیں۔ ان واقعات کا سبب کون ہیں؟ پھر یہ بھی کہ اگر چہ آپ کا ذاتی مشاہدہ نہ بھی ہو تو بھی اکثر سنا جاتا ہے اور اخبارات میں پڑھا جاتا ہے کہ بعض گھروں میں چیزیں جہاں رکھی گئی ہیں وہاں سے خود بخود ہی دوسری جگہ منتقل ہو جاتی ہیں۔ بعض دفعہ ایسے دیکھنے اور آوازیں سننے کے واقعات سامنے آئے ہیں جس کے پیچھے کوئی ظاہری مادی محرک نظر نہیں آتا ہے۔ بعض دفعہ لوگوں کے نوٹس میں آتا ہے کہ ایک بچہ کہیں پیدا ہوا اور وہ اپنے علاقہ کی زبان کے علاوہ کسی دوسرے علاقہ کی زبان بھی پیدائشی طور پر بولتا ہے اور ایسے واقعات کو بیان کرتا ہے جسکا اسکے اپنے خاندان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ ان غیر مرئی واقعات کے محرکات ماورائی نہیں تو اور کیا ہیں؟ اسی طرح کے ماورائی مسائل ہر ملک اور علاقے کے لوگ پوچھتے آئے ہیں۔ اس کے جواب ہی میں کہا جاتا ہے کہ ان کے اسباب جنات، بھوت، ارواح یا فرشتے ہوں گے۔

جہاں تک مذاہب عالم کا مقام ہے، تمام بڑے مذاہب ماورائی واقعات اور مخلوقات کو مانتے ہیں۔ ہندو مذہب جو کہ بہت قدیم مذہب ہے، اس میں تو روحوں کے آواگوں کا مسئلہ، بھوت اور جنات کا وجود مرکزی نکتہ ہے۔ یہود اور نصاریٰ بھی فرشتوں، جنات اور ارواح کے وجود کو مانتے ہیں اور ان کے اعتقادات میں اہم درجہ رکھتے ہیں۔ اسلام میں بھی یہ مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہی کہ فرشتہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالےٰ سے قرآن کریم لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر وحی کرتے تھے۔ جبرائیل علی السلام کو آپ نے کئی بار مرئی

Marfat.com

حالت میں بھی دیکھا۔ان کے علاوہ مسلمان یہ کراماً کاتبین کو مانتے ہیں جو ہر انسان کا اعمال نامہ تیار کرتے رہتے ہیں اور اس کی زندگی اور بعد از زندگی کے بھی ساتھی ہیں۔

فرشتوں کی مدد کے واقعات بھی قرآن کریم میں بتائے گئے ہیں۔مثلاً غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تین ہزار فرشتوں سے مدد کی گئی۔جہاں تک جنات کا تعلق ہے ایک پوری سورت کا نام سورۃ جن ہے۔قرآن کریم یہ بھی بتاتا ہے کہ ان کی پیدائش آگ سے ہوئی تھی جبکہ انسان کی تخلیق زمینی مٹی سے ہوئی تھی۔جنات کے قرآن کریم کے سننے اور اسلام کرنے کا بھی ذکر ہے۔پھر یہ بھی بتایا گیا ہے کہ شیطان بھی جنات ہی میں سے تھا۔ان میں باقاعدہ سلسلہ تولید اور موت و حیات بھی چلا آرہا ہے اور ان کا اپنا ایک معاشرتی نظام ہے۔نہ صرف یہ بلکہ روز حشر ان کا بھی حساب ہوگا اور انسانوں کی طرح اپنے اپنے اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ کے سپرد کئے جائیں گے۔

ماورئ کے وجود کی حقیقت

مذاہب عالم اور ان کے اربوں ماننے والوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مذاہب عالم کے بانیاں جیسی مقدس اور سچی ہستیوں کی شہادت کے بعد ماورائی مخلوقات کے وجود پر کوئی شک نہیں کیا جانا چاہیے۔ہمارا سارا علم کسی نہ کسی شہادت کی بنیاد پر ہے۔ہم سائنس میں کائنات کے متعلق بگ بینگ (Big Bang)، کائنات کی عمر، زمان و مکان کے تعلق (Continuing of Time Space) بلیک ہولز (Black Holes)، یہ کہ روشنی کی رفتار کی آخری حد ہے، کائنات پھیل رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔جیسے مفروضوں کی حقیقت پر کسی نہ کسی سائنس دان کی شہادت کی بنا پر یقین رکھتے ہیں۔ہم میں سے کسی نے ایٹم کے وجود کو نہیں دیکھا ہے، نیوٹرینیوز (Neutrinos) کو کسی تجربہ گاہ نے محفوظ نہیں کیا، کاسمک سٹرنگ (Cosmic strings) کو کبھی محسوس نہیں کیا، لیکن پھر بھی ہم ان کے وجود کو اس لئے مان لیتے ہیں کہ بتانے والے بااعتماد لوگ ہیں۔
یعنی اعتماد اور قابل اعتبار شہادت ہمارے سارے علم کی بنیاد ہے۔اس لئے فرشتوں، جنات اور ارواح کی حقیقت کو تسلیم نہ کرنے کے لئے ہمارے پاس کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔اس لئے کہ ان کو بتانے والے دنیا کے معتبر ترین اور صادق ترین لوگ تھے جنہیں اللہ کے نبی اور رسول کہا جاتا ہے۔
اس کے علاوہ جدید سائنسی تحقیقات (Para Psychological) بھی بھوتوں اور ماورائی خلائی مخلوقات کے قدیم نظریات کو اس شدت سے اب رد نہیں کرتیں جس شدت سے پچھلی صدی میں سائنسدان ان کا انکار کرتے تھے۔بلکہ اب تو ان میں بہت سے خاموش ہیں اور کچھ مانتے بھی ہیں کہ مجسم مخلوقات کے علاوہ غیر مجسم مخلوقات موجود ہیں لیکن ان کے بارے ہمارا علم ابھی بہت کم ہے۔
لہٰذا اصل مسئلہ یہ نہیں کہ وہ ماورائی مخلوقات فرشتے جنات اور ارواح کا وجود نہیں، بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ ان کے وجود کی حقیقت کیا ہے؟ زیر نظر کتاب مصنف کی بیس سالہ تحقیقات کی بنیاد پر اسلام، مذاہب عالم اور سائنسی حوالوں سے اسی طرح کے غیر مرئی مسائل کا جواب ہے۔

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

اپریل 2006ء

Marfat.com

باب نمبر 8

انسان کی ماورائی شخصیت، رُوح، نفس اور زندگی

تعارف

انسان کی ماورائی حیثیت کے متعلق جدید سائنسی تحقیقات اس طرف واضح اشارہ کرتی ہیں کہ انسانی روح کوئی مفروضہ نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ ہمارے اپنے ماحول میں بھی ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جن پر اگر ہم غور کریں تو روحوں کا وجود ہمارے لئے کوئی معمہ نہ رہے' لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہم ان کا مشاہدہ کئے بغیر پاس سے گزر جاتے ہیں۔ اگر مشاہدہ کرتے ہیں تو غور نہیں کرتے' یا کہ ہم اپنے مشاہدے کو ذاتی حد تک محدود کر لیتے ہیں۔ لیکن ساری دنیا میں لوگوں کا حال کچھ ایسا ہی ہے۔ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی جنہوں نے امریکہ میں عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والوں پر تحقیق کی ان کا بھی یہی کہنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پچھلی صدی میں مادیات کا حملہ اس قدر شدید رہا ہے کہ روحوں جیسی فوق الطبیعات مخلوق کی بات کرنے یا سننے کیلئے بڑا حوصلہ چاہیے۔ اکثر ذہن اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں کہ وہ ایسے حقائق کا سامنا کرنے کی تاب نہیں رکھتے' چنانچہ آسان راستہ یہی رہ جاتا ہے کہ اس سلسلہ پر خاموشی اختیار کی جائے یا صرف کہہ دیا جائے ہمیں کچھ معلوم نہیں یا انکار کر دیا جائے۔

لیکن اس سوچ کو آپ روشن خیالی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ انتہائی غیر سائنٹیفک، مقلدانہ سوچ ہے۔ جس کی رُو میں بہہ کر انسان اپنے آپ سے بہت دور ہوتا جاتا ہے۔ کبھی وہ مذہب کے زیر اثر اپنی پہچان کو روحانی حوالہ سے جانتا تھا، لیکن اب مادیات کے دباؤ نے انسان کی سوچ کو بھی مادی بنا دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان روحانی اطمینان کھو چکا ہے اور وہ مادی سائنس سے اس قدر متاثر ہے کہ ٹھوس دلیل کے بغیر کوئی بات ماننے کے لئے بھی تیار نہیں۔ لہٰذا آج ضرورت اس امر کی ہے اب انسان کے ماورائی پہلوؤں کو سائنسی انداز میں سمجھا اور پرکھا جائے۔ یہ کام مادی سائنس سے بھی بڑا کام ہے لیکن افسوس کہ آج کا انسان اس لحاظ سے تاریک دور میں ہے۔ اگر کوئی اس موضوع پر سنجیدہ ریسرچ کرنا بھی چاہے تو گونا گوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سائنس کی دنیا بھی مقلدین سے بھری پڑی ہے۔ اگر کسی بڑے سائنسدان نے کہہ دیا کہ مذہب میرا مسئلہ نہیں' روحیں میرا موضوع نہیں یا میں خدا کی ہستی کا قائل نہیں ہوں تو بہت سے دوسروں نے اس کی تقلید ہی کو اپنی تقدیر بنا لیا حالانکہ سائنس کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ سیاسی و معاشرتی وجوہ کے قطع نظر کسی بڑے سائنسدان نے یہ نہیں کہا کہ اس کی تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ کا وجود نہیں یا ارواح کوئی چیز نہیں۔ اگر کہا بھی ہو تو پھر کیا، حقیقت کسی کے کہنے سے بدل نہیں سکتی۔ درحقیقت سائنس میں تو اس قدر گہری جزئیات ہیں کہ اپنے دائرہ کار سے باہر بڑے سے بڑا سائنسدان اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی بڑا سائنسدان یہ کہہ دے کہ خدا نظر نہیں آتا تو وہ ہرگز قابلِ تقلید نہیں چونکہ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے لیکن یہ کہنا بھی غلط ہے کہ سائنسدانوں کی اکثریت خدا کو نہیں مانتی۔ سچ تو یہ ہے کہ کچھ بڑے سائنسدان

Marfat.com

ایسے بھی ہیں جن کا ایمان خدا کی ہستی پر مذہب کے مبلغین سے بھی زیادہ رہا ہے۔

8.1 روحوں پر سائنسی تحقیقات

دراصل ارواح کی سائنس آج کے دور میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو گلیلو کے زمانہ میں کائنات کو تھی۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ آج دنیا میں کئی ایک ادارے اور سنجیدہ سائنسدان ہیں جو اس موضوع پر نہایت شد و مد سے تحقیق میں مشغول ہیں۔ امریکہ اور یورپ میں پچھلے پچاس سالوں میں جو کام ہوا وہ یقیناً قابلِ قدر ہے۔ اسکے علاوہ روس میں بھی ٹیلی پیتھی اور روحانی سراغ رسانی کے حوالے سے انسان کی ماورائی حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اور وہاں اس موضوع کو ایک سائنسی حیثیت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔ اگر کوئی پیچھے رہنے والے ہیں تو وہ ہمارے مسلمان ممالک ہیں۔ اس لئے پاکستان میں بھی ضروری ہے کہ روحوں پر تحقیق کا کام شروع کیا جائے، بلکہ ہمارے اوپر اسلام کی طرف سے بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا کو اپنے دین کی تعلیمات کی روشنی میں ارواح، فرشتوں اور جنات جیسی فوق الطبیعات مخلوقات سے روشناس کرائیں تا کہ آدمی اپنے آپ کو بہتر سمجھ سکے ورنہ بعید نہیں کہ مغرب کی مادیات، روحوں کے متعلق علوم کو بھی اپنے مادی رنگ میں رنگ دے۔

روحوں کے بارے سائنسی تحقیقات سے یہ بات جو ثابت ہوتی نظر آتی ہے کہ روح انسان کا وہ حصہ ہے جسکا جسمانی موت کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اگر چہ ابھی تک ہونے والے سائنسی تجربات اور مشاہدات موت کے بعد بہت مختصر وقفہ کو احاطہ کرتے ہیں، زیادہ سے زیادہ دس سے پندرہ منٹ، لیکن ان سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچی ہے کہ روح کا وجود باقی رہتا ہے اور دنیاوی زندگی کے ساتھ ہی ایک اور زندگی کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ سائنسی تجربات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ عارضی طور پر مرنے والے لوگوں نے دوسری دنیا میں جو کچھ دیکھا یا سنا وہ ان کی دبی ہوئی خواہشات اور رجحانات کے زیرِ اثر نہیں تھا بلکہ واقعی جسم سے باہر کے مشاہدات تھے یعنی یہ سب تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ موت انسانی روح کی بقا میں ایک نئے موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہی بات ہے جو قرآنِ کریم ہمیں بار بار سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔

فرمایا:۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما دیں دیکھو وہ موت جس کا تم سامنا کرنے سے ڈرتے، ہو یقینی طور پر تم اس سے مل کر رہو گے' اور اس کے بعد تم اسکے سامنے حاضر کر دئیے جاؤ گے جو حاضر اور غائب تمام تر علم رکھتا ہے اور وہ تمہیں بتائے، گا کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے ہو۔"

سورۃ الجمعہ 26 آیت 8

قرآنی تعلیمات ہی کی روشنی میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جیسے فرشتوں کی تخلیق کی بنیاد توانائی ہے اسی طرح روح بھی ایک نور کی ہستی ہے،

لیکن یہ نوری توانائی کس قسم کی ہے اس کا علم ابھی تک انسانی علم کے دائرے سے باہر ہے۔آج کل الغیب (Hidden Matter and Energy) پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں۔ہوسکتا ہے کہ ان سے یہ عقدہ ہی حل ہو جائے۔جیسے قرآن کریم میں جوڑوں میں پیدائش کا تخلیقی فارمولا دیا گیا ہے سائنس بھی اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ ہر چیز کا جوڑا ہے۔کائنات میں غیوب موجودات ہیں جو ہمارے مشاہدے میں آنے والی کائنات کے متوازی مخلوقات ہیں۔روح، فرشتے، حیات، جنت، دوزخ ایسے تمام ماورائی حقائق اسی کا حصہ ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اور ان کی پیدائش کے بعد جو مکالمہ فرشتوں، شیطان اور اللہ تبارک تعالےٰ کے درمیان کلام پاک میں دیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنوں کی تخلیق کا منبع نار ہے جو طبیعات میں آگ کی مظہر ہے اور فرشتوں کی تخلیق نور سے وجود میں آئی جس کا ایک مظہر روشنی ہے۔اگر چہ پیدائش کے لحاظ سے ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے لیکن اپنی ماہیت میں ایک ہی ہیں۔دونوں برقی مقناطیسی شعائیں (Electromagnetic Radiations) ہیں جن میں فرق صرف فریکوئینسی (Frequency) کا ہے اسی طرح عین ممکن ہے کہ انسان کا نفس بھی کسی طرح کی برقی مقناطیسی شعاؤں ہی کی توانائی کا جسم ہو لیکن زیادہ اغلب یہ ہے کہ یہ مخلوقات ہماری دنیا والی برقی مقناطیسی شعاؤں کی بجائے ہمارے الٹ دنیا میں پائے جانے والی شعاؤں سے بنی ہیں۔بہر حال حتمی طور پر ابھی تک انسان اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔اگر چہ امریکہ اور مغربی ممالک میں نفس کی جو تصاویر لی گئی ہیں ان میں یہ ایک نوری ہیولا کی مانند ہی نظر آتا ہے۔

جہاں تک آدمی کی زندگی کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب توانائی سے چلنے والی مشینوں کی طرح ہیں جن کے اندر اپنے ہی پاور ہاؤس ہیں مثلاً ہماری زندگی کی ہر حرکت، ہر سانس، ہر سوچ، ہر نظر، درحقیقت توانائی ہی کی مختلف اشکال ہیں، لیکن چونکہ ان عوامل کا اظہار جسمانی اعضاء کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے ہم انہیں ہی سب کچھ مان لیتے ہیں۔

انسان کی شخصیت میں توانائی کے عمل کی اہمیت کو سمجھنے کے لئے کسی کتاب کو پڑھنے کی مثال مفید رہے گی۔آپ جو مضمون پڑھ رہے ہیں اس کی سائنسی توضیح یوں ہے کہ کاغذ کے صفحہ پر پڑنے والی روشنی کی توانائی کاغذ اور حروف سے ٹکرا کر آپ کی آنکھ پر مرتکز ہو رہی ہے۔یہاں توانائی کی یہ کرن بجلی کی لہروں میں بدل جاتی ہے، پھر بجلی کی شکل میں یہ توانائی دماغ کے ان حصوں میں پہنچ جاتی ہے جو دیکھنے کیلئے مخصوص ہیں، وہاں دماغ کے خلیات پر اثر انداز ہو کر کیمیائی توانائی کی ایک اور شکل کو جنم دیتی ہے جو حروف کو دماغ کے حافظہ کے خلیات پر نشانات کی شکل میں محفوظ کر دیتی ہے اور وہاں عقل اس کو معانی کا جامع پہناتی ہے۔اس سارے عمل میں آپ نے دیکھا ہے کہ مادی آنکھیں اور دماغی خلیات وغیرہ محض ذرائع ہیں جو توانائی کی ایک حالت کو دوسری حالت میں تبدیل کرنے کے کام آتے ہیں، ورنہ دیکھنے، پڑھنے، سمجھنے اور یاد رکھنے کا عمل اپنی فطرت میں توانائی ہے۔اس کے بعد ان سے معانی اخذ کرنا اور ان سے اثر لینا اور پھر ان پر عمل کرنا کسی اور غیر مرئی وجود کا محتاج ہے۔جسکو ہم شعور، عقل وغیرہ کے نام دیتے ہیں جو اپنی حقیقت میں نہ توانائی ہیں نہ مادہ بلکہ ہمارے نفس ہی کے خواص ہیں۔

اس لطیف مثال کے قطع نظر آپ انسانی نشو ونما ہی کو لیں۔ظاہر میں یہ 100 فیصد مادی معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت اس سے بہت مختلف ہے۔مثلاً ہمارا گوشت پوست، چربی، ہڈیاں یعنی ہمارے جسم کے مادی اجزا بھی اپنی اصل میں سورج کی توانائی سے ہی بنے ہیں۔اس عمل میں پودے سورج سے توانائی لیکر خوراک بناتے ہیں جو ہم کھاتے ہیں اسی طرح بالواسطہ ہمارا جسم سورج ہی کی توانائی ہی ایک مادی شکل ہے اور چونکہ سورج کا

وجود بگ بینگ کے امر کن کی وجہ سے ہے اس لئے حقیقت کے باطنی پیمانوں پر ہم سب بگ بینگمیں بھی موجود تھے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ہر انسان کا آغاز ایک ایسے جرثومہ سے ہوتا ہے جس کا سائز ایک سینٹی میٹر کے کھربویں حصہ کے قریب ہے یہ وہ چیز ہے جسے دیکھنے کیلئے بہت ہی زیادہ طاقتور دوربین چاہیے لیکن جدید سائنس کا کہنا ہے کہ ہماری تمام شخصیت اس کے اندر موجود ہوتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے کسی درخت کی شخصیت اس کے بیج کے اندر پنہاں ہوتی ہے۔ جب سورج کی توانائی سے پیدا شدہ خوراک کھا کر ہم ایک نہ نظر آنے والے جرثومہ سے بڑھ کر وہ آدمی بن جاتے ہیں جو کائنات پر غور وفکر اور اسے قابو کرنے کی کوشش کرتا ہے اور بسا اوقات اتنا ناشکرا ہے کہ اپنے ہی رب کے وجود پر شک کرتا ہے۔

ان مثالوں کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ہمارے مادی جسم اور زندگی کی حقیقت کسی لطیف توانائی کا ہی نتیجہ ہیں اور روح وہ امرِ ربی ہے جس کے حکم اور پروگرام کے ماتحت ہمارا وجود شروع ہوتا ہے اور نفس وہ ہے جو ہم زندگی کی بھٹی سے گزر کر نکلتے ہیں۔

قرآنی تعلیمات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ روحیں اس وقت بھی موجود تھیں جب انسانی جسم کی تخلیق بھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر تمام انسانیت کی روحیں حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں داخل کر دی گئیں۔ یہ جنت کے زمانہ کی بات ہے۔ روحوں کا عمل تولید کے ذریعہ انسانی اجسام میں داخل ہونے کا عمل حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں ظہور کے ساتھ ہوا۔ اس نظریہ کے مطابق باپ کے جرثومہ میں موجود روح خوابیدہ حالت میں ہوتی ہے۔ وہ انسان کی تقدیر کی بھی حامل ہوتی ہے۔ جدید سائنسی دریافتوں کے مطابق یہ تقدیر جینز (Genes) کی زبان میں لکھی گئی تحریر ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں بچے کے آغاز کو جب چالیس دن ہو جاتے ہیں تو اس میں روح داخل ہوتی ہے۔ ہم اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ چالیس دن پر امر ربی ہو جاتا ہے جس کے بعد اس کے سیلوں (Cells) میں روح بیدار ہو جاتی ہے اور اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ پیدائش کے بعد حالات اعتقادات اور اعمال کے اثرات کے نتیجہ میں یہی فطری روح، نفس کی شکل اختیار کر لیتی ہے جیسے بیج سے پودا اگتا ہے۔ ہمارا مستقبل ہمارے نفس کی اس حالت پر منحصر ہے جس حالت میں اس دنیا کو ہم چھوڑتے ہیں۔

یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں ہم سب کی روحیں تھیں آیت مبارکہ (38)2 ''تم سب اتر جاؤ'' سے ظاہر ہے اس حکم میں تمام نوع انسانی شامل ہے۔ فرمایا:۔

''ہم نے حکم دیا کہ تم سب یہاں سے اتر جائو پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی اتباع کرے گا۔ پس نہ ہوگا ان کیلئے کوئی خوف اور نہ کوئی غم۔'' سورۃ البقرہ 2 ، آیت 38

زمین پر بھیجنے سے پہلے اللہ تعالےٰ نے ان سے اپنے متعلق بھی وعدہ لیا، اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:۔

''(اے نوع انسانی) اللہ تبارک تعالےٰ کی اپنے اوپر مہربانیاں یاد کرو اور اس وعدہ

Marfat.com

پر غور کرو جس پر تم نے پابند رہنے کا عہد کیا۔ اس وقت تم سب نے یہ کہا تھا کہ ہم نے اس وعدہ کو اچھی طرح سن لیا ہے اور سمجھ لیا ہے اور اطاعت کی۔ اور اللہ سے ڈرو (اب تم اس وعدہ کے مطابق اپنے رب کے فرائض کو پورا کرو) بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے اندرونی راز بھی خوب اچھی طرح جانتا ہے"۔ سورۃ المائدہ 5 ، آیت 7

اگر ہم انسانی ضمیر کا مجموعی طور پر تجزیہ کریں تو ان آیات میں چھپی ہوئی یہ گہرائی نظر آنے لگتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ وعدہ انسانی جین میں لکھ دیا اور ہم سب اس کی یاد (Memory) کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انسان خواہ کہیں کا ہو کسی بھی زمانہ کا ہو اس میں رب تعالےٰ کی ذات کا احساس ضرور ہوتا ہے یہ اور بات ہے کہ ماحول کے زیرِ اثر وہ اس کا پورا ادراک کرنے سے قاصر ہوتا ہے۔

اپنی زمینی حیات میں روح جب نفس بن کر ابھرتی ہے اس کے بارے ارشاد ہے کہ:۔

"قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے سنوارا، اس کو صحیح اور غلط کی تمیز عطا کی' بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اس کو نیک کاموں سے سنوارا۔ اور یقینا ناکام ہو گیا جس نے اسے خراب کیا"

سورۃ الشمس 91، آیت 7-10

انسان خواہ ان پڑھ ہو، عالم ہو، جاہل ہو، مشرق کا ہو، نیا ہو یا پرانا، وہ اس جدید دور کا ہو یا آج سے ہزاروں سال پہلے کا ان سب کا بغور تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ان سب میں صحیح اور غلط کی تمیز اس کی فطرت کا حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخلاقی قدریں تقریباً سب معاشروں میں مشترک ہیں' فریب اور جھوٹ کو ہمیشہ برا کہا گیا ہے، ظلم کو ہمیشہ ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا اور کسی نہ کسی شکل میں سبھی اللہ تعالیٰ پر یقین کرتے آرہے ہیں۔ اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف قرآن کریم کی آیات (10-7)9 اور (7)5 میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی غلط اور صحیح کی تمیز اور باری تعالےٰ کا تصور انسانی روح میں شروع ہی سے رکھا ہوا ہے لیکن تعلیم و تربیت، ماحول اور شعور کے اختیار کے استعمال سے نفوس کچھ سے کچھ بن جاتے ہیں۔

8.2 آزمائش اور اس کی ضرورت

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ آزمائش کیا ہے۔ ہر تخلیقی کارکن خواہ وہ انجینئر ہو، سائنسدان ہو، ڈاکٹر ہو یا آرٹسٹ ہو جب کسی نئی تخلیق کا خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے تو سب سے پہلے اس کا مقصد متعین کرتا ہے پھر ڈیزائن شروع کرتا ہے جس میں اس کی قابلیت، اہلیت اور کارکردگی

ڈال دی جاتی ہے۔ جب ڈیزائن اچھی طرح مکمل ہو جاتا ہے تو پھر کاریگر اس مشین کا ماڈل بناتا ہے ۔ پھر ڈیزائن کی طلب (Requirement) کے مطابق اسے امتحان کے مختلف مرحلات سے گزارا جاتا ہے۔ جب ماڈل تمام آزمائشوں سے گزر چکا ہوتا ہے تو مطلوبہ تعداد میں تیاری کا فیکٹری کو آرڈر مل جاتا ہے۔ وہاں بھی ہر ایک پروڈکٹ کو ٹیسٹنگ کے پرگرام میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی پروڈکٹ قابل اصلاح نہیں ہوتا تو اس کو دوبارہ پگھلانے کا حکم دے دیا جاتا ہے۔

یہی مثال ہم پر صادق آتی ہے۔ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کی مثال ایک ماڈل کی تخلیق کی سی ہے اور دنیا میں تولیدی سلسلہ کی مثال فیکٹری میں مصنوعات کی عام پیداوار (Mass Production) کی سی ہے۔ آدم علیہ اسلام کو جنت میں ٹیسٹ سے گزارا گیا۔ ہمارے لئے آزمائش کی تجربہ گاہ اس دنیا کو قرار دیا گیا۔ آزمائش کیلئے مطلوبہ لوازمات کا کام انسانی تقدیر سے لیا جاتا ہے' نتیجہ اس پر ہمارے ردِّعمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ تقدیر اور اعمال سے دیکھنا یہ ہے کہ کیا روح مطلوبہ آزمائشوں پر پوری اترتی ہے یا نہیں؟ جو نفوس آزمائشوں پر پورا اترتے ہیں انہیں معیار کے مطابق اعلیٰ و عرفی مقامات کی طرف بھیج دیا جاتا ہے۔ لیکن کوئی خامی یا نقص رہ جائے ٹھکائی (Rework) کے مقام پر بھیج دیا جاتا ہے جسے جہنم کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمیں امید رکھنا چاہیے کہ گنہگار نفوس بھی مطلوبہ معیار پر پہنچنے کے بعد اپنے اصلی گھر یعنی جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔ لیکن کچھ نفوس ایسے بھی ہیں جو ٹھکائی (Rework) کے قابل نہیں رہتے' ان کو مکمل طور پر ڈھلائی کیلئے جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔
آزمائش کی اس پوری روئداد کو قرآن کریم چند الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے کہ:۔

"بیشک ہم نے انسان کو (دنیا میں)ایک نطفہ سے پیدا کیا تاکہ ہم اسے آزمائیں (اس لئے) اسے سننے اور سمجھنے والا بنادیا" سورۃ الدھر 76، آیت 2

نفوس کے دنیا پر آزمائشی دور میں سے گزارنے کا فیصلہ اس وقت ہوا جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کی ارواح کو حقِ خود اختیاری اور شعور عطا کر دیا گیا لیکن انھوں نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ وہ اپنی اس صلاحیت کو ٹھیک طرح استعمال نہیں کر رہے ہیں۔
جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے قرآن پاک میں اللہ نے اس کی کہانی اس طرح بتائی ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور حوا علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور انہیں شعور کے ساتھ ساتھ حقِ خود اختیاری بھی دے دیا گیا تو ان سے کہا گیا کہ یہ جنت ہے اس میں جہاں چاہو تم رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو' لیکن انہیں متنبہ کیا گیا کہ یہ شجر ہے جس کے قریب بھی تم نے نہیں جانا، یعنی آزمائش کا مطلوبہ معیار پوری طرح واضح کر دیا گیا۔ یوں آدمیت درحقیقت روح کا شعوری طور پر حقِ خود اختیاری کا نام تھا۔ وہیں ان کا ایک حاسد دشمن بھی ان کے ساتھ تھا جو چاہتا کہ کسی طرح آدمی اپنے خالق کی نگاہوں میں ذلیل وخوار ہو جائے۔ اس نے دوست بن کر آدمؑ کو ورغلایا جس کے نتیجہ میں وہ ڈسپلن کی اس آزمائش پر پورا نہ اتر سکے جو ان کے جنت میں ہمیشہ رہنے کی لازمی شرط تھی۔ اس پر انہیں زمین کی طرف بھیج دیا اور فیصلہ فرمایا کہ جنت کو پانے کے لئے بنی آدم میں سے ایک ایک کو آزمائش کے امتحانوں میں سے گزارا جائے گا اور صرف اسے ہی اپنے حقیقی مقام یعنی جنت پر فائز کیا جائے گا جو مطلوبہ معیار پر پورے اتریں گے۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہوا:۔

Marfat.com

''اتر جائو تم سب کے سب، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب زمین پر کچھ عرصہ تمہارا قیام ہوگا اور وہیں پر تمہارے استعمال کی چیزوں کا انتظام ہوگا اور فرمایا! اسی میں تم رہوگے اور اسی میں مرو گے اور پھر اسی میں سے تم نکالے جائو گے''۔ سورۃ الاعراف 7(آیت 25-24)

8.3 روح اور زندگی کا امتیاز

اس بات کو واضح کرنے کے بعد روح اور نفس کیا ہے اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ زندگی کیا ہے؟ کیا یہ روح کی وجہ سے ہے یا روح اس کی وجہ سے ہے؟ اور کیا حیوانات میں بھی روح ہے؟

جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ قرآنی تعلیمات سے ثابت ہوتا ہے کہ روح قوانین ربی کی امین ہے اور ایٹم ایٹم میں موجود ہے جو ان کی قوانین فطرت کی طرف رہنمائی کرتی ہے' اپنے مدارج میں ہر روح کا مرتبہ جدا جدا ہے۔ یوں جمادات' نباتات اور حیوانات سب کی اپنی اپنی روح ہے لیکن وہ روح جو علم' شعور اور اختیار رکھتی ہے وہ صرف انسان کی خصوصیت ہے روح کے علاوہ ایک چیز ہے جسے ہم 'جان' (Life) کہتے ہیں۔ یہ انسانوں اور حیوانوں سب میں مشترکہ قدر ہے۔ جان کا مقصد روح کو ایک متحرک جسمانی شخصیت دینا ہے جس کے ذریعہ وہ دنیا کے اسباب سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہوتی ہے اور حقِ خود اختیاری کی بناء پر اپنے لئے زندگی کا ایک راستہ متعین کرتی ہے۔ کوئی سرکشی کر کے اپنے رب سے دور نکل جاتا ہے اور کوئی تابعداری کر کے قریب تر ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ

''(اے نوع انسانی!) تمہیں آخر کس چیز نے اپنے پروردگار سے سرکش کر دیا ہے؟ جس نے تم کو پیدا کیا' پھر اس کو سنوارا، اور پھر ایک نسبت سے بڑا کیا، وہ جس شکل میں چاہتا ہے تمہیں بنا دیتا ہے''۔ (8-6)28

اوپر کی آیت میں انسان کی Biochemical نشوونما اور جرثومہ سے لیکر بچہ کی پیدائش تک کے تین مرحلوں کا ذکر کیا گیا ہے سب سے پہلے پیدا کیا یعنی زندگی دی، پھر اس زندہ جرثومہ کو بڑا کرنا شروع کر دیا اور اعضا بنائے، یہ نہیں کہ ناک تو بڑی ہو جائے لیکن آنکھ چھوٹی رہ جائے ،دایاں ہاتھ تو بڑھ ہو جائے اور بایاں چھوٹا رہ جائے بلکہ ہر عضو کو ایک متناسب حسن سے بڑا کیا۔

مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان کا بچہ رحمِ مادر میں انسانی شکل پا لیتا ہے تو پھر اسمیں اللہ تعالیٰ اپنا امر پھونک دیتا ہے جس کہ نتیجہ میں وہ انسان کی خصوصیت پر سرفراز ہو جاتا ہے۔ فرمایا:۔

Marfat.com

"وہ جس نے ہر چیز کو احسن طریقہ سے پیدا کیا اور آغاز کیا انسان کی پیدائش کا مٹی سے۔ پھر اس نے ان کی نسل بنائی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے، اور پھر اسے سنوارا، اور پھر اس میں اپنی روح سے کچھ ڈال دیا۔ اور تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے مگر تم بہت تھوڑا شکر ادا کرتے ہو"
سورۃ السجدہ 32، آیت 9-5

8.4 روح اور جان کی نشو ونما

اوپر دی گئی وضاحت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی جرثومہ میں روح اور جان ابتدا ہی سے ہوتی ہیں اور پھر وہ بڑھنا پھولنا شروع کر دیتا ہے اور جلد ہی ایک ایسی شکل میں آجاتا ہے جس سے انسانی جسم کا آغاز ہو جاتا ہے چند ہفتوں کے بعد خوابیدہ انسانی روح کام کرنا شروع کر دیتی ہے اور قلب (Mind) جو اختیار کی علامت ہے وہ بھی اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ اس کے بعد انسانی جسم کی نشو ونما جاری رہتی ہے حتیٰ کہ وہ ایک مکمل انسان کی شکل میں دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے۔

روح اور جان کے امتزاج کے متعلق آج سے ایک ہزار سال پہلے امام غزالیؒ نے اپنے کتاب کیمیائے سعادت میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ زندگی کے جس جز کو ہم نے حیات (Biochemical Life) کہا ہے امام غزالیؒ نے اس کا نام روحِ حیوانی دیا جس کے وجود کو انہوں نے عناصر کی ایک خاص ترتیب کا مرہونِ منت قرار دیا ہے۔ جس جز کو ہم نے نفس کہا ہے وہ اس کو روحِ انسانی کہتے ہیں۔ مرزا غالب نے ان کے سات سو برس انہی خیالات کی اس طرح ترجمانی کی۔

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب　　　موت کیا ہے، انہی اجزا کا پریشان ہو جانا

آیاتِ کریمہ (9-5)32 کے حوالہ سے امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ یہاں دونوں روحوں کے الگ الگ ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک روح کا مٹی کے تعلق سے ہے اور اس کے معتدل کرنے کے عمل کی طرف سویٰہُ کا اشارہ کیا یعنی میں نے اس کو سنوارا، اور یہی اس کا اعتدال تھا اس کے بعد اشارہ ہوا نفخ فیہ من روحی اس طرح انسانی روح کو اپنے آپ سے نسبت دے کر انسان میں اپنی صفاتِ اعلیٰ کی صلاحیت عطاء کر دی۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ چونکہ روح حیوانی کا سفلی اشیاء سے تعلق ہے اس لئے علم طب میں اس کی وضاحت موجود ہے اور اس کے مزاج کو اعتدال پر رکھنے کیلئے علاج مقرر ہیں تا کہ بیماریوں سے نجات مل سکے۔ اس کے برعکس روحِ انسانی علوی ہے جو قلب کی حقیقت سے تعلق رکھتی ہے اس کے لئے بھی اعتدال کے درجات بنا دیے گئے ہیں اور روحِ انسانی کو معتدل رکھنے کیلئے شریعت اسلام نے علم، اخلاق اور ریاضت کو بنایا ہے (صفحہ 113 ترجمہ کیمیائے سعادت۔ مترجم نائب نقوی)۔

Marfat.com

ہوسکتا ہے کہ روح اور جان کے اس نظریہ سے بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ روح اگر علم اچھے برے کی تمیز اور حقِ خود اختیاری کا منبع ہے تو پھر سب لوگوں میں یہ استعداد مختلف کیوں ہے؟۔ اس سوال کے جواب میں پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ روح کی مثال بیج کی سی ہے۔ جدید سائنس کے استعاروں میں یہ جینز پر ثبت شدہ ہدایات (Instructions) کی مانند ہے جو باپ کے جرثومہ کے ذریعہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اس میں سیکھنے، سمجھنے اور جاننے کی بنیادی قوتیں ودیعت کی گئی ہیں لیکن ان کی استعداد کو بڑھانا اور ان سے کام لینا انسان کا اپنا کام ہے۔ جس میں والدین، سکول اور معاشرتی ماحول وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ ارشادِ باری تعالےٰ ہے کہ

"قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کی تکمیل کی اور اس میں اچھے برے کی تمیز کی فطرت ڈالی وہ آدمی یقینا کامیاب ہوا۔ جس نے نفس کی اس فطرت کو تقویت دی اور یقینا وہ ناکام ہوا جس نے اسے برباد کیا"۔

سورۃ الشّمس 91، آیت 10-17

اس لئے اپنی فطری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا اور ان کو بڑھانا انسان کا فرض ہے۔ اگر دیکھا جائے تو دنیا میں آنے کا مقصد یہی ہے کہ ہمارا نفس کامیابی سے ان تمام آزمائشوں سے گزرتا جائے تا کہ پاس ہو کر اپنے حقیقی مقام کے لائق ہو سکے، لیکن جو لوگ اس آزمائشی دور میں اپنے نفس کی صحیح سمت میں نشوونما نہیں کرتے انہیں اس بات کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے کہ وہ مقرر شدہ سٹینڈرڈ کو عبور کر سکیں گے۔

ارشادِ باری تعالےٰ ہے کہ:۔

"کہو! کیا ہم بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص اعمال کن لوگوں کے ہیں؟۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دوڑ دنیا کی زندگی میں بھٹک رہی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں سے انکار کیا اور اپنے رب کی ملاقات سے منکر ہوئے۔ سو ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے پس ہم ان کیلئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے"۔

سورۃ الکہف آیت 104-105

Marfat.com

شکل: آٹھ کے ہندسہ (Figure of Eight) والا سفر۔ انسان کا مقاماتِ علّین سے اسفل السافلین کا سفر اور واپسی

انسان کا جنت سے جنت تک کا سفر۔ آغازِ سفر جنت سے شروع ہوا۔ وہاں سے آدم علیہ السلام کی بھول کی وجہ سے مزید امتحانوں سے گذارنے کے لئے عالم ارواح سے ہوتے ہوئے زمین پر اترتے ہیں۔ یہاں سے اگر امتحانی نتائج اچھے ہیں تو واپس عالم برزخ سے ہوتے ہوئے انشاء اللہ جنت میں پہنچ جائیں گے ورنہ زمین سے نیچے مقاماتِ اسفل السافلین کو سرک جائیں گے۔ مقامِ اسفل سے جنت کی طرف اٹھنے کے لئے بانیت Consciencoues محنت ضروری ہے۔

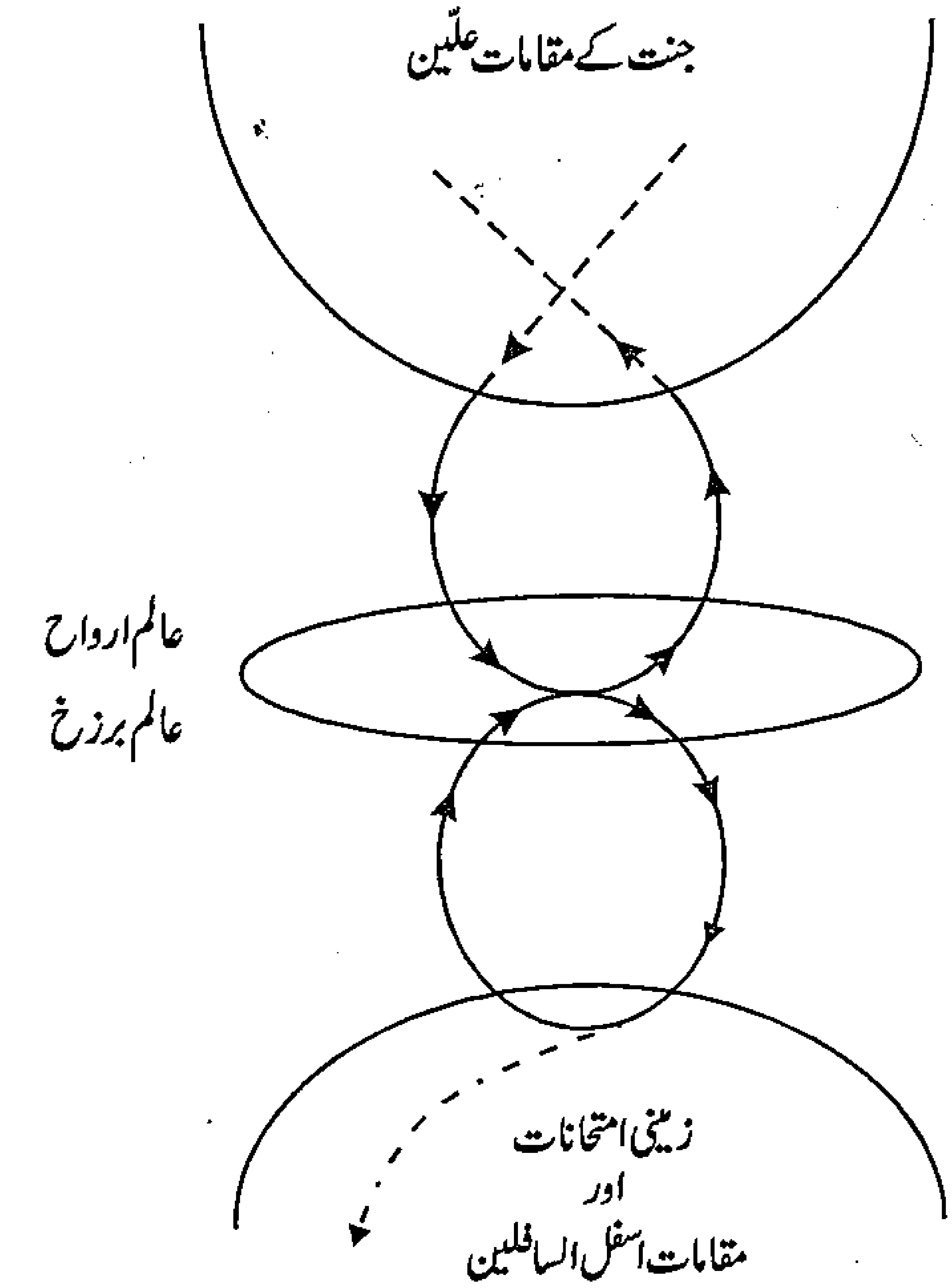

Marfat.com

باب نمبر 9

غیر مرئی طاقتیں، انسانی جینز اور مسئلہ تقدیر

Invisible Powers and Human Genes

9.0 تعارف

بیسویں صدی جہاں مادی سائنس کی دنیا تھی وہاں پر یہ صدی اس لحاظ سے بھی یاد رکھے جائے گی کہ اسمیں انسانی نفس کی پہچان کے متعلق سائنس کی بنیاد بھی رکھی گئی۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ روحانی سائنس پر تحقیقات کا کام بھی زیادہ تر مغربی ممالک میں ہی ہورہا ہے اور مشرق جو تمام ادیان کا بانی ہے وہ یہاں بھی پیچھے رہ گیا۔ مشرق کی اس خاموشی سے جو بہت بڑا نقصان ہوا اور ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ مغربی روحانیت بھی مغربی مادیت کی وسعت (Extension) ہی معلوم ہوتی ہے جسکے نتیجہ میں روحوں سے مادی فوائد حاصل کرنے اور بھوت پریت کو زیادہ تقویت ملی ہے۔ لہٰذا اب یہ مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ آگے بڑھ کر علم الغیب کے اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کو اجاگر کریں تا کہ انسان موت کے بعد آنے والی زندگی کے مرحلات مثلاً عالم برزخ کی کیفیات اور عالم حشر، جزا وسزا، جنت وجہنم کے حالات سے آگاہ ہو اور ان میں کامیابی سے داخل ہوسکے۔

مغربی مصنفین اور محققین میں ملبورن کرسٹوفر کی کتاب روح کی تلاش (Search for the Soul) اور ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کی کتاب ''زندگی بعد از زندگی'' (Life After LIfe) اور ان کے علاوہ روحوں اور پیرا سائیکالوجی کے موضوع پر درجنوں اور جگہ سائنسی کام کے نتائج سے روح' حیات بعد الموت اور متعلقہ غیر مرئی مضامین پر سائنسی حلقوں میں بہت زیادہ دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ ان دریافتوں کے متوازی میں بہت اہم دریافت انسانی جینز کی ہے جو انسان کی حقیقت کو سمجھنے میں ایک اہم قدم ثابت ہورہی ہے کہ انسان کی باطنی شخصیت کے بہت سے پہلو جینز کے تابع ہیں۔

روحانی رازوں میں سے ایک مسئلہ ٹیلی پیتھی کا بھی تھا جس کے وجود سے تو انکار ممکن نہیں تھا لیکن یہ کیسے اور کیوں ہے؟ اس پر کوئی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کیسے ممکن ہوجاتا ہے کہ سوچ کے ذریعہ ایک آدمی ہزاروں میل دور دوسرے آدمی تک پیغام پہنچا سکتا ہے۔ لیکن پچھلے بیس تیس سال کی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے کہ شاید اسکا تعلق بھی جینز ہی سے ہو۔

غیر مرئی محسوسات میں بھی غیبی طاقتیں ہیں جنہیں یورپ میں Invisible Ghosts کا نام دیا گیا ہے' ان کے بارے میں کئی سوال اٹھ رہے ہیں کہ کیا یہ وہ بھٹکتے ہوئے انسانی نفوس ہیں جو موت کے بعد اپنے اصل مقام کو نہیں پہنچ سکے یا کوئی اور ذہین مخلوق ہیں یا ان کا تعلق خلائی دنیاؤں سے ہے؟ یا یہ ہمارا وہم ہے؟ اس طرح کے سوالات جو پہلے مذہب کے اوہام سمجھے جاتے تھے لیکن اب سنجیدہ سائنسدانوں کی توجہ مانگ رہے ہیں کہ وہ سائنسی انداز میں ان کا حل ڈھونڈنے کی طرف پیش قدمی کریں۔ ابھی تک جو نتائج سامنے آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ غیبی

Marfat.com

محسوسات کی حقیقت تک پہنچنے کے لئے جینز (Gense) اوران کی ترمیم (Genetic Engineering) پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں بڑی مددگار ثابت ہوں گی۔ ان کے علاوہ کلوننگ (Cloning) کے ذریعہ لیبارٹری میں انسانی نسل کو پیدا کرنے کیلئے جو پیش رفت ہو رہی ہے وہ بھی سنجیدگی سے غور کرنے کے قابل ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم ایسی ہی جدید سائنسی دریافتوں کے تناظر میں ماورائی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

9.1 مشابہ جڑواں بچوں کا مسئلہ (Identical Twins Case) اور ٹیلی پیتھی

دماغی پیغام رسانی یعنی ٹیلی پیتھی میں چھپے راز کو سمجھنے میں اس وقت حیرت انگیز ترقی ہوئی جب 1976 میں ہو بہو جڑواں بچوں کے رویہ پر تحقیق کا باقاعدہ آغاز شروع ہوا۔ ہو بہو جڑواں بچوں کی خاص بات یہ ہے کہ ان کے جینز ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ ان کی ایک سی شکل ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔ اسی سے سوچا گیا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے رویہ میں حیران کن مماثلت کا باعث بھی ان کے جینز کی مماثلت ہی ہو۔ اس موضوع پر جو 1987 تک کام ہوا تھا اس کی سمری نومبر 1987ء کے نیوز ویک "News Week, Nov-1987" میں چھپ چکی ہے اور بعد میں "All About Twins" کے نام سے اس کی سمری مئی 1988ء کے ریڈرز ڈائجسٹ میں بھی چھپی تھی۔ اکتوبر 1987ء میں ایک محقق (Researcher) تھامس بچارڈ (Thomas Butchard) جو امریکہ کی یونیورسٹی آف منیسوٹا میں کام کرتے ہیں انہوں نے 1971 میں ہو بہو جڑواں بچوں کے اوپر تحقیق شروع کی۔ یہ وہ بچے تھے جنہیں حالات کی وجہ سے بچپن ہی میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑا اور پھر زندگی میں کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ ان تحقیقات کے نتیجہ میں حیران کن بات یہ نظر آئی اگرچہ ان کی تعلیم و تربیت علیحدہ علیحدہ ماحول میں ہوئی تھی نہ وہ کبھی ملے تھے نہ ان کا ماحول ایک سا تھا پھر بھی ان کی زندگیوں میں کافی حد تک مماثلت پائی گئی۔ سائنسدانوں کیلئے یہ انتہائی ششدر کرنے والی بات تھی کہ عموماً ایسے بچے زیادہ تر ایک ہی جیسی چیزوں کو پسند کرتے ہیں' ایک ہی طرح کے شعبوں میں کام کرتے ہیں' ایک ہی جیسی بیماریوں کا شکار ہوتے ہیں' ان کے کپڑوں کے رنگ اور کھانوں کے ذائقے (Taste) تک بھی ایک سے ہیں۔ اگر ایک بیمار ہوتا ہے تو دوسرا ہزاروں میل دور بیمار ہو جاتا ہے' ایک کو سر درد ہوتا ہے تو دوسرے کو بھی ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں برجٹ ہیریسن (Briggett Harrison) اور ڈروتھی لوو (Drothy Lowe) نے تو دنیائے سائنس کو حیران کر کے رکھ دیا ہے' یہ دونوں جڑواں بہنیں تھیں لیکن پیدائش کے چند ہفتوں بعد علیحدہ ہو گئیں' 34 سال تک انہیں ایک دوسرے کا کچھ پتہ نہیں تھا' نام تک یاد نہیں تھے لیکن جب مشابہ جڑواں بچوں پر ریسرچ شروع ہوئی تو سائنسدانوں نے ان دونوں کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ پہلی دفعہ جب ان کا ملاپ انگلینڈ میں اچانک کرایا گیا تو یہ ایک حیران کن منظر تھا کہ دونوں نے اپنی چاروں انگلیوں میں سات سات انگوٹھیاں (Rings) پہنی ہوئی تھیں' برجٹ Briggett کے بچوں کے نام رچرڈ اینڈریو اور کیری ہوس ہیں اور ڈروتھی Drothy کے بچوں کے نام بھی یہی تھے۔

اس طرح کا ایک اور حیران کن واقعہ ایک صاحب ڈانلڈ کیتھ (Donold Keith) کا تھا۔ راک ویل بیری لیڈ U.S.A میں سیر کر رہے تھے کہ اچانک جیسے نہایت تیز بجلی کا جھٹکا لگا ہو، جسم میں شدید درد کی لہر دوڑ گئی اور پھر وقفہ وقفہ کے بعد یہ تکلیف آتی جاتی تھی' اس شام کو

انہوں نے اپنے جڑواں بھائی لیوس (Louis) کو فون کیا تو اس نے بتایا کہ ان کے ایک پٹھے (Groin Muscle) کو چوٹ لگ گئی ہے اور بار بار جھٹکے دار شدید درد اٹھتا ہے۔

ایک واقعہ کارا (Karah) اور سارا (Sarah) کا ہے یہ دونوں بہنیں تھیں اور U.S.A میں رہتی ہیں۔ دونوں ہر کام ایک سا کرتی تھیں۔ مثلاً ایک ٹیسٹ میں انہیں 200 سوال دیے گئے اور علیحدہ علیحدہ بٹھایا گیا لیکن ٹیچر کیلئے حیران کن بات تھی کہ دونوں نے بالکل ایک ہی سوال حل کیے۔

عام آدمی ہوتے تو وہ ان باتوں کو دلچسپی سے سنتے تو ضرور لیکن جیسے اکثر ہوتا ہے پھر بھول جاتے۔ سائنسدانوں کیلئے اہم سوال یہ ہے کہ وہ کونسی طاقت ہے، کون سا میڈیا ہے جو ان سے ایک سے کام کرواتا ہے؟ روح یا دماغ؟ اس کا جواب ابھی ڈھونڈنا ہے۔ ان میں کیا چیز ہے جو بلا سوچے سمجھے انہیں ایک سا رویہ رکھنے پر مجبور کرتی ہے؟ وہ کیوں ایک سی چیزیں پسند کرتے ہیں؟ کیوں ایک ہی دفعہ ایک سی بیماری سے دوچار ہوتے ہیں؟ ان کے درمیان کسطرح کا ٹیلیفون ہے کہ ہزاروں میل ایک دوسرے سے وہ متاثر ہوتے ہیں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کی ذہنی بات چیت ESP (Extra Sensory Perceptions) کیا ہمارے جین Gene کی وجہ سے ہے یا ہو بہو جڑواں بھائی بہنوں کے اذہان کے درمیان کوئی خفیہ پیغام رسانی (Hidden Communication) کا روحانی نظام ہے، جس کے ذریعے وہ ایک سی حرکتیں کرتے ہیں؟ یا ان پر جنات چڑھے ہوتے ہیں جو باہمی رابطہ رکھتے ہیں؟ وجہ کوئی بھی ہو لیکن یہ لازمی کوئی غیر مادی سبب ہے جسکو جینز کا پیغام رسانی کا سسٹم، روح، نفس، جنات کوئی نام بھی دے دو لیکن جو کچھ بھی ہے انتہائی غیر معمولی بات ہے۔ یعنی انسان صرف جسم نہیں بلکہ اس کی ماورائی اصل اسکے علاوہ ہے جس کا انسانی جینز (Genes) سے گہرا تعلق ہے۔

9.2 مسئلہ تقدیر اور اختیار

انسانی شخصیت کے اس ماورائی پہلو سے ہم ایک دوسرے اہم مسئلے کی طرف آتے ہیں جسے مسئلہ تقدیر کہا جاتا ہے سیکولر تہذیب جس کی ترقی یافتہ شکل مغربی دنیا ہے وہاں پر ایک عرصہ سے تقدیر کے مسئلہ کو رد کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ انسان کا غیر محدود اختیار (Absolute Free Will) کا نظریہ لایا گیا یعنی انسان جو چاہے کر سکتا ہے اور واقعات خواہ وہ فرد کی ذات یا قوم کے متعلق ہوں ان کے پیچھے خالصتاً مادی وجوہات کام کرتی ہیں جن پر قابو پا کر واقعات کو معرض وجود میں آنے سے روکا جا سکتا ہے۔ یہ بات عیسائیوں کے نظریہ جبر (Fixed Destiny) کے ردّ عمل کے طور پر آئی جس کے مطابق انسان محض مجبور ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ پہلے سے ہی طے شدہ ہے اور ہو کر رہے گا۔ مسلمانوں میں بھی اس نظریہ پر صدیوں سے بحث چل رہی ہے جس پر دو مشہور فرقے ایک ''جبریہ'' اور دوسرا ''قدریہ'' وجود میں آئے۔ ''جبریہ'' وہ تھے جو انسان کی مجبوری کے قائل تھے اور ''قدریہ'' وہ جو سمجھتے تھے کہ انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے' دونوں ہی اپنے لئے دلائل قرآن اور حدیث سے لاتے تھے حالانکہ ان سے بہت پہلے حضرت علی علیہ السلام نے اسی مسئلہ کی پیچیدگی کو بہت اچھی طرح واضح کر دیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انسان کتنا با اختیار ہے اور

Marfat.com

کتنا مجبور ہے تو انہوں نے سوال کرنے والے سے کو کہا کہ اٹھ کر ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جاؤ' پھر اسے کہا اپنے بازو اوپر کرلو جب وہ یہ کر چکا تو کہا اب دوسری ٹانگ بھی اٹھالو اس پر مخاطب بول اٹھا کہ ''میں یہ کیسے کرسکتا ہوں؟'' آپؑ نے کہا ''تیرے سوال کا یہی جواب ہے' تم ایک حد تک آزاد ہو اور ایک حد تک مجبور۔''

9.3 سائنس اور مسئلہ جبر اور قدر

اب اکیسویں صدی کے شروع میں مغربی دنیا یہی مسئلہ سائنس کے ذریعہ سمجھ رہی ہے جس کی بنیاد خالص تحقیق ہے۔اس میں بھی اہم ترین وہ تحقیقات ہیں جو مشابہ جڑواں بچوں (Identical Twins) پر ہیں۔جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے اس جدید تحقیق سے یہ ثابت ہوا ہے کہ اگر چہ وہ دور دور رہتے ہوں اور ایک دوسرے کو بچپن سے ملے ہوں یا نہ پھر بھی ہو بہو شاہد جڑواں بچوں کی عادات میں حیرت انگیز حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ان میں چند ایک مثالیں ہم پہلے ہی یہاں بیان کر چکے ہیں۔

ایسی ہی ہزاروں ملتی جلتی روئیداد اوہو Ohio کے جم پرنگر اور لیوس پرنگر کی بھی ہے۔وہ ۴۸ سال پہلے پیدا ہوئے، پیدائش کے چار ہفتے بعد وہ علیحدہ کر دئے گئے تھے۔48 سال بعد ان کے دوبارہ ملنے پر حیران کن انکشاف ہوا کہ دونوں نے ایک ہی نام کی عورتوں سے شادی کی' دونوں نے پہلی بیویوں کو ایک ہی وقت میں طلاق دی، پھر دوبارہ جن عورتوں سے شادی کی ان کے نام بھی ایک جیسے تھے' ان کے بچوں کے نام بھی بالکل ایک جیسے تھے، دونوں کا ایک پیشہ تھا، دونوں کا مشغلہ (Hobby) لکڑی کے بنچ بنانا تھا اور انہوں نے اپنے گھروں میں ایک ہی ڈیزائن کے بنچ (Bench) بنا کر جمع کئے ہوئے تھے، ایک ہی ماڈل اور رنگ کی گاڑیاں رکھتے تھے اسی طرح ان کے سارے کام مماثل تھے حتیٰ کہ ان کے کتوں کے نام بھی ایک ہی تھے۔اس طرح کی مثالوں سے سائنسدانوں کے لئے قابل تحقیق بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہوا حالانکہ وہ ایک دوسرے کو جانتے تک بھی نہیں تھے؟ ایسی تحقیقات کے دوران سائنسدانوں نے مزید درجنوں جڑواں بھائی' بہن دریافت کئے جن کے درمیان ذہنی طور پر پیغام رسانی ہوتی رہتی تھی، خاص طور پر ان کی زندگیوں میں بڑے بڑے واقعات ایک ہی وقت میں ایک ہی جیسے ہوتے تھے۔مثلاً ایک کے چوٹ لگی تو دوسرے کے بھی اسی وقت لگ گئی' ایک مرا تو دوسرا بھی مر گیا۔ اس موضوع پر تحقیق کرنے والے سائیکالوجسٹوں میں ایک سائنسدان نینسی سیگل (Nancy Segal) ہیں جنہوں نے ایک عرصہ اس مسئلہ پر ریسرچ کی ہے۔ان کا کہنا ہے کہ ''میں ہو بہو مماثل جڑواں بھائی' بہنوں میں ESP یا باہمی ذہنی پیغام رسانی کو رد نہیں کر سکتی ہوں یہ اتنے زیادہ واقعات ہیں کہ ان کو اتفاقیہ نہیں کہا جا سکتا''۔

اٹلی روم کے مینڈل انسٹی ٹیوٹ Mendal Institute کے سائنسدان گیڈا Gedda اور ساتھیوں نے بھی مماثل جڑواں بھائی' بہنوں کے درمیان حیرت انگیز حد تک ایک سی کیفیات اور حالات پائے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ''ان لوگوں کو ایک سی بیماریاں، ایک سی نشوونما (Growth) ہوتی ہے۔ایک ہی وقت میں دانت نکالتے ہیں اور ایک ہی وقت میں بالغ ہوتے ہیں' اگر ایک گنجا ہے تو اسی عمر میں دوسرا بھی گنجا ہو گا''۔

اس سوال کے متعلق کہ ہو بہو جڑواں بچوں کے ایک جیسے حالات کیوں ہیں' کونسی طاقت ہے جو انہیں ایک ہی طرح کے واقعات پر مجبور

کرتی ہے' اکثر سائنسدان کا اب یہ خیال ہے کہ یہ تقدیری مماثلت ان کے ایک ہی طرح کے جینز (Genes) کی وجہ سے ہے یعنی ہمارے جینز کے اندر بنے بنائے پروگرام شدہ ٹائم کلاک ہیں جن کے مطابق ہماری نشوونما (Growth) ہوتی ہے یا ایک ہی طرح جینز کے درمیان کوئی روحانی رشتہ قائم ہوتا ہے جس سے انہیں ایک دوسرے کی خبر رہتی ہے۔

9.4 حیرت انگیز نتائج

مماثل جڑواں بچوں پر تحقیق اور جینز کی ماہیت کے بارے مزید دریافتوں سے سائنسدان یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ انسانی جینز کے اندر آدمی کی صحت' سوچ اور تقدیر بند ہے۔ ہم جو کچھ بھی ہیں اپنے جینز کی خصوصیات کی وجہ سے ہیں۔ ہماری عادات' ذہن' صحت' جسم کی شکل' سوچ اور ہماری زندگی کے حالات کا ایک بڑی حد تک انحصار ہمارے جینز کی بناوٹ پر ہے۔ یعنی ہماری تقدیر کا فیصلہ ہمارے جینیٹک کوڈ (Genetic Code) میں ہو چکا ہوتا ہے۔ تعلیم اور ماحول سے اسمیں کسی حد تک ترمیم تو ممکن ہے لیکن اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

سائنسدانوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے جینز میں سے کوئی لہریں نکلتی ہوں جو ہزاروں میل دور اپنے جیسے جینز پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ آخر برجٹ اور ڈرتھی کو کس نے بتایا کہ وہ ملاقات کے دن ایک ہی رنگ کے کپڑے پہنیں گی اور اپنے ہاتھوں میں سات سات انگوٹھیاں پہن کر آئیں گی؟ ڈانلڈ کیتھ کے پٹھوں میں درد کی ٹھیس کیوں لگی تھی جب سینکڑوں میل دور اسکے بھائی کے پٹھوں کو چوٹ لگی؟ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ جینز میں بائیالوجیکل ریڈیو ٹرانسمیٹر (Biological Radio Receiver and Radio Transmitter) بنے ہوئے ہیں۔ جس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کے جینز اپنے متعلق پیغام نشر کرتے رہتے ہیں اگر دوسری طرف اسی نوعیت (Same Frequency) کا جین ہوگا تو وہ اس پیغام کو پکڑ لے گا۔

جینز کے متعلق ان نئی دریافتوں سے اختیار کے نظریہ (Free Will) کو شدید ٹھیس لگی ہے' سائنسدان حیران ہیں کہ کیا ہم اپنے جینز کے غلام ہیں؟ یہ وہی بات ہے جو صدیوں سے جبریہ فرقہ والے کہتے ہیں کہ ہم تقدیر کے غلام ہیں۔ ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سارے بڑے بڑے فیصلے اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکے ہوتے ہیں۔ باپ کا جرثومہ جب ماں کے بیضہ سے ملتا ہے۔ تو بہت کچھ اسی لمحہ طے ہو جاتا ہے۔ آپ کی ذہانت' جسم کے خدوخال، عادات، جسمانی اور ذہنی قوتیں اور پتہ نہیں اور کیا کیا باتیں ہیں جو سب اس خوردبینی جرثومہ پر پہلے ہی سے لکھی آرہی ہیں۔ اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اس لکھی ہوئی تقدیر کو ہم بدلنے پر کسقدر قادر ہیں؟۔

اس سوال کو معلوم کرنے کیلئے مینسوٹا یونیورسٹی والی سائنسدانوں کی ٹیم نے 350 بالکل مماثل جڑواں لوگوں کو 15,000 سوالات دیے۔ ان کے جوابات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہماری شخصیات کا جینیٹک Genetic نظام سے بہت گہرا تعلق ہے۔ مثلاً لیڈر شپ خصوصیات میں %61 جینز کا اور %39 بقیہ چیزوں مثلاً ماحول' تعلیم' ٹریننگ وغیرہ کا دخل ہے۔ اسی طرح مسائل کا مقابلہ' شرم کرنا' خوف' مہم جوئی میں بھی پچاس سے ساٹھ فیصد کا تعلق جینیٹک Genetic سے ہے۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ بعض چیزیں مثلاً صفائی' سلیقہ' جذبات سے

برانگختہ ہونا وغیرہ کی خصوصیات میں نشوونما اور ماحول کے اثرات کا حصہ صرف چالیس سے ساٹھ فیصد تک ہے باقی کا انحصار جینز کے اوپر ہے۔ یعنی مجموعی حیثیت میں آدمی کی شخصیت اور زندگی اس کے جینز کی وجہ سے ہے۔

مستقبل میں جب کلوننگ کے ذریعہ ایک ہی آدمی کے جینز سے فوج تیار کی جائے گی اور اس کو ایک سے ماحول میں رکھا جائے گا تو اس تھیوری کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی ایک ہی سوچ اور رویہ ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ وہ آپس میں جینز کے پیغام رسانی کے طریقہ سے ایک دوسرے کے خیالات تک سے بھی واقف ہوں گے اور ایک دوسرے کو بغیر کسی آلات کے پیغامات پہنچاسکیں۔ اس کے اثرات دنیا پر کیا ہوں گے؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ بہرحال اب تک کی ریسرچ سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ آپ اس کو جینز کہیں یا تقدیر، بہت حد تک انسان کی زندگی کے حالات، عادات اور کام کاج میں ہم تقدیر کے پابند ہیں۔ لیکن پھر بھی ماحول اور تعلیم کے اثر کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، یہ اور بات ہے کہ یہاں بھی انسان کا کوئی ذاتی کنٹرول نہیں۔ اس لئے انسان کی خودمختاری (Free Will) محض دکھاوا ہے اصل میں وہ اپنے جینز اور ماحول کا غلام ہے۔

ان تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اندر جسم اور جان کے علاوہ ایک اور بھی خاص چیز ہے جسے آپ جینز کا اثر (Genes Effect) کہیں یا روح (Spirit) یا نفس (Inner Self) یا غیر مرئی جسم (Astral Body) رکھ لیں، کچھ بھی کہہ لیں یہ انسان کی تخلیق کا وہ ماورائی حصہ ہے جو جسم سے باہر پیغام رسانی کر سکتی ہے اور رویہ کو کنٹرول کرتی ہے۔ جینیٹک (Genetic) کے حوالے سے ابھی تک جو تحقیق ہوئی ہے اس سے یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ ہمارے نفس کا تعلق بھی آدمی کے جینز (Genes) سے ہے۔ چونکہ زندگی اس تقدیر کے مطابق چلتی ہے جو جینز پر لکھی جاچکی ہے اسلئے یہ بات دور از قیاس نہیں ہوگی کہ انسانی روح جسے قرآن کریم امر ربی کہتا ہے، جینز پر لکھا ہوا خالق کا یہی پروگرام ہو۔

9.5 جین کیسے کام کرتے ہیں؟

اب ہم بیالوجی کے حوالہ سے مختصر طور پر اس بات کا جائزہ لیں گے کہ جینز کیسے کام کرتے ہیں؟ انسان کی نارمل تخلیق ماں اور باپ دونوں کے ملاپ سے ہوتی ہے۔ باپ سپرم (Sperm) دیتا ہے اور ماں اس کو بیضہ فراہم کرتی ہے جس سے وہ خوراک حاصل کرتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک پر 23 کروموسوم (Chromosome) ہوتے ہیں، دونوں کے ملنے سے سیل (Cell) بن جاتا ہے یوں ایک سیل میں 46 کروموسوم ہوجاتے ہیں، 23 ماں کے اور 23 باپ کے۔

جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ ہر ایک انسانی سیل میں 46 کروموسوم (Chromosome) ہوتے ہیں اور تقریباً ایک لاکھ کے قریب جینز ہوتے ہیں اور ہر ایک جین میں ایک ہزار کے قریب نیوکلوٹائیڈ (Nucleotide) ہوتے ہیں جو ایک طرح حروف میں جن سے جینز کے اندر کا پروگرام لکھا گیا ہے۔ اس کی مثال کمپیوٹر کی زبان (Computer Language) ہے۔ ان لاکھوں جین اور ان کی اندر جو کروڑوں نیوکلوٹائیڈ (Nucleotide) ہیں ان سب کے حساب کا نام جینوم (Genome) ہے۔ جو انسان کی تقدیر کا نقشہ ہے۔

تقدیر کی نسبت سے اگر جین فقرات ہیں تو کروموسوم سے مل کر بننے والا سیل مضمون ہے جو ماں اور باپ کے کروموسوم سے مل کر بنتا ہے پھر

Marfat.com

یہ سیل ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ۔ یوں ضرب کھاتے وہ بڑھتے جاتے ہیں اور یونہی جسم کی نشوونما ہوتی جاتی ہے اور جینز پر اس لکھائی کے مطابق دماغ، آنکھیں و ناک، منہ نقشہ ہاتھ پاؤں ایک ایک چیز بنتی جاتی ہے۔ یہ بالکل ایسے ہی سمجھ لیجئے جیسے اینٹیں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں لیکن ڈیزائن کے مطابق مختلف جوڑ توڑ سے بلڈنگ کے تمام حصے تیار ہوتے جاتے ہیں یا محدود حروفِ تہجی سے اربوں مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اس طرح جینز کے اوپر طے شدہ پروگرام کے مطابق بچے کی نشوونما ہوتی رہتی ہے۔

9.6 تقدیر اور اختیار کا استعمال

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ نفس کے متعلق تحقیقات کا ایک اہم میدان زمان و مکان کے حوالہ سے تقدیر ہے اور ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ جدید سائنسی دریافتوں کے مطابق ہم میں سے ہر ایک اپنی تقدیر کو لے کر اس دنیا میں آتا ہے۔ لیکن سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس تقدیر پر ہمارا ردِعمل کیا ہوتا ہے۔ دراصل یہی ہمارا حاصل زندگی اور اعمال نامہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وقت تین حصوں میں منقسم ہے۔ مستقبل، حال اور ماضی۔ جیسے ایک فلم چل رہی ہو، جو منظر سامنے ہے وہ حاضر ہے جو ابھی ریل (Reel) پر ہے وہ مستقبل ہے اور جو دوسری ریل (Reel) پر چڑھ چکا ہے وہ ماضی میں چلا گیا ہے۔ اس نظام میں مستقبل والی ریل کھلی رہی ہے اور ماضی کی ریل چڑھ رہی ہے یوں ایک تسلسل کے ساتھ واقعات ہمارے سامنے سے گزر کر ماضی میں بند ہو جاتے ہیں۔ یوں ماضی اور مستقبل دونوں ہی واقعات کے ذخیرے (Storehouses) ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ مستقبل کا سٹور مسلسل خالی ہو رہا ہے اور ماضی والا سٹور بھرتا جا رہا ہے، واقعہ حال جب ہمارے ہاتھوں میں سے گزر رہا ہوتا ہے ہم اس پر اپنے ردِعمل کے نشانات لگاتے جاتے ہیں کوئی اس کو خوبصورت تر کرتا ہے تو کوئی اسے آلودہ کرتا جاتا ہے۔ ماضی کے سمندر میں ہمارے یہ تقدیری ڈبے ہماری پہچان ہیں۔ کوشش یہ کرنا چاہیے کہ ہم اپنی پہچان کے ان نشانات کو صاف ستھرا رکھیں۔

اوپر کی بحث سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہم تقدیر بنانے والے نہیں لیکن اس کو بھگتنے والے ہیں۔ اس مشاہدے میں ہم واقعات میں شریک ہیں۔ کسی حد تک اپنے اوپر بیتنے والے واقعہ کے ڈبے کو اوپر نیچے، ادھر ادھر بھی کر سکتے ہیں یہ ہمارا اپنا اختیار ہے لیکن یہ اختیار واقعات کے ظاہر تک ہی محدود ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ آپ کسی مزدور کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کیلئے ایک لیبل شدہ ڈبہ دیتے ہیں اب یہ مزدور کی مرضی پر منحصر ہو سکتا ہے کہ وہ اسے ریڑھی میں رکھ کر لے جائے، یا سر پر اٹھائے یا کندھوں کا استعمال کرے، آپ اس میں دخل نہیں دیتے البتہ اگر وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے یا ڈبہ کو گرا دیتا ہے تو اسے کوئی اور اٹھا لیتا ہے۔ اسی طرح زندگی میں ہم تقدیری واقعات کو بدل نہیں سکتے لیکن ان کو کس طرح بجا لاتے ہیں، یہ ہمارا اختیار ہے۔ جو اس اختیار کو بہتر طور سے بجا لاتے ہیں ان کو مواقع بھی زیادہ ملتے ہیں۔ مثلاً ریڑھی والا مزدور زیادہ ڈبے لے کر جا سکتا ہے، جنہوں نے سر پر اٹھائے ہیں ان کی نسبت سے وہ زیادہ تیز بھی ہے، یوں ریڑھی والے کو زیادہ مواقع ملتے ہیں اور وہ زیادہ مزدوری بھی حاصل کرتا ہے۔

یہی کچھ حال زندگی میں ہماری تقدیر، اختیار، اعمال اور جزا کا ہے۔ ہم سب مستقبل کے واقعات کے سٹور کے سامنے کھڑے ہیں اور اندر کا اہلکار ہمیں سامنے پڑا واقعہ کا ڈبہ تھماتا جاتا ہے اور ہم اسے لے کر ماضی کے سٹور میں جمع کرانے کیلئے چل پڑتے ہیں۔ ہمیں یہ اختیار نہیں کہ سٹور

Marfat.com

کیپر سے اپنی مرضی کا ڈبہ لیں' البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کو جلدی سے چھوڑ کر واپس آ کر دوسرا ڈبہ لے لیں یا اتنے مضبوط ہوں یا اسباب رکھتے ہوں کہ ایک ہی وقت میں بہت سے ڈبے اٹھالیں۔ اس طرح اپنی پسند کا ڈبہ اٹھانے کیلئے ہمارے مواقع (Chances) بڑھ جاتے ہیں اور مزدوری (جزا) بھی زیادہ ملتی ہے۔

ہم میں سے کچھ کم ہمت ایک ہی ڈبہ اٹھا کر آہستہ آہستہ چلے جاتے ہیں' کبھی سٹور کیپر کی شکایت کرتے ہیں کبھی راستہ میں نقص نکالتے ہیں' کبھی دوسروں سے حسد کرتے ہیں' کبھی تھک کر بیٹھ جاتے ہیں' کبھی تقدیر کو روتے ہیں۔ ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے سستی یا تیزی یا حرص کی وجہ سے تقدیر کے ان ڈبوں کو راستہ میں گرا دیتے ہیں' یا گم کر دیتے ہیں' یا دی گئی ہدایات کے خلاف کام کر کے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ظاہر ہے جزا کی بجائے سزا ہوگی' جرمانہ اور قید بھی ہوسکتی ہے۔ ان کے برعکس ہم میں سے کچھ وہ ہیں جو تقدیر کے ڈبوں کو احسن طریقہ سے اٹھا کر منزل مقصود تک پہنچاتے ہیں ان کو بہتر اجر ملتا ہے۔ اس لئے ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ ہاتھ آئی تقدیر (Opportunity in Hand) کو بہترین طریقہ سے اپنے مالک کی ہدایت کے مطابق سرانجام دیں تا کہ اس کی خوشی کے حق دار ہوں۔ ایسے شخص کیلئے ''اس کا آج'' بہت اہم ہے اور اسے یہ فکر ہوتی ہے کہ میرا آج ضائع نہ ہوجائے۔ یوں اسے مستقبل کی فکر کھاتی ہے نہ ماضی کا غم۔ اس لئے کہ یہ دونوں اس کے بس سے باہر ہیں۔

Marfat.com

باب نمبر 10

وقت، واقعات اور کشف

10.1 واقعات اور ان کا ظہور

یہ سمجھنے کے بعد انسانی نفس ایک مستقل حقیقت ہے جو جسمانی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے تحقیق کا ایک بہت اہم پہلو اس کا مستقبل اور ماضی میں ممکنہ سفر ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات خصوصی طور پر قابل غور ہیں۔

☆ کیا انسان کا غیر مادی وجود وقت کے آگے پیچھے جا سکتا ہے۔

☆ کیا دنیا میں جو واقعات معرض وجود میں آتے ہیں وہ وقت کی جانب (Time Dimension) میں پہلے ہی سے موجود (Programmed) ہیں؟

ان سوالوں کے جواب میں ہم سمجھتے ہیں کہ وقت متواتر حرکت میں ہے اور مستقبل سے ماضی کی طرف جا رہا ہے اور اپنے ساتھ واقعات کو بھی بہاتے جاتا ہے۔ واقعات اور وقت کی مثال ایسے ہے جیسے پانی کا دریا اونچائی سے نچائی کی جانب بہہ رہا ہو اس کے ساتھ ساتھ پانی کے اوپر تیرنے والی چیزیں بھی نیچے کو آ رہی ہوتی ہیں اور بالآخر یہ سب سمندر کی وسعت میں گم ہو جاتے ہیں۔ اگر انہیں واپس نکالنا ہو تو غوطہ خوروں کی ضرورت پڑتی ہے لیکن وہ بھی اسی قدر کر سکتے ہیں جتنی ان کی استطاعت اور ہمت ہو۔

اس بہتے دریا کے ہی کنارے انسان کھڑا ہے، تھوڑے عرصہ کیلئے تیرنے والی چیزیں اس کے سامنے سے گزرتی ہیں اور وہ ان سے اثرات لیتا ہے انہی سے اسے پانی کے بہنے کا احساس ہوتا ہے، اگر فرض کرو کہ سطح آب کے اوپر کچھ نہ ہو تو پانی کی حرکت کا احساس تک بھی نہ ہو۔ یہی حال واقعات کا ہے، انہی سے وقت کے بہاؤ اور اس کی رفتار کا احساس ہوتا ہے۔

فرض کرو آپ ایک دریا کے کنارے کھڑے ہیں جس کی سطح آب پر کئی طرح کی چیزیں تیرتی ہوئی آپ کے سامنے سے گذر رہی ہیں۔ اگر کوئی آدمی تیزی سے اوپر کی طرف چل پڑے تو وہ تیرتی ہوئی چیزوں کو اپنی جگہ پر پہنچنے سے پہلے ہی دیکھ کر واپس آ سکتا ہے اسی طرح یہ ممکن ہے کہ انسانی نفس وقت کے بہاؤ کے خلاف سفر کرتا ہوا مستقبل میں چلا جائے اور یوں آنے والے واقعات کا بہت پہلے مشاہدہ کر لے لیکن جیسے دریا کے بہاؤ کے خلاف جانے کیلئے خصوصی محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے اسی طرح نفس کو بھی مستقبل میں سفر کیلئے خصوصی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔

ماضی سمندر کی طرح ہمارے سامنے گزرتے ہوئے تمام واقعات کا سٹور ہاؤس ہے یعنی یہ واقعات کو ختم نہیں کرتا بلکہ ان کو محفوظ کر لیتا

Marfat.com

ہے۔ اگر کوئی باہمت غوطہ خور ہو تو اس کے اندر جا کر ان کو پھر سے دیکھ سکتا ہے۔ ایک طرح سے واقعات انسانی یادداشت میں بھی سٹور ہوتے جاتے ہیں یہ ماضی کے متبادل نظام ہے یہاں واقعات اپنا عکس چھوڑ کر جاتے ہیں۔ ان کو ہم یاد کر کے ذہن ہی میں دوبارہ دیکھ لیتے ہیں لیکن یہ اصل کا عکس ہوتے ہیں۔ اس کی مثال ٹیلی ویژن کی سکرین ہے جس پر نظر آنے والے واقعات اصل کا گمان ہوتے ہیں لیکن دراصل وہ کسی سٹوڈیو میں ہونے والے واقعات کا عکس ہوتے ہیں یعنی اصل واقعات اگرچہ کسی دور کی جگہ ہوتے ہیں لیکن ان کا عکس آپ کے گھر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

10.2 خواب اور خوابوں کی حقیقت

ہم میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی خواب ضرور دیکھا ہوگا جو بعد میں حقیقت ثابت ہو گیا۔ اگر وہ واقعہ کسی باطنی دنیا میں پہلے سے موجود نہ تھا تو یہ کیسے ممکن ہوا؟ حقیقت یہی ہے کہ واقعات وقت کے دھارے پر پہلے سے ریکارڈ ہو چکے ہیں۔ خوابوں میں ہماری روح انہیں مستقبل میں پہنچ کر دیکھ لیتی ہے بعد میں اللہ تعالیٰ کے پروگرام کے مطابق وہی واقعات عالم شعور میں ہمارے سامنے آجاتے ہیں اسے ہم حال کہتے ہیں جس کے ایک طرف مستقبل ہے اور دوسری طرف ماضی۔ یعنی حال بذات خود کوئی وقفہ نہیں۔ نہ یہ ایک سیکنڈ ہے نہ یہ ایک گھنٹہ بس ایک انتہائی باریک لمحہ ہے جس لمحہ واقعہ عام لوگوں کے سامنے آتا ہے اور ماضی کے سٹور ہاؤس میں غائب ہو جاتا ہے۔

ہم مستقبل میں کیسے سفر کر سکتے ہیں۔ اس کے جواب پانے کے لئے کچھ لوگوں نے بڑی ریاضتیں اور محنتیں کی ہیں اور انہیں کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے لیکن یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو قدرتی طور پر خاص عطا ہوتی ہے اور وہ بڑی آسانی سے سچی پیشگوئی کر لیتے ہیں۔ انہی میں ایسے بھی ہیں جنہیں سچے خواب دیکھنے کا ملکہ ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم وقت کے دھارے پر سفر کی ایک حقیقت کو ایک انگریز محقق کی کوششوں کے حوالہ سے ذکر کریں گے۔

اس انگریز فوجی کرنل کا نام جے۔ ڈبلیو۔ ڈیون (J.W. Dune) تھا۔ 1899ء میں انہیں کچھ سچے خواب دیکھنے کا تجربہ ہوا جس نے انہیں بہت متاثر کیا۔ ان کا رویہ ایک عام آدمی کا سا نہیں تھا بلکہ وہ چونکا کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ اس نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے کچھ ہی دنوں کے بعد وہی حقیقت بن کر اس کے سامنے آ گیا۔ جب اس نے اس بات کی تہہ تک پہنچنے کا تہیہ کر لیا اور سائنسی انداز میں اس بات کو جاننے کی کوشش کی تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ غیب خواہ مستقبل میں ہو یا ماضی میں وہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لئے بیتاب ہے۔

عالم نیند میں جب آدمی کا ذہن مادی دنیا سے کٹ جاتا ہے تو اس کا نفس اس وقفہ میں وقت کی دونوں جانب نکلنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو بھی محنت کرتا ہے وہ پالیتا ہے مَن طَلَبَ وَجدا وہاں جو کچھ پڑا ہے وہ دیکھ لیتا ہے لیکن صبح اٹھنے تک بہت سی معلومات ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہیں۔

کرنل ڈیون نے تحقیق کے بعد معلوم کیا کہ عام طور پر صرف دس میں سے ایک آدمی اپنا خواب یاد رکھتا ہے لیکن وہ بھی اس میں سے زیادہ

تر بھول جاتا ہے۔ بلکہ کئی نئی باتیں بھی اپنے خواب میں شامل کر لیتا ہے یعنی دیکھے گئے خواب جھوٹے نہیں ہوتے لیکن یادداشت کا انتشار ان کو مکدر کر دیتا ہے۔ اس نقص کو دور کرنے کیلئے کرنل ڈیون نے لندن میں باقاعدہ ایک ریسرچ گروپ قائم کیا جس میں سائنسدان اور سائیکالوجسٹ شامل تھے اور اس موضوع پر بڑا قابل قدر کام کیا۔ اس کی کچھ تفصیلات ذیل میں دی جا رہی ہیں۔ یہ تفصیلات ان کی کتاب 'وقت کے ساتھ ایک تجزیہ' (An Experiment with Time) سے لی جا رہی ہیں۔

حوالہ (Ref: J.W. Dune's Book "An Experiment with Time")

(First Published March 1927 by AVC Black Ltd. London)

یہ کتاب مارچ 1927ء کو شائع ہوئی اور اب تک کئی ایڈیشن آ چکے ہیں۔ کتاب محض خوابوں کے مشاہدات ہی نہیں بلکہ وقت Time کو سمجھنے کیلئے بڑا مدلل سائنسی تجزیہ بھی ہے اور اس میں انسانی نفس کی بقاء اور صلاحیتوں کے کئی ایک زاویوں پر سائنسی بنیادوں پر بحث کی گئی ہے۔ اپنی کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے تعارف میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"This book contains the best analysis of the Time Regress ever completed. Incidentally, it contains the first scientific agreement for human immortality. This I may say, was entirely unexpected ----------". (Page-7)

ان تجربات کے بعد روح کے بارے میں لکھتا ہے کہ انسان نفس ہے اور وقت کے مستقبل میں جا کر وہاں کے واقعات کو نہ صرف دیکھ سکتا ہے بلکہ ان کا رخ موڑنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ موت اس نفس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، دماغ اس کیلئے ایک آلہ ہے جس سے یہ کام لیتا ہے لیکن نفس موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔

"Man is Soul" with powers of intervention with which he may alter the course of observed events --- a mind which not only reads the brain but employs it as a tool ------------ The inference is that this observer can survive the destruction of that brain which he observes". --------------- (Page-22)

کرنل ڈیون کی اس موضوع پر دلچسپی 1899ء میں شروع ہوئی جب وہ سوڈان میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ وہاں ایک دو ہفتے پرانا اخبار ملتا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس بیرونی دنیا سے رابطہ کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ انہوں نے وہاں محسوس کیا کہ بعض اوقات وہ جو واقعات خواب میں دیکھتے تھے ہفتوں بعد جب اخبار ملتا تو اس میں وہ درج ہوتے۔ اسی دوران انہیں یہ احساس بھی ہوا کہ خواب کی حالت میں وہ گردوپیش میں ہونے والے واقعات کو بھی دیکھ لیتے ہیں۔ ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ رات کے تین بج کر 28 منٹ پر ان کا ٹائم کلاک بند ہو گیا، جب وہ صبح اٹھے تو

Marfat.com

دیکھا کہ واقعی ٹائم کلاک جو کہ ڈرائنگ روم میں تھا اس کی سوئیاں تین بج کر 28 منٹ پر کھڑی تھیں۔ وہ حیران تھے کہ یہ کیسے ممکن ہوا؟ کیا دوبارہ بھی ایسا ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے اپنے اوپر تجربات شروع کر دیے اور ان کی حیرانگی کی کوئی حد نہیں تھی جب وہ اپنی سوچ کے ذریعہ کلاک کے اوپر وقت دیکھ لیتے تھے۔

ایک دفعہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ''قاہرہ سے ایک مہم خرطوم کے لئے روانہ ہوگئی ہے''۔ کچھ دنوں کے بعد جب اخبار ڈیلی ٹیلیگراف ملا تو وہاں بھی یہ خبر چھپی تھی کہ جمعرات شام پانچ بجے قاہرہ سے چلنے والی مہم خشکی کے راستہ خرطوم کیلئے روانہ ہوگئی ہے۔

مارچ 1902ء کو انہوں نے خواب میں ایک شہر کو آگ لگی دیکھی اور لوگوں کا خوف و ہراس اور آگ بجھانے کی کوششوں کے مناظر دیکھے۔ کچھ عرصے کے بعد اخبار ملا تو اس میں بتایا گیا تھا کہ فرانس کے ایک جزیرہ جو کہ ویسٹ انڈیز میں ہے وہاں پر آتش فشاں پھٹ پڑا جس سے شہر کو آگ لگ گئی اور چالیس ہزار لوگ مر گئے۔

1912ء میں انہوں نے ایروپلین کے ایک حادثہ کو خواب میں دیکھا جس میں ان کے ایک دوست مر گئے۔ اس کے کچھ دنوں کے بعد واقعی یہ ہو گیا۔ 12 اپریل 1913ء کو انہوں نے ایک ٹرین کا حادثہ خواب میں دیکھا جو 14 اپریل کو سچ ہو گیا۔

کرنل ڈیون اپنی کتاب کے صفحہ 53 پر لکھتے ہیں کہ ''اس طرح کے تقریباً 20 خواب آئے جو سچے تھے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں رہا کہ یہ اتفاقیہ حادثات ہیں بلکہ کسی بڑی غیبی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔ زیادہ اغلب یہ ہے کہ واقعات اپنی غیبی حالت میں وقت کے دھارے پر ہیں اور ایک مقررہ پروگرام کے مطابق شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور مقرر شدہ اجل (Timed Programme) تھا۔

10.3 خواب اور سائنسی تحقیق

جب پے در پے اسی طرح کے سچے خواب نظر آنے لگے جن میں وہ کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کے واقعات کو دیکھتے تو ان سے متاثر ہو کر انہوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ اس مسئلہ کو سائنسی انداز میں سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر سنجیدہ سائنسی انداز میں تحقیق شروع کر دی اور خوابوں کا باقاعدہ تجزیہ شروع کر دیا۔ اسی تحقیق کے دوران انہیں معلوم ہوا کہ سچے خوابوں کو دیکھنے والے وہ اکیلے ہی نہیں بلکہ اور بھی کئی لوگ ہیں جو یہ قابلیت رکھتے ہیں۔

1914ء میں پہلی جنگ عظیم کی وجہ سے اس موضوع پر مزید تحقیق رک گئی لیکن 1917ء کے بعد اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے انہوں نے لندن میں باقاعدہ ایک اکیڈمی بنائی جس کے سامنے یہ منصوبہ تھا کہ اگر نیند کی حالت میں ہم وقت سے آگے نکل کر یا پیچھے جا کر وہاں کے حالات دیکھ سکتے ہیں تو جاگتے ہوئے ایسا ممکن کیوں نہیں؟ اس کے علاوہ اکیڈمی نے یہ پروگرام بھی بنایا کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ممبر شپ کے ذریعے سچے خواب دیکھنے کے پروگرام پر لگایا جائے۔ ممبرز کیلئے یہ ہدایت تھی کہ جاگنے پر سب سے پہلے اپنے خواب کی پوری تفصیل لکھ لیں۔ اس سوسائٹی کے

Marfat.com

اراکین ہفتہ وار میٹنگ کرتے اور دنیا میں ہونے والے واقعات کو دیکھے گئے خوابوں سے موازنہ کرتے۔ان کی اس تحقیق سے یہ بات ظاہر ہوئی کسی میں کم کسی میں زیادہ لیکن ہر آدمی میں سچے خواب دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے لیکن اکثر لوگ ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتے ہیں۔انہوں نے یہ بھی معلوم کیا کہ ہر خواب میں ماضی اور مستقبل کے عکس ملے جلے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انہیں علیحدہ علیحدہ دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"Almost everyone now has experienced that sudden feeling, disturbing conviction that something which is happening at that moment has happened before? ---------- All dreams in general, all dreams, every body's dream - were composed of images of past experience and images of future experience blended together in approximately equal proportion". (Pages 58-59)

10.4 کشف اور آدمی کی چوتھی سمت

اس اصول کے تحت انہوں نے یہ تحقیق کی کہ اگر خوابوں میں دیکھے گئے عکسوں میں سے ماضی کے عکس نکال دیے جائیں تو بقیہ مستقبل رہ جائے گا جس سے مستقبل بینی ممکن ہو جاتی ہے۔انہوں نے اپنی ریسرچ کے بعد یہ بھی نتیجہ نکالا کہ اگر کائنات کی چار اطراف (Dimensions) یعنی عرض، طول، اونچائی اور وقت ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ آدمی جو کائنات میں اس کا شاہد ہے بذات خود چار اطراف والا نہ ہو، یعنی ہر آدمی کی اہم خصوصیت اس کی وقت والی سمت ہے جسے موت نہیں۔اگر وہ اپنی چوتھی سمت یعنی وقت کی سمت پر سفر کرنے کی صلاحیت حاصل کر لے تو غیب اس پر حاضر کی طرح ظاہر ہو جائے گا۔

ہماری چوتھی سمت ہماری روح (نفس) ہے جسے آپ سپرٹ (Spirit) یا Mind, Self کا نام دیتے ہیں۔جب کہ مادی اجسام فنا ہو جاتے ہیں۔ہمارے وقت کی سمت والے وجود کو فنا نہیں بلکہ وقت کی مانند یہ ہمیشہ رہنے والا Immortal ہے۔اس تھیوری کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے گروپ نے اس بات کی طرف ریاضت شروع کی کہ کسی طرح نفس کو جاگتے ہوئے جسم سے آزاد کیا جائے تاکہ وہ وقت پر سفر کرنے اور وہاں کیا ہو رہا ہے دیکھ سکے۔اسی بات کو صوفیائے کرامؒ کی اصطلاح میں کشف کہا جاتا ہے۔

ان ریاضتوں کے نتیجہ میں اس تحقیقی گروپ کے کئی لوگوں نے مختلف حدود تک مستقبل بینی میں کامیابی حاصل کر لی۔یہاں تک کہ ان میں بعض تو الماری میں بند کتاب کے کسی صفحہ پر کیا لکھا ہوا ہے پڑھ کر سنا دیتے۔یہ ایک ایسا تجربہ تھا جس کو وہ بار بار کر کے دکھا سکتے تھے۔اس طرح انہوں نے سائنسی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ آدمی میں ضرور کوئی ایسی چیز ہے جو مادیات سے بالاتر ہے اور بآسانی ماضی اور مستقبل میں جانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور وہاں جا کر مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھ سکتی ہے۔اس کا یہ مطلب لیا گیا کہ ہمارے سامنے پیش آنے والے

Marfat.com

واقعات وقت کے دھارے پر پہلے ہی سے موجود ہیں۔اس کی مثال ٹیلیویژن پر دیکھی جانے والی فلم کی سی ہے جو ٹیلیویژن کی سکرین پر پہنچنے سے پہلے فضا میں بجلی اور مقناطیسی لہروں کی شکل میں موجود ہوتی ہے یا واقعات کمپیوٹر میں پروگرام کی مانند ہیں جو وقت کے ساتھ کھلتا جاتا ہو۔ بہر حال جو ہونا ہے وہ پہلے ہی طے شدہ ہے اور خود اختیاری (Free will) محض ایک سراب ہے۔

کرنل ڈیون کے تجربات اور تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مستقبل میں جھانکنے کیلئے نیند سے زیادہ جاگتے ہوئے بہتر نتائج ملتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو ذہنی انتشار سے پاک کرلے، پریشانیوں سے نکل جائے اور ماضی کو مکمل طور پر بھول سکے تو پھر اس پر مستقبل روشن ہو جائے گا یعنی مستقبل بینی کی قابلیت کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آدمی اپنے ذہن کو تمام دوسرے خیالوں سے پاک کر سکے۔ یہ وہی بات ہے جو ہمارے صوفیائے کرامؒ اور دوسرے مذاہب کے بزرگ ریاضتوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خصوصی طور پر **لَآ اِلٰہ** کا ورد جسے نفی اثبات کہتے ہیں ہمارے صوفیائے کرامؒ کا ذکر ہے۔ جس کا مطلب ماسوائے اللہ۔ نفس کی ہر خدائی سے آزادی حاصل کرنا ہے۔ جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو وہ کشف کی صلاحیت پالیتے ہیں۔ کشف میں غائب حاضر ہو جاتا ہے اور عامل مستقبل بینی کرسکتا ہے۔ **لَآ اِلٰہ** یعنی 'کوئی خدا نہیں' کلمے کے اس ورد سے آدمی اپنے ذہن کو کلی طور پر زمان ومکان، آسمان وزمین کی ہر چیز سے خالی کر دیتا ہے حتیٰ کہ خلاء کا تصور بھی نہیں رہتا لیکن صوفیائے کرامؒ کے نزدیک کشف حاصل ہو جانا کسی اہمیت کی بات نہیں بلکہ اگر کوئی انہی میں کھو جائے تو نفس کے آگے حائل امر ہے۔ اصل بات اس سے آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے۔

اس ضمن میں کرنل ڈیون لکھتے ہیں کہ:۔

"I spent for the greater part of the time in reflecting of the past and starting fresh with a mind comparatively blank. ----- These experiments showed one, that provided one, was able to focus one's attention to the task, one could observe the 'effect' first as readily when awake as when sleeping. ----- One had merely to get rid of all thinking of the past and the future would become apparent of disconnected flashes!" ----- (Pages 100-102)

"Thus future events are at any rate real enough to experience as the pre-representation". ------ (Page 106)

کرنل ڈیون ہی کے ہمعصر مشہور سائنسدان پروفیسر ایڈنگٹن (Prof. Eddingtion) کے خیال میں ہر آدمی کیلئے اس کا وقت ایک چلتی ہوئی سڑک کی مانند ہے جس پر واقعات درج ہیں وہ لکھتے ہیں:۔

The extent of Time-Extended objects are usually in Relativity theory, called world lines (Tracks). In individual, says Professor Eddingtan "Is a four-dimensioned object of

greatly elongated form; ----- of durable expiration in Time and insignificant extent in space. Practically a line, his own track in the world, represents him. ----- The track of the observer is that observer himself. ----- Our time length is not unoccupied, it contains physical configurations".

کرنل ڈیون اپنی تحقیق کے نتائج میں لکھتے ہیں کہ "انسان کی مثال ایک ربڑ کی ڈوری کی سی ہے جس کو وقت کی سمت میں جتنا چاہیں کھینچ لیں وہ بہت دور تک جا سکتی ہے لیکن مکان (Space) میں وہ انتہائی محدود ہے۔ وقت کی سمت میں آدمی ایک لائن نظر آئے گا اور یہ لائن کائنات میں اس کا راستہ ہے۔ اس راستہ پر اس کی قسمت کے واقعات منزلوں کی طرح ثبت ہیں۔ اس کی مثال ایک فلم سی ہے جو مستقبل کے سپول (Spool) سے اتر کر ماضی کے سپول کے اوپر چڑھتی جاتی ہے اور سامنے ایک چھوٹی سی کھڑکی ہے جس میں سے ہم پیش آئند حالات کو دیکھتے ہیں اور یہ ایک نہ ختم ہونے والا سپول ہے۔ دنیا کی زندگی صرف اس کا ایک خاص سین (Special Scene) ہے ورنہ فلم جاری رہتی ہے۔ یوں ایک مسافر کی طرح ہم اپنا سفر زمان و مکان میں جاری رکھتے ہیں۔ انسان دنیاوی حیات کے دوران بھی ریاضت کے ذریعہ نفس ماضی، حال اور مستقبل میں سفر کرنے کی صلاحیت حاصل کر کے وہاں موجود واقعات کو دیکھ سکتا ہے۔

ان سائنسی تحقیقات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان آزاد نہیں بلکہ بڑی حد تک تقدیر کا پابند ہے اور دنیا میں جو واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ مالک کائنات نے پہلے ہی سے مقرر کر دیے ہیں یعنی انسان واقعات کا 'باعث' نہیں بلکہ 'شاہد' ہے۔ ہاں البتہ اس کا ان پر رد عمل اور تاثرات لینا اس کے اپنے آپ پر ہے۔ یہی اس کی آزمائش ہے جسے مالک کائنات دیکھتا ہے۔ اگلے جہان میں اس کے مقام کا تعین بھی اسی عمل پر ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جس طرح واقعات زمانہ کی کتاب میں پہلے سے پروگرام شدہ ہیں اسی طرح ان پر انسان کا رد عمل بھی وقت کی یادداشت میں محفوظ ہوتا جاتا ہے۔ ان اعمال کی فلم مرنے کے بعد ہمیں دکھائی جاتی ہے اور انہی کے زیر اثر ہمارا برزخ کا زمانہ گزرتا ہے۔

10.5 مستقبل بینی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وقت کی گاڑی پر بیٹھ کر کیا ہم مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھ سکتے ہیں؟

اس سوال کی معقولیت اس سے ظاہر ہے کہ اپنی یادداشت (Memory) کو کھنگال کر یا تاریخی ماخذ کی مدد سے یا دوسروں کی یادداشت سے فائدہ اٹھا کر یا پرانی دستاویز کی مدد سے واقعات کا وہ کوسٹور جو ماضی ہو چکا ہے اس کو نہ صرف ہم اپنے ذہن میں دیکھ سکتے ہیں بلکہ ان کا تجزیہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ جہاں تک حال کا تعلق ہے اس کے دیکھنے کیلئے تو ہمیں کوئی خاص محنت بھی نہیں کرنا پڑتی۔ اس لئے سوچنے کی بات ہے کہ اگر ہم وقت کے ایک طرف جا سکتے ہیں تو دوسری طرف کیوں نہیں؟ اگر ہم ماضی کو پڑھ سکتے ہیں تو مستقبل کو کیوں نہیں؟

مستقبل بینی کے لئے کوششوں کو اگر دیکھا جائے تو اس میں سب ہی مذاہب والے لوگ شامل نظر آتے ہیں' مسلمان' ہندو' عیسائی' یہودی'

Marfat.com

حتیٰ کہ مذہب سے بالکل نا آشنا اور کافر بھی اس میدان میں کامیابی کا دعویٰ کرتے ہیں اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کامیابی کا دعویٰ کرنے والے لوگ مختلف نسلوں اور خطوں کے ہیں۔ ان میں روس کے دہریئے' امریکہ کے لبرل' ہندوستان کے مشرک' چین کے فلاسفر' یورپ کے عیسائی اور مسلمان ممالک کے صوفی بزرگ سبھی شامل ہیں۔ اس سے یہ بات عیاں ہے کہ مستقبل بینی کا تعلق انسان کی نیکی بدی یا مذہب سے نہیں بلکہ یہ ایک انسانی صلاحیت ہے جس کو محنت اور ریاضت کے ذریعہ ترقی دی جاسکتی ہے۔ اس کی ایک واضح مثال ابن صیاد کی ہے، یہ شخص رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہودی گھر میں پیدا ہوا اور لڑکپن ہی میں اس کی غیب دانی اس قدر مشہور تھی کہ فخرِ موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی نوٹس لیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ غیب کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ لیکن اس نے انسان کی یہ صلاحیت بھی دی ہے کہ کسی حد تک اپنے نفس کو آزاد کرنے کی مشقیں کر کے وہ مستقبل کے واقعات کا مشاہدہ کر سکے۔ بعض اوقات شیطانی قوتیں، جنات وغیرہ کچھ لوگوں کو اپنا معمول (Medium) بنا لیتے ہیں اور اسے غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ بہر حال مستقبل بینی کا انحصار روح وقت کی مستقبل والی سمت کی طرف پھیلاؤ کی طاقت (Extention of Soul) پر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اپنی مرضی کے مطابق وقت کی کسی خاص جہت Dimension میں آگے بڑھا لے تو روحانی طور پر پہنچ کر وہاں کے حالات دیکھ سکتا ہے۔ لیکن غیب دانی، دلوں کے رازوں تک پہنچ جانا اور کشف وغیرہ اللہ تعالیٰ کے قرب یا ولائت کی نشانی نہیں بلکہ انسان کی ذاتی صلاحیت ہے۔ جس طرح ہم دیگر انسانی صلاحیتوں کو بڑھانے یا گھٹانے پر کسی حد تک قادر ہیں اس صلاحیت کو بھی محنت اور توجہ سے اجاگر کر سکتے ہیں۔

باب نمبر 11

خیال کی قوت
اور
سی آئی اے کا حیرت انگیز روحانی جاسوسی نظام

("Psychic Warrior" by Major More House USA)
(C.I.A'S PARANORMAL ESPIONAGE DEPARTMENT)

11.0 تعارف

ٹیلی پیتھی یعنی خیال کی قوت سے دوسروں کے اذہان کو متاثر کرنا اور پیغام رسانی ایک ماورائی بات ہے ہپناٹزم بھی خیال کی قوت کا ہی کھیل ہے۔ کمیونسٹ روس کے زمانہ میں وہاں سائبیریا اور ماسکو کے درمیان پیغام رسانی کیلئے باقاعدہ ٹیلی پیتھی سٹیشن بنائے گئے تھے اور بڑے کامیاب تجربات کیے گئے۔ یورپ اور امریکہ میں بھی بیشمار سائنسی تجربات سے ثابت ہوا ہے کہ کچھ لوگ قدرتی طور پر اس میں اعلیٰ دسترس رکھتے ہیں یعنی یہ ایک انسانی صلاحیت ہے جو مختلف لوگوں میں مختلف درجہ میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ امریکہ اور روس میں انسانی شخصیت (نفس یا روح) کو جاگتے ہوئے جسم سے آزاد کرنے کے بھی کئی تجربات ہوئے ہیں جن کی مدد سے پیغام رسانی، دوسروں پر دسترس حاصل کرنا اذہان کو کنٹرول کرنا اور روحوں کے ذریعہ چوری ڈھونڈنا، گم شدہ اشیاء کی تلاش وغیرہ جیسے غیر معمولی کام شامل ہیں۔ 1970ء تک تو یہ سب پیرا سائیکالوجسٹوں اور روحانی دنیا میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کے کھیل تھے لیکن ان انسانی صلاحیتوں کو دشمن کی سراغرسانی ذہن کو قابو کرنے اور جاسوسی کیلئے جب سے CIA نے استعمال کرنا شروع کیا ہے یہ سب کچھ ایک سنجیدہ علم بن گیا ہے۔ جس سے سائیکی جنگ لڑی جاتی ہے۔ 1996ء تک اس سلسلہ میں دنیا کی سب سے بڑی سپائی ایجنسی (Spy Agency) میں کیا ہو رہا ہے شاید ہی کسی کو علم تھا۔ شاید یہ کبھی بھی پتہ نہ چلتا اگر CIA کا ہی ایک سابقہ آفیسر میجر ڈیوڈ مور ہاؤس (David More House) اس راز کو ظاہر نہ کر دیتا۔ ذیل کا مضمون اس کی کتاب "Psychic Warrior" کا اختصار ہے۔

میجر مور ہاؤس کی کتاب سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ امریکی حکومت جو سائنسی ترقی میں بھی سپر پاور ہے وہ غیبی وجود مثلاً ارواح (Spirits)، جن (Jinn)، بھوت پریت وغیرہ کو نہ صرف سرکاری طور پر تسلیم کرتی ہے بلکہ ان طاقتوں کی مدد سے نہایت رازدارانہ (Top Secret) سراغرسانی کا کام لینے کیلئے تحقیق بھی کر رہی ہے۔ کتاب کا مصنف ڈیوڈ مور ہاؤس اپنی کتاب کے سرورق یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ماورائی طاقتوں کے ذریعے .C.I.A کی سراغرسانی کی یہ سچی کہانی ہے۔ (A True Story of the C.I.A's Paranormal

Marfat.com

(Espionage) مصنف جو سی آئی اے میں عرصہ تک ایک آفیسر کے طور پر خدمات انجام دیتا رہا ہے اپنی کتاب میں اپنے بارے جو کچھ بتاتا ہے اس کا اختصار مندرجہ ذیل ہے۔

"ڈیوڈ مور ہاؤس (David More House) 16 اپریل 1979ء کو U.S. آرمی کی انفنٹری کور میں کمیشن ہوا اور 16 سال کی سروس کے بعد 1995ء کو وہ فوج سے میجر کے رینک میں ریٹائرڈ کر دیا گیا۔ اس کا باپ بھی ایک فوجی تھا اور اس کا اپنا کیریئر بھی بہت زیادہ درخشاں تھا۔ جب اسے کمیشن ملا تو فوجی کیڈٹ کی حیثیت سے وہ بیشمار اعلیٰ سے اعلیٰ اعزازات لے چکا تھا۔ فوج میں اپنی دلیری، ذہانت اور محنت کی وجہ سے اسے بہت اچھی ذمہ داریاں ملتی رہیں۔ اگست 1986ء کو اسے اردن میں اردنی فوج کی تربیت کیلئے 260 پلاٹون کمانڈ کے ساتھ بھیج دیا گیا جہاں اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی۔

1987ء کی بات ہے کہ اردن کی پہاڑی وادی جسے ''وادی موسیٰ'' کہا جاتا ہے وہ وہاں موسم بہار میں جنگی مشقیں کر رہے تھے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کیلئے اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور پر پانی کے بارہ چشمے جاری کر دیے تھے۔ یادگار کے طور پر وہاں آج بھی ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے مسجد موسیٰ علیہ السلام کہا جاتا ہے اور ایک چشمہ ابھی تک بہتا ہے۔ اچانک ایسا ہوا کہ کسی طرف سے ایک گولی آئی جو میجر مور ہاؤس کے ہیلمٹ میں پھنس کر رہ گئی ورنہ سر کے آر پار ہو جاتی، بعد میں وہاں سے اس کا سر کافی زیادہ سوج گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چوٹ کے اثرات ذہن کے اندر تک گئے ہوں گے۔ فوری طور پر میجر اپنی جگہ کھڑا ہوا لیکن پھر بیہوش ہو گیا۔ بیہوشی کے عالم میں اس نے دیکھا کہ فضا دھند آلود ہے اور اس کے سامنے کھلے عربی لباس میں ملبوس کوئی آٹھ دس لوگ ہیں۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا کہ 'تم ٹھیک ہو جاؤ، ظلم بند کر دو اور امن کیلئے کام کرو، امن (Peace) کے متعلق لوگوں کو سکھاؤ'۔ یہ پیغام دینے والے نے اسے بتایا کہ 'وہ اس کا محافظ فرشتہ ہے' اور یہ بھی کہا کہ 'وہ اس کا خیال رکھے گا۔ اس کے ساتھ ہی دھند دور ہو گئی اور وہ ہوش میں آ گیا۔

اس واقعہ کو اس نے خواب یا وہم تصور خیال کیا لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسے دوبارہ وہی فرشتہ ملا لیکن اب ہوش و حواس کی حالت میں اس نے دوبارہ اسے وہی پیغام دیا۔ اب کے میجر مور ہاؤس کو کسی طرح کا شک نہیں تھا کہ یہ وہم نہیں بلکہ ایک حقیقت تھی لیکن کیوں اور کیسے؟ یہ بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اردنی کمانڈ آفیسر نے انہیں پہلے دن ہی بتایا تھا کہ اس وادی میں جنات اور ارواح رہتے ہیں لیکن امریکی فوجیوں نے اس بات کو مذاق میں اڑا دیا تھا۔ بہر حال اپنے محافظ فرشتے سے ملاقات اور بات چیت نے میجر مور ہاؤس پر گہرا اثر چھوڑا لیکن اس ڈر سے کہ فوج میں ایسی باتیں کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اس نے اس واقعہ کا کسی سے ذکر تک بھی نہ کیا لیکن اس کے بعد اس کے ذہن پر اکثر عجیب عجیب تصور آتے رہتے، اسے سچے خواب نظر آتے اور اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ وقت کے آگے دیکھ سکتا ہے، وہ اپنی اس کیفیت کے بارے میں لکھتا ہے کہ:۔

"It was an odd feelings, humming mind, eyes open all the time, I began referring to it as the television in my head". (Page 42)

11.1 CIA کا روحانی جاسوسی محکمہ

جولائی 1987ء کو اردن کا مشن مکمل ہونے پر وطن واپسی ہوئی لیکن روحانی شخصیت سے ملاقات کا سلسلہ بند نہ ہوا، بلکہ پریشانی بڑھتی گئی۔اس کا خیال تھا کہ کسی سائیکالوجسٹ کے پاس جاؤں لیکن اس خوف سے کہ کہیں فوج میں کیریئر پر برا اثر پڑے وہ ایسا نہ کر سکا۔ واپسی پر اس کی تعیناتی فوج کے محکمہ سراغرسانی میں ہوگئی۔ وہاں اس کی ملاقات ایک سائیکالوجسٹ سے ہوئی جو کہ پیرا سائیکالوجی میں پی۔ایچ۔ڈی تھا۔ مور ہاؤس نے اپنے کچھ مشاہدات کا اس سے ذکر کیا تو اس نے کہا یہ کوئی بیماری نہیں بلکہ قدرت کی طرف سے ایک تحفہ ہے جو بڑے کام کی چیز ہے۔ اس کی حوصلہ افزائی سے متاثر ہو کر مور ہاؤس نے اسے کچھ مزید واقعات بھی بتائے۔اس پر اس سائیکالوجسٹ نے اسے پڑھنے کیلئے کچھ ٹاپ سیکریٹ فولڈر دیے جن میں ان لوگوں کے واقعات تھے جو زمان و مکان کی حدود کو پار کر سکتے تھے، جنہیں 'دور بین نگاہ رس' (Remote Viewers) کا نام دیا گیا تھا۔ڈاکٹر مذکور نے مور ہاؤس کو بتایا کہ درحقیقت تمہارا یہ قدرتی تحفہ بھی اسی جانب ایک قدم ہے اور سختی سے ہدایت کی کسی کو کچھ پتہ نہیں چلنا چاہیے۔ ان فولڈر میں ایک واقعہ امریکی اغوا کندہ (Hostages) کو ڈھونڈنے کے متعلق تھا۔ واقعہ کی تاریخ جولائی 1978ء تھی۔لوگوں کے ناموں کی بجائے ان کے نمبر تھے۔مور ہاؤس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ اس واقعہ میں ایک دور بین نگاہ رس (Remote Viewer) (وہ عامل جو بیٹھے بیٹھے اپنے روحانی سفر کے ذریعہ غائب کی چیزوں کو ڈھونڈ لیتا ہے) کی روح اس کے جسم کو چھوڑ کر امریکی اغواء شدہ آدمی کو ڈھونڈنے کے لئے ماضی میں چلی جاتی ہے۔وہ اس گھر تک پہنچ جاتی ہے جہاں اس کے اغواء کرنے والے بیٹھے ہیں، وہ ان کی باتیں سنتا ہے جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مغوی کو قتل نہیں بلکہ سودے بازی کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا واقعہ بھی کم حیرت انگیز نہیں تھا، اس میں ایک اور دور بین نگاہ رس (Remote Viewer) کا ذکر تھا کہ وہ کیسے روحانی طور پر شہر در شہر، ملک در ملک کسی کی تلاش میں پھر رہا تھا جسے آخر کار اس نے ڈھونڈ ہی نکالا۔ان واقعات کو پڑھنے کے بعد مور ہاؤس لکھتا ہے کہ 'مجھے پتہ چلا کہ میری حالت واقعی کسی بیماری کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ قدرت کی طرف سے مجھے ایک نئی طاقت عطا ہو رہی تھی'۔ کچھ دنوں کے بعد میری تعیناتی کے احکام دوسری جگہ کیلئے آگئے، یہ ایک انتہائی سیکرٹ محکمہ تھا، جس کا نام اور پتا میں نے کبھی بھی نہیں سنا تھا، وہاں مجھے ڈاکٹر بارٹر (Dr. Barter) اپنے ساتھ لے کر گیا اور وہاں کے مینیجر مسٹر لیوی (Mr. Levy) سے میری ملاقات کروائی۔ وہاں مجھے معلوم ہوا کہ لیوی میرے متعلق پہلے ہی سے بہت کچھ جانتا تھا، اس نے اسے مبارک دی کہ یہاں ہزاروں میں سے کسی ایک خوش قسمت کی ہی سلیکشن ہوتی ہے۔

اب مجھے پتہ چلا کہ یہ CIA کا نہایت ہی سپیشل محکمہ ہے، جہاں پر روحانی طاقتوں کے ذریعہ دشمن ممالک کی سراغرسانی کی جاتی ہے۔ یہاں پر داخل ہونے والوں کو زمان و مکان، ماضی اور مستقبل میں جانے کی ٹریننگ دی جاتی ہے، لیکن تربیت پانے کیلئے پہلے سے موجود قدرتی گفٹ (Gifted) ہونا ضروری ہے۔ کچھ لوگ غیر مرئی قوتوں کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اور کچھ لوگوں کو بعد میں قدرت عطا کرتی ہے لیکن ہر صورت میں یہ قدرت کی عطا ہے۔اس محکمہ کا کوڈ نام (Code Name) سن سٹریک/سٹار گیٹ (Sun Streak/Star Gate) تھا۔اسے

Marfat.com

جو موقع ملا تھا اس سے مورہاؤس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ لکھتا ہے کہ:۔

"Think of it: I can be trained to traverse time and space, to see and experience anything and everything". (Page 77)
"I will travel to other worlds, see things that happened long ago and learn to see things that have not even happened yet". (Page 88)

مورہاؤس کو وہاں روحانی سراغرسانی کی ٹریننگ ملنا شروع ہوگئی۔ باقاعدہ لیکچر ہوتے۔ ٹریننگ سکول، اعلیٰ تکنیکی مشینوں اور آلات سے بھرا پڑا تھا۔ ٹریننگ کے آغاز پر وہاں کے چیف انسٹریکٹر مسٹر لیوی نے اسے بتایا کہ یہ ٹریننگ تمہاری زندگی بدل کر رکھ دے گی۔

"This training will change you for the rest of your life. Neither you nor your family will be the same". (Page 87)

اس ٹریننگ میں اسے وقت کے دھارے پر ماضی، حال اور مستقبل میں جانے کی کے متعلق بتایا گیا، مثلاً اس کی تفصیل میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"In this lecture Mil handed out the historical evidence of time travel and out of body travel from ancient Egyptians heriographics to scriptures. Man, Mill argued, is more than his physical self". (Page 94)

11.2 روحانی جاسوسی کیلئے لیبارٹریاں

شروع شروع میں اسے مطالعہ کیلئے کچھ کاغذات دیے جن کے بعد اس کی باقاعدہ تربیت شروع ہونا تھی، اس دوران کئی طرح کے ٹیسٹ بھی ہوتے رہے، چند ہفتوں بعد اس کی باقاعدہ ٹریننگ کا آغاز ہوا، ٹریننگ سے پہلے مسٹر لیوی نے اسے لیبارٹری کا چکر دلوایا۔ ان کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ CIA نے روحوں کے ذریعہ جاسوسی کو ایک باقاعدہ سائنس بنا دیا ہے۔ یہ تربیت گاہیں، پیروں، فقیروں، جوگیوں کے ڈیرے نہیں بلکہ سائنسی آلات سے مزین جدید لیبارٹریاں ہیں، ان میں سے چند کے متعلق موٹے موٹے نکات مورہاؤس سے خود سنیے۔

"He (Mr. Riley, the Senior Instructor) said, Let me introduce you to world beyond. This is the monitoring room. This is where they monitor your body signs, respiration's pulse, temperature. This is your life line back to reality. If you ever get into trouble there in the Ether, they will know it in here, and they will break the session to get you back home. The joystick let the monitors control the cameras in the viewing rooms. They can

Marfat.com

zoom in you to see what you're writing, or you are doing on RV (Remote Viewing) and ERV (Extended Remote Viewing)".

ایک دوسرے آلہ کے متعلق بتایا گیا:۔

"On this little gimmick here we will monitor your brain waves during your first months of training. When we are certain that you can achieve the desired frequency in the appropriate amount of time, you don't have to wear the electrodes anymore".

ایک اور کمرے کے بارے اسے بتایا گیا:۔

"This is ERV room number-I and the other is number-II. This is ERV chair you sit in it like this." Riley jumped into the seat and began pulling wires and belts on position. "These are light and volume controls, here where on this console, you wear these headphones".

مورہاؤس کیلئے حیران کن بات یہ تھی کہ لیبارٹری میں ہر چیز خاکی رنگ (Gray) کی تھی۔ پردے دیواریں، فرش، مشینیں اور آلات کرسیاں، میز غرض ہر چیز ہلکے خاکی رنگ کی تھی۔ ایسا کیوں ہے؟ اس سوال پر اسے بتایا گیا کہ:۔

I asked why everything is gray? "To avoid mental noise, we correct information in the signal in transfer. It is kind of TV interference, the something happens in your head, if there is a lot of color, light or noise in the room where the viewer is working, the chances are high that it will interfere with the session. By eliminating all that mental noise, we can keep the chances of 'pure' session fairly high".

لیبارٹری کے اگلے کمرہ میں اسے بتایا گیا کہ:۔

"This is dowsing room. It is where you will be trained to find a moving target on the map". "This is CRV (Coordinate Remote Viewing) room. It is bigger than the ERV room, with a narrow table, eight feet long in the middle. A row of track lights was centered over table and a control panel sat next to the place viewer worked from. Everything was gray, just like the others. This CRV chair had all the hookups the other ones did, plus it adjusts to whatever height you want to be comfortable".

لیبارٹری کے ٹور کے اختتام پر چیف انسٹرکٹر مسٹر لیوی نے اسے بتایا کہ زمان و مکان کو فتح کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ انہوں نے

Marfat.com

کہا کہ:۔

"When you are training to conquer time and space you will be troubled by dreams, hallucinations because there are parallel worlds that touch and intersect with us constantly and there is world of deceivers. You are dealing with them all ----------- you have long way to go". (Page 91-95)

11.3 دشمن روحانی قوتوں سے مزاحمت

'لیوی نے بتایا کہ زمان ومکان کے سفر کی ترتیب کے دوران کئی طرح کی روحانی رکاوٹیں پیش آئیں گی۔ دوسری غیبی مخلوقات مثلاً جن اور ارواح وغیرہ آڑے آئیں گے۔ اس نے خاص طور پر بتایا کہ وہاں کئی دھوکے باز ہیں وہ غلط راستوں پر پہنچانے کی کوشش کریں گے، ان سے خاص طور پر بچنا ہے۔ (یہ ایسی بات ہے جیسے ہمارے ہاں بھی مشہور ہے کہ چلہ کشی کرنے والوں کو شروع میں غیر مرئی قوتیں جنات وغیرہ آکر بہت ڈراتے ہیں لیکن جب طالب علم اپنی شخصیت کی طاقت کے زور پر نہ گھبرائے تو بالآخر یہ قوتیں اس کی مطیع ہو جاتی ہیں)'۔

11.4 روحانی ٹریننگ کا طریقہ

آگے جا کر مور ہاؤس لکھتا ہے کہ 'لیبارٹریوں کے اس معلوماتی ٹور کے بعد کلاس روم دکھائے گئے۔ اگلے دو ماہ لیکچر سنتے گزر گئے، باقاعدہ امتحان ہوتے، نمبر اور گریڈنگ بھی ہوتی رہی، تین ماہ کی تھیوری کی تعلیم کے بعد پریکٹیکل ٹریننگ کا آغاز ہوا، یہ ٹریننگ ماسٹر ٹرینر (Master Trainer) کی نگرانی میں ہوئی۔ اگر ٹریننگ ماسٹر ٹرینر کے بغیر ہو تو جان جانے کا بھی خطرہ ہوتا ہے۔ ٹریننگ کے سیشن (Session) کے دوران طالب علم کا بلڈ پریشر، دل کی دھڑکن، درجہ حرارت، دماغ سے نکلنے والی شعائیں، سانس کی رفتار اور جسم کے دیگر کئی اعضاء کی حالت کو مانیٹر کیا جاتا ہے۔ ٹریننگ انتہائی مشقت خیز ہوتی ہے۔ ٹریننگ کے سیشن کے دوران انسان کا نفس Spirit اس کے جسم کو چھوڑ کر زمان ومکان میں دیے گئے اہداف (Targets) کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس دوران نفس کا جسم کے ساتھ تعلق بس ایک کمزور سی غیر مرئی تار سے ہوتا ہے اگر یہ تار ٹوٹ گئی تو پھر بندہ واپس نہیں آسکتا'۔

ٹریننگ کی تفصیلات میں جاتے ہوئے مور ہاؤس لکھتا ہے کہ 'نفس پر جو کچھ گزرتا ہے جسم اس کو محسوس کرتا ہے مثلاً نفس آگ کے نزدیک جاتا ہے تو گرمی محسوس کرتا ہے، اگر ٹھنڈی جگہ جائے تو جسم کو ٹھنڈ لگے گی، اگر خلا میں جائے گا تو اس کا دم گھٹنے لگے گا، نفس کی تھکاوٹ سے جسم بھی تھکتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک تربیتی پروگرام انتہائی تھکا دینے والا ہوتا تھا اور اس کے بعد گھنٹوں آرام ضروری ہو جاتا تھا'۔

اپنی ٹریننگ کے بارے میں وہ بتاتا ہے کہ 'یہ ٹریننگ تقریباً 6 ماہ جاری رہی، ہر ایک سیشن ماضی کے کسی نہ کسی حقیقی واقعہ پر مشتمل تھا۔ مثلاً ایک واقعہ اس کی اپنی درخواست پر ہوا۔ اس کا ایک دوست ہواباز جو آٹھ سال پہلے اپنے ہوائی جہاز کے حادثہ میں بحر الکاہل کے کسی جزیرہ میں گم

Marfat.com

ہو گیا تھا۔ مور ہاؤس اس حادثہ کو ہوتے دیکھنے کیلئے ماضی کے سفر پر نکلا۔ اپنے اس تربیتی سفر میں وہ اس علاقہ کے جزیروں کو ایک ایک کرتے دیکھتا رہا، اکثر علاقے گھرے جنگلات اور پہاڑوں کے سلسلہ والے تھے۔ آخرکار ایک جگہ اس نے اپنے دوست کو پا لیا اور ملاقات پر حادثہ کی تفصیلات پوچھیں۔ ہواباز نے بتایا کہ ہمارا جہاز بہت نیچے اڑ رہا تھا، پہاڑی چوٹی سے ٹکرایا اور ملبہ جنگل میں گرا، ہم آٹھوں کے آٹھ ساتھی مر گئے تھے، میں مرنے والوں میں سے آخری تھا۔ اس نے بتایا کہ مرنے کے بعد میں بہت دفعہ تمہارے خوابوں میں آتا رہا ہوں، کئی دفعہ گھر بھی جاتا رہا ہوں۔ اس نے میرا اور میری بیوی کا شکریہ ادا کیا کہ ہم اس کے بچوں کا اب تک خیال رکھتے آئے ہیں، پھر اس نے اپنی بیوی کے نام پیغام دیا کہ وہ جس شخص کے ساتھ مل رہی ہے اس سے شادی کر لے۔

زمان و مکان میں سفر کی تفصیلات میں جاتے ہوئے مور ہاؤس معلومات اخذ کرنے کے طریقہ کے متعلق لکھتا ہے کہ میں جو کچھ مشاہدہ کر رہا تھا میں وہ ساتھ ساتھ لکھتا جا رہا تھا اور ہاتھ سے سکیچ بھی کرتا جاتا تھا۔ ٹریننگ سیشن کے بعد جب میں نے اپنے منیجر لیوی کو وہ کاغذات دکھائے تو وہ اپنے آفس سے ایک فائل لے آیا اور مجھے دکھائی، میں حیران تھا کہ وہاں پر اس نے جو تصویر بنائی ہوئی تھی اور واقعہ کی جو تفصیل لکھی تھی وہ تقریباً وہی تھی جو میں دیکھ کر آیا تھا۔ لیوی نے بتایا کہ دراصل ہم نے اس حادثہ کی چھان بین کی تھی۔ جزیرہ پر رہنے والے لوگ جہاز کا ملبہ بھی اٹھا کر لے گئے تھے اور لاشیں بھی، جن کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تھے۔ حکومت نے ہماری اطلاع پر وہاں زمینی ریسرچ کیلئے ٹیم بھیجی جس نے ہماری اطلاعات کی تصدیق کی۔ (صفحہ 11-13)

11.5 روحانی جاسوسی کے عملی منصوبے

مور ہاؤس لکھتا ہے کہ کامیاب ٹریننگ کے بعد اسے دوربین نظارے (Extended Remote Viewing) کا انچارج بنایا گیا۔ اس جاب کے دوران انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے بڑے بڑے جاسوسی کام انجام دیے۔ جن کی تفصیلات وہ اپنی کتاب میں دیتا ہے۔ انہی میں لاک سکاٹ لینڈ کے مقام پر ہونے والے پین ایم فلائٹ نمبر 103 کے مشہور حادثہ کی تفتیش کی۔ سوال یہ تھا کہ حادثہ کسی دہشت گردی کا نتیجہ ہے یا کوئی اور وجہ؟ زمینی تفتیش کے ساتھ ساتھ یہ کام سٹریک (Streak) کو بھی دیا گیا، انہوں نے بھی دیکھا کہ یہ حادثہ دہشت گردی تھی جس کو ایک ایرانی فدائی خاتون نے سرانجام دیا۔ یہ خاتون جسم کے ساتھ بم باندھ کر جہاز میں داخل ہوئی۔ اس کے پاس دھماکہ کو آگ دکھانے کیلئے ریموٹ بم بھی تھا، اس کے علاوہ چاکلیٹ بار کی شکل میں اس کے ہاتھ میں دھماکہ خیز مادہ تھا۔ مور ہاؤس اس جگہ بھی پہنچا جس جگہ یہ منصوبہ طے پایا تھا۔ اس گھر کے ان افراد کو بھی دیکھا جنہوں نے اس منصوبہ کی تفصیلات طے کی تھیں۔ (صفحہ 155-156)

اسی طرح ان کی ڈیوٹی کوریا کے جہاز کے حادثہ کی تفصیلات دیکھنے کی لگی جو روس نے میزائل مار کر گرایا تھا۔ چونکہ یہ مسئلہ سیاسی لحاظ سے بھی بڑا حساس تھا اس لیے مسٹر لیوی اور مور ہاؤس نے علیحدہ علیحدہ تفتیش کی۔ مور ہاؤس بتاتے ہیں کہ وہ روحانی طور پر جہاز کے اندر پہنچ گئے۔

Marfat.com

پائلٹ کو دیکھا وہ اپنے روٹ کے باہر جہاز کو چلا رہا تھا اور پائلٹ غیر دلچسپی سے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے جہاز کے ارد گرد چکر لگا کر دیکھا تو اسے وہاں ایک غیر معمولی آلہ نظر آیا جس کے متعلق اس کا خیال ہے کہ یہ سپیشل ٹائپ کا کیمرہ تھا جو راڈری شعاؤں سے کام کرتا ہے۔ اس کا استعمال نیچے زمین پر راڈار سٹیشن کی تصویریں کھینچنا تھا۔ پرواز کے دوران جہاز روسی علاقوں میں چلا گیا جسے انہوں نے میزائل کے نشانہ سے نیچے گرا دیا۔ اس دریافت سے مورہاؤس لکھتا ہے کہ اسے بڑی ذہنی تکلیف ہوئی کہ حکومت امریکہ کا موقف اس سے بالکل الٹ تھا اور الزام روس پر لگایا گیا تھا کہ اس نے زیادتی کر کے 350 بے گناہ لوگوں کو مار دیا ہے جب کہ اصل بات اور نکلی کہ اتنے بے گناہ لوگوں کی جان لینے والے وہ خود تھے جنہوں نے سویلین جہاز کے پائلٹ کو جاسوسی کرنے کے لئے مقررہ شدہ روٹ سے باہر اڑنے کیلئے کہا اور جہاز میں جاسوسی آلات بھی خود ہی نصب کیے تھے'۔

وہ لکھتا ہے کہ اس کے کارناموں میں ایک نہایت اہم کام روحانی دور بینی کا ڈرگ مافیا کو پکڑنے کیلئے استعمال تھا۔ انہیں امریکہ پہنچنے والے ڈرگ کیریئرز (Drug Carriers) اور ان کشتیوں کو پکڑنے کا کام دیا گیا جن پر ڈرگ لائی جاتی ہیں۔ یہ کام عراق کویت جنگ سے چند مہینے پہلے ہی شروع ہوا تھا اور بڑی کامیابی ہوئی۔ ڈرگ مافیا کو پکڑنے والے CIA کے محکمہ نے سٹریک سن (Streak Son) کو تعریفی خطوط لکھے۔ جنگ کے دوران کچھ عرصہ تک یہ کام رک گیا لیکن بعد میں جب دوبارہ شروع ہوا تو ہمارے روحانی جاسوسوں نے بڑی اعلیٰ کارکردگی دکھائی۔ (صفحہ 154-155)

مورہاؤس لکھتا ہے کہ یہ بات بھی بڑی دلچسپی کی حامل ہے کہ زمینی سراغرسانی کے علاوہ CIA اور ناسا NASA مل کر روحانی سراغرسانی کو خلائی تخلیق کیلئے بھی استعمال کرتے آرہے ہیں۔ مندرجہ ذیل دو واقعات ان کی مختصر روئداد ہیں۔

'ان میں سے ایک سفر میں وہ مریخ (Mars) پر اپنے روحانی جسم کے ساتھ چلے گئے اور وہاں کے ماحول، پہاڑوں اور وادیوں کے متعلق ایسی مفید معلومات لائے جو ناسا (NASA) کی لائی گئی معلومات کے مطابق تھیں۔ اس میں اصل فرق ذرائع کا تھا کہ یہاں ایک آدمی اپنے چشم دید حالات کو بیان کرتا تھا اور ناسا (NASA) والے یہی کام اپنی مشینوں سے کرتے تھے۔ اس کے علاوہ ناسا کے سٹیلائٹ وہاں مہینوں بعد پہنچتے ہیں جب کہ روحانی طور پر آدمی بیس منٹ میں پہنچ کر وہاں سے واپس بھی آ گیا'۔ (صفحہ 136-137)

دوسرا سفر خلا میں خلائی مخلوق کی تلاش تھا۔ اس کی تلاش میں ایک سفر میں وہ شمسی نظام سے بھی بہت دور ایک اور نظام میں پہنچ گئے۔ لکھتا ہے کہ وہ سیارہ ہماری زمین ہی کی طرح تھا اور وہاں ہماری ہی طرح کے لوگ نظر آئے۔ وہ جس مجلس میں پہنچا وہ کسی بادشاہ یا کسی دینی رہنما کا دربار معلوم ہوتا تھا، لیڈر قد کاٹھ میں بھی دوسرے لوگوں سے کافی زیادہ بڑا تھا۔ اس کے ارد گرد ادب سے کئی لوگ خاموش بیٹھے تھے، سب کا لباس پرانے مصری بادشاہوں کا سا تھا'۔ (صفحہ 143-144)

11.6 خطرات اور بغاوت

مورہاؤس کیلئے یہ روحانی دور بینی کا کام اتنی دلچسپی والا تھا کہ اس کے پاس اب اپنے بیوی بچوں کیلئے بھی وقت نہیں تھا۔ وہ اس کی عجیب

Marfat.com

وغریب طاقتوں سے خوف کھاتے تھے اور اسے کسی دوسری ہی دنیا کا باشندہ سمجھتے تھے۔اس کے علاوہ اس کی زندگی اب غیر محفوظ بھی ہو گئی تھی۔ جس طرح مادی دنیا میں دوست دشمن ہیں اسی طرح روحانی دنیا میں بھی دوست دشمن ہیں۔ اس کے علاوہ اس کام میں CIA اکیلی ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے محکمے، غیر ممالک اور پرائیویٹ گروہ بھی روحانی سراغرسانی کا کام کرتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ غیر مرئی مخلوقات، فرشتے، جنات وغیرہ بھی مورہاؤس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ غرض دشمن روحانی قوتیں اسے ہر وقت گزند پہنچانے کیلئے تیار تھیں۔ کئی دفعہ تو ایسا ہوا کہ وہ گھر آیا اور رات کو اس پر اس کے روحانی دشمن حملہ آور ہو گئے۔ صبح بیوی بچے اسے بیہوش دیکھ کر بڑے پریشان ہوئے، اسی طرح کے واقعات کے نتیجہ میں اس کے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ تعلقات کشیدہ سے کشیدہ تر رہنے لگے جن کا انجام بالآخر علیحدگی تھا جس کا اسے بہت افسوس تھا۔

آگے وہ لکھتا ہے کہ انہی پریشانی کے دنوں میں کویت عراق جنگ میں امریکہ نے اپنے تین لاکھ فوجی بھیجے۔ جنگ کے فوری بعد ان کے یونٹ کو کام دیا گیا کہ وہ سارے عراق میں روحانی طور پر گھوم کر دیکھیں کہ وہاں ملٹری کے لحاظ سے کوئی غیر معمولی چیز تو نہیں۔ چنانچہ اس کیلئے مورہاؤس اور ان کے ایک اور ساتھی روحانی دوربین نگاہ رس کو علیحدہ علیحدہ مشن دیا گیا۔ مورہاؤس بتاتے ہیں کہ ان کا نفس جب وہاں پہنچا تو ہر طرف تیل کے کنوؤں کو آگ ہی آگ لگی دیکھی۔ سارا ماحول پٹرول کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ پھر اس نے اردگرد کی زمین پر غور سے دیکھنا شروع کیا تو کویت عراق موٹروے کے ساتھ صحرائی ریت میں اس نے جگہ جگہ سٹین لیس سٹیل کے کنستر پڑے دیکھے ان کا منہ سڑک کی جانب تھا۔ یہ کنستر ایسے ہی تھے جو کیمیکل اور حیاتیاتی بم کے مواد کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ جو کبھی امریکہ نے صدام حسین کو ایران کے خلاف جنگ کے دوران دیے تھے۔ یہ معلومات بڑی خوفناک تھیں کہ عراق نے اتحادیوں پر ایسے خطرناک ہتھیاروں کا استعمال کیا ہے اور ہماری گورنمنٹ نے اس کا نام تک بھی نہیں لیا۔ وجہ صاف ظاہر تھی کہ ایسا کرنا ان کی سیاسی مصلحتوں کے خلاف جاتا تھا۔ امریکی فوج جس نے وہاں کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیے تھے ان کی اصلیت ظاہر ہو جاتی کہ وہ کامیاب نہیں ہوئی بلکہ اوپر سے لاکھوں ٹن بم پھینک کر آ گئی ہے اور ہزاروں معصوم امریکی (اپنے ہی دیے گئے) کیمیکل اور حیاتیاتی بم اپنے اجسام کے اندر لے کر واپس امریکہ آ گئے ہیں اور حکومت اس بات کو راز میں رکھ رہی ہے تاکہ کوئی شخص مالی بدلہ Compensation بھی کلیم نہ کرے۔

مورہاؤس لکھتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ امریکی عوام سے امریکی فوج کی ہائی کمان اور حکومت کا بہت بڑا فراڈ تھا جو اس کے اور میجر لیوی جو پچھلے بیس سالوں میں وہاں کام کر رہے تھے کے نزدیک ناقابل برداشت جرم تھا۔ انہیں پہلی دفعہ احساس ہوا کہ امریکی حکومت مجرم ہے اور اس جرم کیلئے وہ انہیں استعمال کر رہی ہے، انہوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ وہ امریکی عوام تک یہ بات پہنچائیں گے۔ یہیں سے مورہاؤس کی بری قسمت کا آغاز ہوتا ہے۔ (صفحہ 168-173)۔ وہ لکھتا ہے کہ' CIA کو کسی صورت میں بھی یہ بات گوارا نہیں تھی کہ اس کا یہ انتہائی راز (Top Secret) آشکارا ہو جائے وہ اس کیلئے کچھ بھی کر گزرنے کیلئے تیار تھے'۔ اپنی کتاب میں وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ:۔

سب سے پہلے تو اسے روحانی سراغرسانی کے محکمہ سے نکالا گیا، اس پر سرکاری رازوں کے ظاہر کرنے کے الزام پر مقدمہ بنایا گیا اور اسے

Marfat.com

بغاوت (Treason) کے جرم میں کورٹ مارشل کرانے کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔اس غم کی گھڑی میں اس کی بیوی اوراس کے بوڑھے ماں باپ اس کے کام آئے۔انہوں نے ملٹری سے جان چھڑانے کیلئے اسے ایک سویلین ہسپتال میں داخل کرادیا لیکن جلد ہی CIA اسے وہاں سے دور کسی ملٹری ہسپتال میں لے گئی۔ان حالات میں اسے انتہائی مایوسی اس بات کی تھی کہ ملٹری اس کی پندرہ سالہ خدمات کو بھول کر اسے ایک مجرم بنارہی ہے اوراس کے باپ کی 40 سالہ خدمات کو بھی بھول گئی ہے جوخود ایک فوجی افسر تھے۔اس کی بیوی بچوں نے جو ملٹری کی خاطر مشکلات اٹھائی تھیں کیا ان سب کا صلہ یہی تھا؟'' اب اس کو خاندان کی محبت کا صحیح اندازہ ہوا،اپنی اس وقت کی ذہنی حالت کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:۔

"On this release from the nightmare very rebirth was inside myself. Aside from the symbolic death of my spirit, the only ingredient I required, I already had the pure home of my family. And of course, I almost found the reason for all my troubles, to get the message out that we are more than just the body. We are spirits loosely tethered to earth, and there are elements and worlds far beyond what we know here. This is more than we have dreamed of but none of that matters if we cannot grasp the significance of this life".

"You can spend a life time tapping into Ether to explore other realms, but you have to come home sooner or later --------". "What we do here in support of others is where true happiness lies. I found that out the hard way".

11.7 روحانی قوتوں کا بھلائی کیلئے استعمال

اپنی رہائی کے بعد مورہاؤس نے اپنے محافظ فرشتہ کی ہدایت کے مطابق یہ فیصلہ کرلیا کہ خواہ کچھ بھی ہو وہ انسان کی روحانی صلاحیتوں کو انسان کے فائدہ کے اور دنیا میں امن کیلئے استعمال کرے گا اوران روحانی طاقتوں کے علوم کو لوگوں میں پھیلائے گا تاکہ اس سے فائدہ اٹھا کر جرائم کا خاتمہ ہو،ایڈز اور کینسر جیسی لاعلاج بیماریوں کا علاج معلوم کیا جائے،خلائی دنیاؤں کی تسخیر ہو اور مظلوموں کی مدد کی جائے اس کے علاوہ اس نے یہ فیصلہ بھی کرلیا کہ وہ CIA کے انسانیت دشمن ارادے بھی ظاہر کرکے رہے گا چنانچہ اپنی کتاب کے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ:۔

"At this point of my life all I want is to tell the story of remote viewing to anyone who will listen, not because it is amazing or controversial but it carries a message for all mankind. There are other worlds out there, other dimensions, with civilizations, intelligences, love, hatred, success and feelings, every thing we experience here in our world. There are also benevolent as well as evil energies out there. Some have the express purpose of destroying or hindering our progress here, and they have spent millennia practicing their craft". (Page 240-242)

Marfat.com

11.8 روحانی سراغرسانی اور CIA کے بارے مزید تاثرات

CIA کے بارے میں وہ اپنی کتاب کے صفحہ 249-250 پر وہ لکھتا ہے کہ:۔

"When I was a young captain I learned an invisible lesson during a conversation with the Army, Deputy Chief of Army Staff of Intelligence, the highest ranking intelligence officer in the Army". He told me and other two officers present. "The CIA does nothing, says nothing, allows nothing unless own interests are severed. They are the biggest assembly of liars and thieves that country ever put under one roof and they are an abomination". Now those are his words not mine, but --------------. If what he said is true, then in serving its interests CIA presents only what it thinks the average American Citizen needs to hear, or what it believes. Buchers will steer the public to the CIA's desired conclusions". ------------- CIA is in the business of manipulating the belief systems of entire nations ------------ within CIA also only a select few know the real story, ---------------". (Page 249-250)

CIA میں روحانی سراغرسانی کے مستقبل کے بارے میں وہ لکھتا ہے کہ گورنمنٹ اس پر پہلے سے بھی زیادہ خرچ کرتی ہے لیکن سٹریک (Streak) پراجیکٹ کے راز سے پردہ اٹھ جانے کی وجہ سے اب وہ بہت زیادہ محتاط ہو گئی ہے۔

"I believe that remote viewing for intelligence purposes remain now very fully financed, very hidden and very protected and is now very deadly. I don't think govt. intends to make the same mistake it did with the Stargate/Sun streak". ------------

جب وہ سٹریک پراجیکٹ میں کام کر رہا تھا اسے اس وقت شک تھا کہ اس کے علاوہ بھی CIA اسی طرح کے دوسرے پراجیکٹ چلا رہی تھی لیکن دوسرے کا پتہ نہیں چلنے دیا جاتا تھا۔

"We had always suspected that there was another program, more secret and even more powerful than ours. --------- The word on the street is that remote influence is all the rage in intelligence. I believe that the CIA is heavily involved in this insidious technique. If they could influence someone to kill from a distance of thousands of miles and remote influence has this potential, they would hold an extremely valuable weapon". (Page 251)

Marfat.com

"Remote Viewing is not a dead issue, it has not gone away. CIA campaign at the fall of 1995 to discredit Remote Viewing was classic dis-information campaign, and most of the information circulating in this respect was also misleading". (Page 250)

11.9 انسان صرف جسم ہی نہیں

کتاب کے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ "مجھے پوری پوری امید ہے بہت جلد روحانی دور بینی کی انسانی صلاحیتیں انسانی فلاح کیلئے استعمال ہوں گی اور انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ صرف جسم نہیں بلکہ اس کی شخصیت میں جسم تو محض ایک گاڑی ہے، اس کا اصل تو اس کی روح یا نفس ہے جو کہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اور وہ زمان ومکان کا پابند نہیں بلکہ وہ ان کو تسخیر کر سکتا ہے۔ یہ اب سائنسی طور پر ثابت شدہ بات ہے اور اس کی سب سے بڑا گواہ دنیا کی سب سے بڑی ملٹری اور سائنسی طاقت USA اور اس کا سب سے خطرناک اور طاقتور محکمہ CIA ہے۔ اپنی کتاب کے صفحہ 257 پر وہ لکھتا ہے کہ:۔

" I could write volumes more on what I have seen or by countless other military trained remote viewers. It was common place for us to have spiritual experiences. We knew and intercepted the reality of those things as easily as we did the existence of wiggles silos, or Soviet submarines or cocaine shipments hidden in the bowels of freighters".

"It proves there is much more around us than our physical senses see. The gift of remote viewing is a precious and wonderful tool". ----------------

"I can say with equal conviction, that, like thing placed in mortal hands, this gift can be transported into a carriage that will plague mankind rather than serve, protect and advance it". ------------------

"The secret is out, remote viewing exists, it works, it has been tested, proven and used in intelligence for over two decades. The recent govt. admissions (The Washington Posts, article about the CIA's involvement in Psychic Warfare, Internet story in fall 1995), concerning the use of psychic warfare are crucial irrefutable testimony that what I have said here is the truth". ------

"The government of the most powerful nation on the face of the earth has admitted that

Marfat.com

it knows humans can transcend time and space to view distant persons, places, things, and events, and information thus gathered can be brought back. I hope you comprehend the significance of that information". (Page 257) (Ref: "Psychic Warrior", by "David More House")

آپ نے CIA کے سابقہ میجر (ر) ڈیوڈ مور ہاؤس کی کہانی کے مختلف اقتسابات پڑھ لیے۔ دراصل یہ کہانی امریکہ سراغرسانی محکمہ CIA کی روحانی ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے جاسوسی کی حیرت انگیز داستان ہے لیکن ہمارے نزدیک اس کی زیادہ اہمیت یہ ہے کہ یہ انسان کی ماورائی قوتوں، روح اور نفس پر ایک ناقابل تردید شہادت ہے۔ مغربی دنیا نے اپنی مخصوص ذہنیت کے مطابق ان کا استعمال مادی اور دنیاوی عارضی فوائد کے حصول کیلئے کرنا شروع کیا ہے جب کہ اصل بات حیات بعد الموت کی خوشیوں کیلئے کام کرنا ہے جس کا واحد حل زندگی اسلام کے مطابق زندگی گزارنا ہے۔

11.10 پس چہ باید کرد

CIA کے میجر ڈیوڈ مور ہاؤس کی اس کہانی میں ہمارے روحانی بزرگوں اور عاملوں کیلئے بھی ایک اہم سبق ہے۔ ہمارے ہاں بھی ایسے بیشار لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بڑی روحانی قوتیں عطا کی ہیں لیکن روائتی طور پر وہ اس کو علم کے طور پر نہیں لیتے بلکہ اپنے لیے ایک مخصوص تحفہ سمجھتے ہیں اور پھر ان میں سے بعض اپنی کرامتیں لوگوں کو اپنی ذات کا رعب ڈالنے کیلئے دکھاتے اور بتاتے ہیں۔ اس لیے ماورائی دنیا کو وہمہ یا کسی جادو کی دنیا سمجھا جاتا ہے۔ یوں ہمارے ہاں اس کی علمی اور عملی افادیت نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے۔ چاہیے کہ ہمارے وہ بزرگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماورائی قوت اور ماورائی ہستیوں سے رابطہ کی صلاحیت بخشی ہے وہ اس کو ایک باقاعدہ سائنس کے طور پر لوگوں کو سکھائیں اور صیغہ راز میں رکھنے کی بجائے مزید تحقیقاتی کام کریں تاکہ یہ سب کچھ انسانیت کی خدمت کے لئے استعمال ہو سکے، آنے والی آفات سے نمٹا جا سکے، بیماریوں کا علاج کیا جا سکے اور انسان کو گمراہی سے ہدایت کی طرف لایا جائے تاکہ ان کی آخرت سنور جائے۔

اس کے علاوہ ایک نہایت ضروری بات یہ ہے کہ اہم شخصیات کو دشمن کے روحانی حملوں کی زد میں آنے سے بچایا جائے۔ جیسا کہ آپ نے میجر مور ہاؤس کی سرگزشت میں پڑھا ہے ان دنوں دنیا کی بڑی بڑی سپائی ایجنسیاں (Spy Agencies) بھی اس کام میں ملوث ہیں۔ یہ کام پرانے زمانہ میں بھی ہوتا تھا مثلاً جب ہندوستان پر مسلمانوں کی حکومت تھی تو ہندو جوگی اس وقت کے مسلم فرمانرواؤں کو ذہنی، قلبی اور روحانی گزند پہنچانے کے لئے ان پر خیال کی قوت کے حملے (Psychic Missiles) پھینکتے رہتے تھے۔ وہ یہ کام جادو، بھوت پریت اور دیگر شیطانی قوتوں کی معرفت سے کرتے لیکن اس وقت کے مسلمان بزرگ ان کے حملوں کو راستہ میں ہی روک دیتے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ پایہ تخت دہلی ہمیشہ ہی بڑے بڑے مسلمان بزرگوں کا مقام رہا ہے۔ لیکن آج کل کے حالات اس زمانہ کی نسبت زیادہ خطرناک ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ ہمارے اولیاء

آگے بڑھ کر اپنے ذمہ دار لوگوں کو دشمن کے شر سے بچائیں۔ ان کی طرف پھینکے گئے خیال کی قوت کے میزائلوں (Thought Missiles) کو راستہ ہی میں روکنے کی کوشش کریں۔ غرض آج کی سائیکی جنگ میں انہیں اپنا روحانی کردار ادا کرنا چاہیے۔ ورنہ جس طرح طبعیاتی اسباب میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں، ماورائی قوتوں میں بھی ہم مار کھا جائیں گے۔

Marfat.com

باب نمبر 12

زندگی کی طوالت۔ڈیزائن لائف اور موت

12.1 زندگی کی مدت اوراس کی بقاء

زندگی یا جان کو ہم ماڈرن زبان میں Biochemical Existence یعنی حیاتیاتی وجود کہہ سکتے ہیں۔اس کا انحصار انسانی خلیات کی صحیح صحت پر ہے اور یہ ان تمام اصولوں کے تحت عمل کرتی ہے جو حیوانی زندگی کو کنٹرول کرتے ہیں۔جان کے زندہ رہنے کیلئے ہوا' پانی' خوراک سب کی ضرورت ہے۔اسی طرح جان کو بیماری متاثر کرتی ہے'اور دوا سے یہ ٹھیک بھی ہوتی ہے اور بہتر خوراک سے اس کی بہتر نشوونما ہوتی ہے۔چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ دودھ سے انسانی زندگی بڑھتی ہے۔

پرانے زمانہ میں جب علاج کی سہولتیں کم تھیں اور جراثیموں کے خلاف انسان کا دفاع نہیں ہوسکتا تھا اس وقت انسانی زندگی کی اوسط مدت آج کی نسبت بہت کم تھی، بے شمار بچے بچپن میں ہی مر جاتے تھے،لوگ بھوک اور بیماری کی وجہ سے جلد ہی بوڑھے ہو جاتے لیکن اب بہتر غذا اور علاج معالجہ کی سہولتوں اور حفاظتی تدابیر کی وجہ سے اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی کی اوسطاً مدت بڑھ گئی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی جان کی بقاء بڑی حد تک مادی وسائل پر منحصر ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''جان خدا کا تحفہ ہے اس کی نگہداشت کرو'۔اس لیے آپ نے علاج معالجہ کی ہدایت کی اور جس جگہ متعدی بیماری پھیل جائے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ نہ جانے کا حکم دیا،اور باہر کے لوگوں کو وہاں نہ جانے کا حکم دیا،تا کہ بیماری نہ پھیلے،آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ''اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالو'۔چنانچہ خودکشی کو ایک بہت بڑا جرم قرار دیا۔اسی طرح آپ نے انسانی صحت کے برقرار رکھنے کیلئے بہت سی احتیاطی تدابیر بتائیں' مثلاً فرمایا کہ''رات کو بھوکا مت سوؤ چونکہ اس سے انسان جلد بوڑھا ہو جاتا ہے''فرمایا کہ'جب کھانا کھانے لگو تو ابھی تھوڑی بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ کھینچ لو'یعنی کم کھانے سے صحت بہتر رہے گی' جسمانی صفائی اور خاص طور پر دانتوں کی صفائی کو مذہب کا لازمی عنصر قرار دیا اور اسی طرح کی بے شمار ہدایات تھیں جنہیں آجکل کی زبان میں'صحت کی حفاظتی تدابیر' (Preventive Health Programs) کہا جاتا ہے۔

12.2 زندگی کی طوالت اور ڈیزائن لائف

اوپر دی گئی تمام باتیں اس طرف دلالت کرتی ہیں کہ بہت حد تک جان کا انحصار انسانی صحت کے معیار پر ہے۔انسان موت پر فتح تو حاصل نہیں کرسکتا لیکن یقیناً اسے پیچھے ڈال سکتا ہے۔لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتا ہے یا موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔درحقیقت اللہ تبارک تعالےٰ نے انسانی زندگی کی مدت اس کے پیدائش کے جرثومہ کے اندر ہی متعین کر دی ہے اور سکے جین جین

Marfat.com

(Gene) پر ثبت شدہ ہے۔اس حوالہ سے قرآنِ پاک کی مندرجہ ذیل آیات نہایت قابلِ غور ہیں۔

" اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر پانی کی بوند سے، پھر تمہیں جوڑے جوڑے بنایا۔اور کوئی مادہ نہیں اٹھاتی اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے۔کوئی بھی بڑی عمر کو نہیں پہنچتا، اور نہ ہی عمر میں سے کوئی مدت کم کی جاتی ہے لیکن یہ سب ایک کتاب میں درج ہے۔ اور بیشک یہ اللہ کیلئے آسان ہے"۔سورۃ فاطر35، آیت 11

اس آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہے کہ عمر میں کمی بیشی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ممکن ہے اور یہ سب کچھ ایک کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔دنیا میں شاید یہ کتاب ہمارے جینز (Genes) کا اپنا ریکارڈ ہے۔ماڈرن تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ انسان کا ایک ایک خلیہ (Cell) اپنی نوعیت میں پورا کمپیوٹر ہے۔جس پر انسانی زندگی کا پورا پروگرام درج ہوتا ہے۔اس میں زندگی کی تمام منازل کا ذکر ہے، انسان کی ورثہ میں پائی ہوئی بیماریاں یہاں ہوتی ہیں، وہ کس قدر ذہین ہوگا، اس کی صحت کیسی ہوگی، قد کس قدر ہوگا، اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہوگا، وہ غصہ والا ہوگا، محبت والا ہوگا، ہمدرد ہوگا، ظالم ہوگا، ہونہار ہوگا، غرض کہ انسان کے متعلق سب کچھ اس کے خلیہ خلیہ پر پہلے سے درج ہوتا ہے جس کے مطابق انسانی زندگی کا کلاک چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ آخری حکم آجاتا ہے جس پر زندگی کی حرکت بند ہوجاتی ہے اور انسانی نفس حیات کے بندھن سے آزاد ہوکر عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے۔

جینز (Gense) میں پرگرام شدہ زندگی کی مدت کو ہم انجینئرنگ کی زبان میں ڈیزائن شدہ زندگی یعنی (Design Life) کہہ سکتے ہیں۔اس کا تصور آپ ایسے کریں کہ جب کوئی انجینئر کوئی مشین بناتا ہے اس مشین کی تمام داخلی اور خارجی معلومات کی بنیاد پر اس کی زندگی مقرر کر دیتا ہے اور وہ گارنٹی دیتا ہے کہ اگر اس مشین کی دیکھ بھال مطلوبہ ہدایات کے مطابق کی گئی تو اتنے سال چلے گی لیکن ڈیزائن لائف کا پورا ہونا دیکھ بھال کے معیار پر منحصر ہوتا ہے۔فرض کرو ایک کار کی ڈیزائن لائف 10 سال ہے لیکن اگر مالک اس کی احتیاط نہیں کرتا، وقت پر آئل نہیں بدلتا، اس کی سروس میں کوتاہی کرتا ہے یا غلط طریقے سے چلاتا ہے تو یقیناً وہ کار دس سال نہیں چلے گی۔ بلکہ پہلے ہی ختم ہوجائے گی لیکن وہی آدمی اگر کار کی بہتر سے بہتر احتیاط کرے تو وہ 10 سال سے بھی زیادہ چل سکتی ہے۔البتہ حادثہ کی صورت میں پہلے ہی دن ختم ہوسکتی ہے۔

تقریباً یہی حال انسانی زندگی کا ہے۔خدا تعالےٰ نے انسانی زندگی کو مقرر کر دیا ہے جس کے مطابق آدمی کو دنیا میں اپنی ڈیزائن لائف کو پورا کرنا چاہیے لیکن اکثر لوگ اس حد تک پہنچنے سے پہلے ہی موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً یہ کہ آدمی کسی حادثہ کا نذر ہوگیا جو انسان کے اپنے بس سے باہر ہے ایسی بے وقت کی موت کی صورت میں اللہ تعالےٰ اپنے بندے کو باقی ماندہ ڈیزائن لائف چھینے جانے کا اجر دیتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روائت کی جاتی ہے کہ "جو آدمی ڈوب کر مرگیا، اچانک مکان گرنے سے نیچے آکر مرگیا، کسی نے اسے قتل کر دیا یا کسی اور حادثہ میں قضائے الٰہی سے مرگیا تو وہ شہید ہے"۔

Marfat.com

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ طبعی زندگی کو پہنچنے سے پہلے اس لئے مر جاتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی کی قدر نہیں کرتے اور ایسی بری عادات اپنا لیتے ہیں جن سے موت جلدی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ خودکشی کے مترادف ہے' مثلاً شراب نوشی' سگریٹ نوشی' کم خوابی وغیرہ سے اپنی صحت خراب کر لیتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی جاہلیت کی وجہ سے بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں، مثلاً صفائی جو کہ ایمان کا لازمی جز ہے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے' جراثیموں سے پرہیز نہیں کرتے' اپنی زندگی کو لہولعب سمجھ کر اسے گنواتے پھرتے ہیں۔ دراصل ایسی مضر صحت عادات خودکشی کی طرف اقدام ہیں جو کہ اسلام میں بہت بڑا جرم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ ''جو آدمی اللہ کی دی ہوئی زندگی کا اپنے ہاتھوں سے خود خاتمہ کر لیتا ہے اس پر جنت حرام ہے اور فرمایا کہ موت کی تمنا کرنا اور اسکے لئے دعا کرنا بھی منع فرمایا گیا ہے۔

اس لئے اسلام میں اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو صاف ستھرے ہیں۔ چنانچہ نارمل حالات میں انسان کا مدعا یہ ہونا چاہیے کہ وہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے، ان چیزوں سے بچے جن کی وجہ سے صحت خراب رہ سکتی ہے اور اچھی عادات اپنا کر اپنی ڈیزائن لائف تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالےٰ کی راہ میں صعوبتیں اٹھانے یا جہاد میں شہید ہونے سے اگر ڈیزائن لائف پوری نہیں ہوتی تو یہ اللہ تعالےٰ کیلئے وہ قربانی ہے جس کا وہ بے حساب اجر دیتا ہے۔

12.3 جان کی حفاظت اور بقاء

Marfat.com

اس تمہید سے ہمارا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ انسانی جان جس کی بنیاد مادی ہے اس کی بقاء بھی مادی وسائل پر منحصر ہے۔ یہ کہنا کہ زندگی کی مدت لکھی ہوئی ہے بالکل صحیح بات ہے لیکن ہم میں اکثر ماحول کے اثرات، بیرونی عوامل جن پر ہمارا کوئی اختیار نہیں یا اپنی بداحتیاطی یا حالات کی مجبوریوں کے ہاتھوں اس لکھی ہوئی زندگی سے بہت پہلے ہی مر جاتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث سے بھی اخذ کرتے ہیں (حوالہ (۱) طب نبویؐ اور جدید سائنس۔ ڈاکٹر خالد غزنوی۔ (۲) طب نبویؐ امام ابن قیّم الجوزیہ) مثلاً '' جان خدا کا ایک تحفہ ہے اس کی نگہداشت کرو''۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی سے مروی ہے کہ ''رات کو بھوکا مت سوئیں اس سے زندگی کم ہوتی ہے۔'' اس لیے حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مناسب غذا اور علاج معالجہ کی ہدایت فرمائی۔ خود بھی دوا کا استعمال کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی تلقین کی۔ اسی سلسلہ میں جس جگہ چھوت چھات کی بیماری پھیلی ہو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں جانے اور وہاں کے لوگوں کو دوسری آبادیوں میں جانے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ ہدایت بھی فرمائی ہے کہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ چنانچہ اسلام میں خودکشی بہت بڑا جرم ہے اور جان کی حفاظت بہت بڑی نیکی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ''جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے ساری انسانیت کو بچالیا اور جس نے کسی بے گناہ کو قتل کر دیا گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کیا۔''

خدا کے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحت کی احتیاط کیلئے بھی بہت سی تدابیر بتائیں ہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ '' جب کھانا کھانے لگو تو تھوڑی بھوک رکھ لو، پیٹ بھر کر نہ کھاؤ'' سب لوگ جانتے ہیں کہ زیادہ کھانا انسانی صحت کا کس قدر دشمن ہے۔

آپؐ نے ذاتی صفائی (Personal Hygiene) کی طرف بھی خصوصی توجہ دلائی اور اس کیلئے دانتوں کی صفائی کو لازمی قرار دے دیا۔ (گندے دانت نہ صرف دیکھنے میں برے معلوم ہوتے ہیں بلکہ بیشتر بیماریوں کا باعث بھی بنتے ہیں) احادیث کی کتابوں میں طب نبویؐ ایک مستقل باب ہے جس سے اندازہ ہونا چاہیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم علاج معالجہ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ انہی باتوں کا نتیجہ تھا کہ ابتدائی مسلمانوں میں بیماری تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ جب ایک ایرانی حکیم مسلمان ہوا تو اس نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ مدینہ منورہ میں رہنا چاہتا ہے تاکہ اپنی حکمت کے ذریعہ مسلمانوں کی خدمت کرتا رہے لیکن کچھ عرصہ بعد وہی حکیم حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدینہ منورہ سے جانے کی اجازت طلب کی اور وجہ یہ بتائی کہ "مسلمانوں کی انفرادی اور معاشرتی زندگی اس قدر پاکیزہ ہے کہ یہاں کوئی بیمار نہیں ہوتا اس لئے میری ضرورت نہیں"۔

یہ تمام باتیں اس طرف دلالت کرتی ہیں کہ عام حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کے مطابق زندگی کی طوالت کا انحصار حفظان صحت کی تدابیر، خوراک اور علاج معالجہ وغیرہ کے معیار پر ہے اور جان کی حفاظت اور بقاء کیلئے احتیاط ہر مومن پر فرض ہے۔ حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے "جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا پس وہ شہید ہے۔" لہٰذا اپنی جانوں پر خدا تعالیٰ نے ہمیں اختیار بخشا ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ "اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو"۔ ایک لحاظ سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خدائی قوانین کو توڑنے سے قبل از وقت موت بھی آسکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی گئی ہدایت کے مطابق زندگی گزارنے سے زندگی کی مدت بڑھ جاتی ہے۔ انسان اگرچہ موت پر فتح تو حاصل نہیں کرسکتا لیکن اپنے وقت سے پہلے مرنے سے ضرور بچ سکتا ہے بہرحال جو کچھ ہوتا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی تقدیر کے مطابق ہوتا ہے۔ عناصر بھی اسی کے حکم سے کام کرتے ہیں۔

12.4 زندگی کی مقررہ مدت

اوپر کی بحث میں ہم نے کسی جگہ یہ نہیں کہا کہ زندگی کو بڑھایا جاسکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم اپنی لکھی ہوئی زندگی سے قبل از وقت نہ مرجائیں۔ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے موت کی آرزو کرنے اور دعا کرنے سے منع فرمایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ موت کا کوئی وقت نہیں۔ موت کا وقت مقرر ہے اور اس طرح خدا تعالیٰ کی طرف سے زندگی کی مہلت بھی مقرر ہے لیکن افسوس کا مقام یہ ہے کہ اکثر ہم اپنی ہی کوتاہیوں، غلطیوں اور ناعاقبت اندیشیوں کی بنا پر یا اپنے کنٹرول سے باہر عناصر اور عوامل کی وجہ سے اپنی مقررمدت سے پہلے ہی مرجاتے ہیں اور یوں جان جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک تحفہ ہے اس کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس کی انتہا خودکشی ہے۔ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اس لیے موت سے پہلے مرنے میں بھی قصوروار ہم خود ہیں لیکن بے وقت مرنا بھی قوانین خداوندی ہی کے تحت ہوتا ہے۔ جہاں تک یہ سوال کہ

Marfat.com

کیا عمر پہلے سے مقرر شدہ ہے اس کا جواب 'ہاں' کے علاوہ کچھ اور نہیں لیکن ذات باری تعالیٰ اپنے امر پر غالب ہے۔ اس لئے دعا کی قبولیت سے آئی موت بھی ٹل سکتی ہے۔

12.5 ڈیزائن لائف کی مدت

ہر انسان اپنی زندگی کی مدت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ یہی اس کی ڈیزائن لائف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مارا نہیں جاتا تو وہ زندگی کی اس مدت کو پہنچے گا بصورتِ دیگر اپنے وقت سے پہلے ہی چل بسے گا۔ یہ سوال کہ کسی آدمی کی ڈیزائن لائف کس قدر ہے۔ اس کے جواب کیلئے ہنوز انسانی علم فی الحال بہت ہی محدود ہے۔ ابھی تک انسان اپنے جین (Genes) پر لکھے ہوئے پروگرام کے صرف کچھ حصہ ہی پڑھنے کے قابل ہوا ہے۔ لیکن توقع کی جاسکتی ہے کہ مزید سائنسی تحقیقات کے بعد یہ ممکن ہو جائے گا کہ ٹیسٹوں کے ذریعہ انسان کی ڈیزائن لائف یعنی قدرتی مدت معلوم ہو سکے۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ عموماً ڈیزائن لائف آج کل کی طبعی زندگی سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ پرانے زمانے میں ایسے لوگ بھی تھے جن کی عمریں ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ تھیں مثلاً ارشاد خداوندی ہے کہ:

> "اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان ایک ہزار کم پچاس سال رہا پھر انہیں ایک طوفان عظیم نے آلیا اور وہ ظالم تھے"۔ سورۃ العنکبوت، آیت 14

حضرت نوح علیہ السلام اس طوفان سے بچا لیے گئے اور اس طرح وہ نوسو پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہے۔ اس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی عمر بھی ایک ہزار سال سے زیادہ بتائی گئی ہے۔ اس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانیت کے آغاز کے وقت آدمی کی اوسط ڈیزائن لائف ہزار برس کے قریب تھی البتہ انفرادی طور پر اس سے کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے برعکس فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج کل اگر کوئی آدمی ڈیڑھ دوسو سال کی حدود کو بھی چھو جائے تو وہ ایک معجزہ سے کم بات نہیں سمجھی جاتی۔ انسان کی زندگی کا کم ہوتے جانا اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے جو انسان کے بدلتے ہوئے رہن سہن، بڑھتی ہوئی ذہنی الجھنوں، خوراک میں تبدیلی، موسموں کے تغیر وغیرہ کی وجہ سے ہو، لیکن یہ عمل ہزاروں سالوں پر پھیلی ہوئی وجوہات اور اسباب کی بنا پر ہی ہو سکتا ہے جس کے نتیجہ میں اوسط انسانی عمر سکڑ کر ایک صدی سے بھی کم ہو گئی ہے عین ممکن ہے کہ اب بھی اگر حالات سازگار ہوں تو کبھی انسانی زندگی عمرِ نوحؑ کو پہنچ جائے۔ لہٰذا اگر سائنس کسی طرح آدمی کی زندگی کو لمبا کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو قرآن کریم کے طالب علم کیلئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہوگی بلکہ قدرت کی ایک منشاء پوری ہو رہی ہوگی جسے انسان نے اپنی نادانیوں سے کھو دیا ہے۔

Marfat.com

یہاں یہ واضح کرنا بھی ضروری ہے کہ طبعی موت سے پہلے مرنے پر بھی کسی کا کوئی ذاتی اختیار نہیں دراصل انسان پر ماحول کے اندر اور باہر سے لاکھوں اوامر اثر انداز ہوتے ہیں جس کا صحیح ادراک ماسوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس ذات باری تعالیٰ کے علاوہ کوئی سائنسدان یا محقق موت کا وقت تعین نہیں کرسکتا۔ جہاں تک غیر طبعی موت کا تعلق ہے ناساز گار حالات، قدرتی آفات اور حادثات میں مرنے کے امکان (Proability) بڑھ جاتے ہیں لیکن کلی طور پر ان اتفاقات اور امکانات کا علم بھی صرف رب تعالیٰ کو حاصل ہے اس لیے ماسوائے اللہ تعالیٰ کے موت کے وقت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ البتہ اگر ہم اللہ کی راہ میں صعوبتیں اٹھائیں، بیمار ہوجائیں، زخمی ہوجائیں، یا شہید ہوجائیں تو ایسی موت پر اجرِ عظیم کے حق دار ضرور بن جاتے ہیں۔ بڑے انعام کی بات یہ ہے کہ ایسے آدمی کیلئے ڈیزائن لائف کو پہنچنے سے پہلے مرنے کی صورت میں بقایا زندگی نیکی میں شمار ہوجاتی ہے اور اس کا اجر ان اعمال کی صورت میں ملتا ہے جو انسان مرتے وقت کر رہا ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اپنے طبعی وقت سے پہلے مرجانے میں بہت زیادہ فائدہ کی بات ہے۔

ہم قصور وار وہاں ہیں جہاں ہم جان بوجھ کر اپنی صحت کو نقصان پہنچائیں یا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالیں اور اس طرح دانستہ کوتاہیوں سے اپنی طبعی عمر کی حد کو پہنچنے سے پہلے ہی روح کا رشتہ زندگی سے توڑ دیں۔ یہ زندگی جیسی نعمت کی ناقدری ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری ہے۔ ایسے لوگ نہ صرف خدا تعالیٰ کے ناشکرے ہیں بلکہ روح کیلئے ارتقائے الٰہی کی جانب ترقی کے مواقع ضائع کر کے اللہ کے حضور ایک مجرم کی حیثیت سے پیش ہوتے ہیں۔ مانا کہ موت پر ہمارا کنٹرول نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرامین کے مطابق زندگی کی بقا کیلئے کوشش کرنا تو ضروری ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تحفہ ہے جسے اس کی رضا میں گزارا جائے اور جب بیمار ہوجائیں تو موت مانگنے کی بجائے صحت کی دعا کریں۔

12.6 زندگی کا بڑھنا اور گھٹنا ﴿قرآنی دلیل اور احادیث سے واقعات﴾

ہم پہلے واضح کرچکے ہیں کہ قرآن کریم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ زندگی کی مدت یعنی ڈیزائن لائف مقرر شدہ ہے اور یہ انسان کی تقدیر کا حصہ ہے لیکن تقدیر مقرر کرنے والا تقدیر کو بدل بھی سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امر کو بدلنے پر غالب ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق زندگی میں کمی بیشی ہوسکتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ سورۃ فاطر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

> "اور نہیں کسی (مقررشدہ) عمر والے کو زیادہ عمر دی جاتی اور نہ ہی اس کی عمر میں سے کمی کی جاتی ہے، مگر یہ سب کچھ ایک کتاب میں ہے، بیشک یہ اللہ تعالیٰ کیلئے بہت آسان ہے"۔سورۃ فاطر، آیت 11

اس کا مطلب یہ ہے کہ مقرر شدہ عمر میں زیادتی اور کمی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ آیت مبارکہ کی تشریح میں سید محمد رفاعی اپنی

Marfat.com

تفسیر رفاعی میں لکھتے ہیں کہ جو عمر کم یا زیادہ کی جاتی ہے اس کا نوشتہ بھی پہلے ہی سے موجود ہے یعنی لوحِ محفوظ میں یہ لکھا ہے کہ اگر فلاں شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا تو فلاں وقت تک زندہ رہے گا اور جب نافرمانی کرے گا تو اس کی عمر میں اتنا کم کر دیا جائے گا اس امر کی طرف جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"صدقہ دینا اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک۔ یہ دو باتیں ملکوں کو آباد کرتی ہیں اور عمروں کو زیادہ"۔

سید رفاعی صاحب کے مطابق کہ "ہمیں ایک چیز بھی ایسی معلوم نہیں جو صلہ رحمی (اقارب کے ساتھ مہربانی کا سلوک) کی مانند عمر کو بڑھاتی ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک شخص کی زندگی کے صرف تین برس باقی ہوں اور اس سے صلہ رحمی بن پڑے تو اللہ تعالیٰ اس میں تیس برس کا اضافہ فرما کر 33 برس کر دیتا ہے اور اس سے قطع رحمی ہو جائے تو اس کی عمر میں سے تیس برس کاٹ کر وہاں 33 کی بجائے تین برس ہی رہ جاتے ہیں"۔ (حوالہ تفسیر رفاعی صفحہ 524)

عمر میں کمی یا زیادتی کے ممکنات کے بارے میں مندرجہ ذیل روایات بھی اہم ہیں۔ (یہ واقعات مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب جمال الاولیاء سے لیے گئے ہیں جو دراصل حضرت شیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی کی تصنیف جامع کرامات الاولیاء کی تلخیص ہے جو کہ 1324 ہجری میں تالیف ہوئی تھی)۔

''حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نوجوان فوت ہو گیا اس کی ماں جن کا نام حضرت فریضہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا، بوڑھی اور اندھی عورت تھی۔ ہم نے اس کو کفن دے دیا اور اس کی ماں سے تعزیت کی تو اس نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا ہے ہم نے کہا ہاں مر گیا ہے۔ اس پر اس نے کہا اے اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے آپ کی اور آپ کے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہے۔ بخوشی اسلام لائی، بتوں کو نفرت کر کے چھوڑ آئی ہوں۔ اے اللہ! آپ بتوں کو پوجنے والوں کو میری اس مصیبت سے خوش نہ فرمائیے اور اس مصیبت میں مجھ پر وہ غم نہ ڈالیے جس کے تحمل کی مجھ میں طاقت نہیں۔ خدا کی قسم ابھی اس کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مرے ہوئے لڑکے نے اپنے چہرے پر سے پردہ اٹھایا اور پھر کھانا کھایا، ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کے بعد اپنی ماں کے مرنے تک وہ زندہ رہا''۔ (بحوالہ ابن عدی اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی وغیرہ)

بیہقی اور ابن عساکر سے روایت ہے کہ "حضرت سعد بن ابی وقاص شدید مرض میں مبتلا تھے اور بچنے کی کوئی امید باقی نہیں تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے اللہ! میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں تو مجھ سے موت کو اتنا موخر کر دے کہ بالغ ہو جائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور بیس سال کیلئے ان کی موت موخر کر دی گئی"۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی وجہ سے مستجاب الدعا تھے یعنی آپ

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعا رد نہیں جاتی تھی۔ حاکم نے قیس سے روایت کی ہے کہ "ایک دفعہ ان کے سامنے کسی شخص نے حضرت علی علیہ السلام کو برا بھلا کہا تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! یہ شخص آپ کے ولی کو برا بھلا کہہ رہا ہے آپ اس مجمع کی اس وقت تک متفرق نہ کیجئے جب تک کہ اپنی قدرت نہ دکھائیں۔ تو خدا کی قسم ہم لوگ متفرق نہ ہوئے تھے کہ اس کی سواری زمین میں دھنسنے لگی اور اس نے اس کو کھوپڑی کے بل پتھروں پر پھینک دیا جس سے اس کا دماغ پھٹ گیا اور وہ مر گیا"۔

بخاری و مسلم اور بیہقی نے عبدالمالک بن عمر کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ "ایک شخص نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانت اور دیانت پر بہتان باندھا تو حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اس کی عمر دراز کردے اور اس کی تنگ دستی دراز کردے اور اس کو فتنوں میں ڈال دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بہت بوڑھا ہو گیا تھا، بڑا تنگدست تھا اور طرح طرح کے فتنوں میں مبتلا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میرا یہ حال سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا سے ہوا ہے"۔

اوپر کی احادیث اور روایات اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں کہ عمر مقرر ہے لیکن صدقہ، صلہ رحمی، دعا یا دوا سے اللہ تعالیٰ اس میں کمی بیشی کر دیتا ہے۔

12.7 زندگی کی طوالت کا راز اور مقصد حیات

سائنسی طور پر یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ زندگی کی طوالت کا ایک راز حفظان صحت کے اصولوں میں ہے۔ جو قومیں اپنی صحت کا خیال رکھتی ہیں ان کی عمریں بھی نسبتاً زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ عمروں کی طوالت، ماحول اور علاقہ پر بھی منحصر ہے مثلاً وادی ہنزہ کے لوگ مجموعی طور پر اپنی لمبی عمروں کی وجہ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں لیکن ان تمام چیزوں کے علاوہ زندگی کی طوالت کا راز زندگی گزارنے کے مقصد میں بھی ہے جسے بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ وہ لوگ وقت سے پہلے نہیں مرتے جن کے سامنے کوئی منزل ہو اور اس کیلئے کوشاں ہوں، خدا تعالیٰ اکثر انہیں اپنی منزل تک پہنچنے کی مہلت دیتا ہے اور جب ان کی زندگی کا وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو پھر انہیں اپنے پاس بلا لیتا ہے یعنی دنیا پر وہ مقصد کی ضرورت سے نہ زیادہ نہ کم رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لمبی زندگی کے لئے دیگر چیزوں کے علاوہ ضروری ہے کہ آدمی ایک پر مقصد زندگی بھی گزارے۔

یہ بھی یاد رہے کہ عموماً مقصد کی تکمیل موت کا پیغام بھی ہوتا ہے اور مقصد پورا ہونے کے بعد لوگ جلدی انتقال کر جاتے ہیں۔ بیشمار ایسی مثالیں ہیں کہ جب ان کا مقصد پورا ہو گیا تو اس کے بعد وہ مر گئے مثلاً قائداعظم محمد علی جناح باوجود ایک کمزور صحت کے آدمی تھے، پاکستان کے حصول تک وہ سخت محنت بھی کرتے رہے اور ٹھیک ٹھاک رہے، جب پاکستان بن گیا تو ایک سال بعد رحلت فرما گئے۔

خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے بھی ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ جب آیت اکملت لکم دینکم نازل ہوئی تو

Marfat.com

مسلمان خوشیاں منا رہے تھے کہ ان کا دین مکمل ہو گیا لیکن ایک مزاج شناسِ رسول رو رہا تھا۔ یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، جب لوگوں نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ میرا یہ رونا جدائی کے ڈر سے ہے، جب دین مکمل ہو گیا ہے تو پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی کا مقصد بھی پورا ہو گیا ہے جس کے بعد آپ کا مزید دنیا میں رہنا بے سود ہے۔ چنانچہ آیت مبارکہ کے نزول کے چند ماہ بعد ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

مقصد اور زندگی کی طوالت کے درمیان تعلق کو سمجھنے کیلئے آپ ان لوگوں کی زندگیوں کا مطالعہ کریں جن کی زندگی کا مشن اپنے مقصد کا حصول تھا۔ عموماً آپ دیکھیں گے کہ ایسے لوگ نہ صرف بڑی عمر پاتے ہیں بلکہ آخری دم تک مستعد بھی رہتے ہیں۔ ہمارے سامنے انہی میں قائد اعظمؒ، امام خمینیؒ، گاندھی، چرچل، برناڈ شاڈ، برٹن رسل، ماؤزے تنگ، ہو چی منہ، غرضیکہ بہت سے مشاہیر کی مثالیں ہیں جو مقصد کی تکمیل کی لگن میں ایسے لگے کہ موت بھی ان کا سامنا کرنے سے ڈرتی تھی۔ آپ کا شاید یہ بھی مشاہدہ ہو کہ وہ لوگ جو گورنمنٹ ملازمت میں ہیں جب ریٹائرڈ ہو جاتے ہیں تو ان میں سے اکثر پانچ دس سال کے اندر اندر ہی ختم ہو جاتے ہیں لیکن وہ لوگ جو کاروباری ہیں اور ریٹائرڈ نہیں ہوتے وہ نسبتاً لمبی عمر کو پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ ایک ریٹائرڈ آدمی جینے کی دھن کھو دیتا ہے، اس کیلئے زندگی بیکار ہو جاتی ہے اور وہ بھی زندگی کے لئے بیکار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جلد ہی اسے موت آلیتی ہے۔

مغرب کے لوگوں کی عمریں بڑھنے میں یقیناً یہ بھی ایک عنصر ہے کہ وہ اپنے آپ کو زندگی سے ریٹائرڈ نہیں ہونے دیتے اور اکثر ایک بامقصد زندگی گزارتے ہیں چنانچہ آپ انہیں آخری دم تک کسی دھن میں لگا ہوا پاتے ہیں۔ یہ صرف چند ایک مثالیں تھیں۔ مجھے یقین ہے جب آپ خود غور فرمائیں گے تو اس نظریہ کی حمایت میں آپ کو کئی اور مثالیں بھی مل جائیں گیں۔ ہماری اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ رہنے کیلئے مقصد ضروری ہے۔ مقصد زندگی کو طوالت بخشتا ہے۔ لہٰذا اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو زندگی کو بامقصد رکھو اور اپنی منزل کے حصول کیلئے متواتر دل وجان سے کام کرتے جاؤ پھر آپ دیکھیں گے کہ کیسے موت پیچھے ہٹتی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کس طرح مہلت دیتا جاتا ہے۔

12.8 موت کا وقت

جیسے ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونا چاہیے کہ موت کا وقت مقرر نہیں۔ لیکن جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ آدمی اپنی غلط کاریوں اور خواہشات کی وجہ سے اس مقرر شدہ وقت سے پہلے خود اپنی قبر کھودنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر کسی آدمی کی زندگی کو متاثر کرنے والے تمام عوامل کا کسی طرح احاطہ ہو سکے تو سائنسی حساب سے اس کی عمر کے بارے میں کسی حد تک حساب لگانا ممکن ہوگا۔ اس لیے اگر آنیوالے وقتوں میں سائنس ایسے عوامل کے تجزیہ سے بتا سکے کہ کسی آدمی کی بقیہ عمر کیا ہے تو چونکہ انسان کا ایک ایک سیل، ایک ایک حرکت اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لیے وہ جانتا ہے کہ کون کب مرنے والا ہے اور چونکہ وہی سب قوانین کا مالک اور خالق ہے اس لیے موت خواہ وقت سے پہلے ہو یا طبعی اسی کے حکم سے وارد ہوتی ہے اور وہ جو چاہے کرتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

"اور کوئی نفس نہیں مرسکتا بغیر حکم اللہ کے ۔سب کا وقت مقرر ہوچکا ہے"۔ سورۃ آلِ عمران، آیت145

"ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور تم کو پورا بدلہ ملے گا دن قیامت کے جو آگ سے بچ کر جنت میں داخل ہوا وہ اپنی مراد کو پاگیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکہ کا مال ہے"۔ سورۃ آلِ عمران، آیت185

12.9 دعا اور درازیٔ عمر

موت حیاتیاتی خلیات کی انتہائی تخریب کا وقت ہے۔خلیات کی یہی موت انسان کی زندگی کا خاتمہ ہے اور روح کے انتقال کا وقت بھی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق روح انسانی اور روح حیوانی (زندگی) کا ساتھ اس وقت تک رہتا ہے جب تک حیاتیاتی تخریب سے روح حیوانی ختم نہیں ہوجاتی۔اس وقت روح انسانی جو مصداق سواری کے ہے روح حیوانی سے محروم ہوجاتی ہے سواری کے جانے سے اس کا رشتہ اسباب کی دنیا سے بھی کٹ جاتا ہے اور وہ عالم ارواح کو منتقل ہوجاتا ہے۔

لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ حیاتیاتی خلیات کا عمل بھی وہی خدا کنٹرول کرتا ہے جس کے قوانین کے تحت ہم وجود میں آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ناامید اور لاعلاج مریض بھی بعض اوقات معجزانہ طور پر بچ جاتے ہیں۔یہ وہ موقع ہوتا ہے کہ جب ڈاکٹر اپنی جدوجہد سے مایوس ہوکر لواحقین کو دعا کیلئے کہتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ بارگاہ ایزدی نے کسی ماں باپ، کسی بہن، بیوی یا کسی معصوم کی دعا قبول کرلی اور مردہ جسم میں بھی جان ڈال دی۔احادیث سے اس کی مثالیں اوپر دی جاچکی ہیں۔

اسلامی روایات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنی ساری زندگی یا اس میں سے کچھ حصہ کسی کو ہدیہ بھی کرسکتا ہے۔طریقہ یہ ہے کہ انسان نہایت صدقِ دل سے دعا کرے کہ یاباری تعالیٰ اگر مریض کی زندگی ختم ہوچکی ہے تو میں تیری وساطت اور حکم سے اپنی زندگی میں اتنے سال یا ساری کی ساری زندگی اپنے اس مرنے والے عزیز کو تحفہ کرتا ہوں مجھے موت دے دیجئے اور اس کے بدلے میں اس کو میری زندگی عطا کردیجئے۔بیشک تو جس کو چاہے زندگی دے اور جسے چاہے موت دے۔اس ضمن میں شہنشاہ بابر اور ہمایوں کا واقعہ تو بہت ہی مشہور ہے۔ہمایوں بادشاہ شہنشاہ بابر کا اکلوتا بیٹا تھا اس کے تخت وتاج کا وارث۔ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ہمایوں بہت بیمار ہوگیا حتیٰ کہ وقت کے تمام اطباء اور حکماء شہزادے کی زندگی بچانے سے مایوس ہوگئے لیکن خدا پر یقین رکھنے والا باپ اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں تھا۔اس پریشانی کے عالم میں بادشاہ نے تمام مصاحبین کو شہزادے کے کمرے سے باہر جانے کو کہا اور خود اس کی جگہ مرنے کیلئے تیار ہوگیا۔وہ ایک رقت آمیز منظر تھا جب ایک بادشاہ نہیں بلکہ

ایک مجبور باپ انتہائی عاجزی سے اپنے بیٹے کی چارپائی کے اردگرد چکر لگا رہا تھا اور رورو کر دعا کر رہا تھا۔ "اے بارگاہِ الٰہی بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے۔ بابر کی زندگی لے لے اور ہمایوں کی جان بخش دے"۔ ابھی وہ ساتویں چکر ہی میں تھا کہ قریب المرگ ہمایوں نے آنکھیں کھول دیں اس طرح بابر کی جان کا صدقہ قبول ہو چکا تھا، بیٹا بچ گیا لیکن شہنشاہ خود بستر مرگ پر تھا۔

یہ تو تاریخ میں ایک بادشاہ کا واقعہ ہے لیکن آپ خود بھی کئی ایسے معجزانہ طور پر موت سے بچنے کے واقعات جانتے ہوں گے۔ امریکی سائنسدان ڈاکٹر موڈی اور دیگر سائنسدانوں کے مشاہدات (جن کا تفصیلاً ذکر ہماری کتاب حیات بعد الموت میں آ چکا ہے) میں بھی جو لوگ مرنے کے بعد زندہ ہوئے ان میں سے بھی کچھ لوگوں نے بتایا ہے کہ مرنے کے بعد وہ دنیا میں دوبارہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن ان کے لواحقین کی پر اثر دعاؤں نے انہیں واپس کھینچ لیا۔

12.10 سکرات موت

سکرات موت کا مطلب وہ تکلیف ہے جو آدمی کو جانکنی کے وقت پیش آتی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے اسلامی اکابرین کا خیال ہے کہ انسان کے لئے سکرات موت انتہائی بھاری اور مشکل موت ہے۔

جہاں تک جدید تحقیق کا تعلق ہے وہ بھی یہ مانتے ہیں کہ موت کے وقت انسان انتہائی بے چینی کے عالم میں ہوتا ہے آخر ایسا کیوں نہ ہو؟ اگر جسم میں کسی جگہ معمولی سا زخم ہو جائے تو درد کی کیسی کیسی ٹیسیں اٹھتی ہیں لیکن موت کے وقت تو ایک ایک خلیہ ٹوٹ جاتا ہے اس لیے انسان کے اوپر اس سے بڑی تکلیف کیا ہو گی۔

جان ہماری رگ رگ میں پیوستہ ہے۔ قبضِ روح کے وقت جب یہ کھینچی جاتی ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے انسان کانٹے دار جھاڑیوں میں کھینچا چلا جاتا ہو لیکن موت کے وقت چونکہ انسان کے چیخنے چلانے کی قوتیں جواب دے چکی ہوتی ہیں اس لیے وہ فریاد نہیں کر سکتا۔

موت کے وقت کی تکلیف کسی پر بھی آسان نہیں ہے۔ اولُ العزم پیغمبرؑ بھی اس سے نہیں بچے۔ حدیث پاک ہے کہ وفات کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے کہ "اے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر موت کو آسان کر دے"۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس سے پہلے میں سوچا کرتی تھی کہ موت کی سختی صرف گنہگاروں پر آتی ہے لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کو دیکھ کر اب مجھے پتہ چلا کہ جان کنی کی تکلیف بھی انسان کے درجات کو بلند کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ سے مومن کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے وہ جن کی موت آسان ہوتی ہے کوئی قابل رشک بات نہیں۔

12.11 سکرات موت گناہوں کا کفارہ اور روح کی سربلندی کا ذریعہ

احادیث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ چیز عیاں ہے کہ انسان پر جو تکالیف قدرتی طور پر آتی ہیں اور آ رہی ہیں ان کو صبر اور

Marfat.com

خدا کی رضا سمجھ کر برداشت کرنا چاہیے۔ یہ سب تکالیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کیلئے امتحان کے پرچہ جات ہیں اگر انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے صبر سے برداشت کیا جائے تو روح کی سربلندی کا باعث بنتی ہیں۔ بیماری تو بیماری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن کے پاؤں میں جو کانٹا چبھتا ہے بشرطیکہ وہ صبر کرے اس کیلئے باعث درجات ہے۔ اسی بنیاد پر یہ مسئلہ متفقہ علیہ ہے کہ زندگی میں تمام اعمال حسنہ کے باوجود بھی روح کیلئے کچھ درجات ابھی باقی رہ جاتے ہیں۔ جس کا حصول صرف جان کنی کی سختی برداشت کرنے سے آسان ہو جاتا ہے۔ امام غزالی اپنی کتاب 'کیمیائے سعادت' میں لکھتے ہیں کہ اگر کافر دنیا میں نیک اعمال کرتا رہا تو اس پر قبض روح کا مرحلہ آسان رہتا ہے تا کہ اس کی نیکی کا اس کو بدلہ مل جائے اور اللہ تعالیٰ پر آخرت میں اس کا کوئی حق نہ رہ جائے۔ شاید یہی وجہ ہو کہ مغربی سائنسدانوں کے مشاہدات (باب نمبر 15,14) میں عارضی موت سے زندہ ہونے والے اکثر افراد نے سکرات موت کا کوئی زیادہ ذکر نہیں کیا۔

سکرات موت کے وقت ایک عام انسان پر دو طرح کی تکالیف وارد ہوتی ہیں۔ ایک تکلیف روحانی جس میں اسے دنیا چھوڑنے کا غم اور رنج شامل ہے اور دوسری تکلیف جسمانی یہ وہ وقت ہے جب خون کی گردش کم ہو رہی ہوتی ہے اور خلیات کے او پر شدت سے توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہوتا ہے چنانچہ موت کا کھچاؤ، اس کی گھٹن، تکلیف اور درد نس نس اور رگ رگ میں ہونا قابل سمجھ ہے۔ مرغ بسمل کو کس نے نہیں دیکھا۔ اس وقت یہی حال انسان کا بھی ہوتا ہے لیکن بعض بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں دماغ موت سے بہت پہلے ہی ماؤف ہو جاتا ہے۔ آدمی پر سکتہ طاری ہو جاتا ہے اور اس طرح بیہوشی کے عالم میں موت آتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایسے حالات میں درد محسوس کرنے والی حسیات مفلوج ہو جاتی ہوں اور آدمی موت کے مرحلوں سے آسانی سے گزر جاتا ہو لیکن یہ اس کیلئے اچھا نہیں۔ گناہ کے کفارہ اور توبہ کا آخری موقع بھی یونہی گزر گیا یہی وجہ ہے کہ اچانک موت سے پناہ مانگی گئی ہے اور اچانک اموات کی زیادتی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

نزع کے وقت سکرات موت اختیاری نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ جو کسی پر ظلم نہیں کرتا، انسان کو اس فطری تکلیف کے بدلے بلند درجات عطا کرتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس حقیقت کا ادراک رکھتے ہیں وہ سکرات موت کو بھی خوش آمدید کہتے ہیں اور وہ ان دواؤں کا سہارا لینا پسند نہیں کرتے، جو موت کی تکلیف کے احساس کو مصنوعی طریقہ سے ختم کر دیں، بہر حال موت آرام سے آئے یا تکلیف سے، یہ قیامت کی طرف پہلا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

"اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کرجانا ہے یہ وعدہ ہے اللّٰہ کا سچا وہی خلق کو پہلی بار بناتا ہے او رپھر اس کو دہراتا ہے تاکہ بدلہ دے ان کو جوایمان لائے تھے اور جنہوں نے نیک نیتی کے ساتھ اچھے کام کیے تھے۔ اور کافروں کیلئے ہے پینے کو کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے یہ بدلہ ہے ان کے کفرکا"۔ سورۃ یونس، آیت 4

Marfat.com

12.12 الوداعی وقت

نزع کا وقت روح کیلئے دنیا سے الوداع ہونے کا وقت ہے۔اس وقت انسان کو جلدی جلدی دوسری دنیا کے آثار نظر آنے لگتے ہیں اور یہ دنیا اس سے دور ہٹتی جاتی ہے۔اس وقت زندگی کے جو چند لمحات باقی ہیں وہ انتہائی قیمتی ہیں۔یہ انسان کی پوری زندگی کا خلاصہ ہے۔وہ لوگ جن کا ضمیر صاف نہیں وہ اس وقت بھی دنیا کے خیالات سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔انہیں زندگی کی تمام کمائی ہاتھوں سے نکلتے معلوم ہوتی ہے اس لیے وہ کسی صورت میں بھی مرنا نہیں چاہتے۔قرآن کریم سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے فرشتے ایسے لوگوں کی روحوں کو زبردستی نکال کر لے جاتے ہیں۔ان کیلئے موت کا وقت انتہائی حسرت و یاس والم کا وقت ہوتا ہے۔اس لمحے وہ اپنی پوری عمر کی محنت کو ضائع ہوتے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور آگے بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ہوسکتا ہے کہ اس وقت اس کے بیٹے، بیٹیاں، اہل خاندان، عزیز، رشتہ دار اور دوست سب ہی اس کے ارد گرد جمع ہوں لیکن وہ اس کیلئے مزید مایوسی کا باعث ہوتے ہیں۔وہ جانتا ہے کہ دنیا کے یہ لوازمات اب اس کیلئے ایک ایک کر کے بیکار ہوتے جارہے ہیں۔اس وقت گزری ہوئی زندگی کے تمام لمحات بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے آرہے ہوتے ہیں۔وہ دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کی زندگی بھر کی کمائی ضائع ہوگئی اور آخرت کیلئے اس کا توشہ خالی ہے اور جس طرح حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ایک تلخ حقیقت اس کے سامنے ہوتی ہے۔

> "جس نے ہدایت پائی تو اس نے اپنے نفس کیلئے ہی ہدایت پائی اور جو گمراہ ہوا تو یہ گمراہی بھی اسی کیلئے ہے اور کوئی نفس کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ رسول نہ بھیجیں"۔
>
> سورۃ بنی اسرائیل، آیت 15

حقیقت یہ ہے کہ وقت نزع پوری زندگی سے زیادہ اہم ہے۔زندگی کے چند لمحات باقی ہیں اور اس آخری وقت کے اعمال، خیالات اور بول چال ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔یہ نتیجہ نکلنے کا وقت ہے۔اگر اس وقت اللہ یاد رہا تو قبر میں بھی اللہ تعالیٰ یاد رہے گا۔یہ وقت ایک پردے کو عبور کر کے دوسرے پردے میں داخل ہونے کا وقت بھی ہے، یہاں پر ایک سفر کا اختتام ہوتا ہے اور دوسرے سفر کا آغاز ہوتا ہے۔پرانے ساتھیوں سے الوداع کا وقت ہے اور آگے آنے والوں کا کوئی پتہ نہیں۔اس لیے یہ ایک نایقینی کا بھی وقت ہے۔اگر آپ اس وقت مرنے والے کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کو یاد کریں۔کلمہ طیبہ کا ورد کریں اور اس کی فلاح کیلئے دعا کریں۔البتہ مومنین کیلئے یہ دنیا کی قید سے آزادی کا وقت ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ارضی حیات کو امتحان سمجھا اور اپنے رب کے قرب کیلئے محنت کرتے رہے۔ان کیلئے موت اپنے مدعا کے حصول کا وقت ہے اور اپنے ایمان کو حقیقت میں دیکھنے کا وقت ہے۔بیقراری ان کو بھی ہے لیکن یہ بیقراری اپنے رب سے جلد ملاقات کے شوق کی وجہ سے ہے۔ان

کیلئے یہ وقت دنیا کے کٹھن دور کے اختتام کی گھڑی ہے اور خوشی خوشی موت کو خوش آمدید کہتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ کے حضور حاضر ہو جاتے ہیں۔

12.13 نفس کی پرواز

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا پیغام ہے (اقبال)

ہم اس مسئلہ پر پہلے ہی سیر حاصل بحث کر چکے ہیں کہ نفس اور زندگی دو مختلف چیزیں ہیں اور موت دراصل جسم کی زندگی کی موت ہے جب کہ نفس کو ہمیشہ کیلئے بقاء ہے۔ جسم کی موت حیاتیاتی خلیات کی تباہی کی وجہ سے ہے اور اس ضمن میں ہمارے اور دوسرے حیوانات میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ اس طرح سکرات موت کی تکلیف کی وجہ بھی حیاتیاتی ہے جہاں تک جسم سے نفس کا جدا ہونے کا مسئلہ ہے وہ حیاتیاتی موت کے عوامل سے ایک جدا مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نفس اور جسم کا بندھن اتنا مضبوط نہیں کہ نفس جسم کے تابع ہو کر رہ جائے، بلکہ زندگی میں تقریباً ہر روز نیند کے عالم میں یہ جسم سے علیحدہ ہوتا رہتا ہے اور بیداری پر پھر واپس آجاتا ہے اس لیے نفس کا جسم سے جدا ہونا حیاتیاتی موت کا باعث نہیں بنتا۔ لیکن جسم کی موت کے بعد چونکہ نفس کیلئے دنیا میں رہنے کا سبب ختم ہو جاتا ہے اس لیے وہ عالم ارواح کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ اس کی مثال کسی مکان کے مکین کی ہے اگر مکان تباہ ہو جائے یا اس سے چھین لیا جائے تو وہ وہاں سے ہجرت کر جاتا ہے۔ اس کی دوسری مثال اس مسافر کی ہے جب اس کی روانگی کا وقت آجاتا ہے تو وہ خود گھر کی بتیاں بجھا کر باہر نکل جاتا ہے۔

قرآن کریم میں روحانی موت کا بھی ذکر ہے۔ یہ ان لوگوں کی موت ہے جو بظاہر تو زندہ ہیں لیکن ان کی روح اس قدر پراگندہ ہو چکی ہوتی ہے کہ اس سے ہدایت کی روشنی نکلنا بند ہو جاتی ہے اور یوں ایسے لوگوں کا قلب روحانی روشنی سے بے نور ہو جاتا ہے۔ انہیں قرآن کریم روحانی لحاظ سے مردہ قرار دیتا ہے۔ انہیں حیوانات بلکہ حیوانات سے بھی بدتر کہتا ہے۔

Marfat.com

حصہ سوم

انسان کی ماوراء شخصیت

باب نمبر13 زندگی روح اور نفس

باب نمبر14 روحوں پرمغربی سائنسی تحقیقات

باب نمبر15 ڈاکٹر موڈی کے 'بعداز موت مشاهدات' کی تفصیلات اور تجزیہ

باب نمبر16 روح کی خوشبو

باب نمبر17 خوش بخت نفوس اور بدبخت بھوت

باب نمبر18 بھوت پریت ، جنات وغیرہ کا چڑھنا اور ان سے نجات کے طریقے

باب نمبر19 مر کر زندہ ھونے والوں کے مشاهدات اور عالم برزخ کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ

باب نمبر20 بعد الموت کی شعوری حالت اور شھداء کے اجسام کا محفوظ رھنا

باب نمبر21 بعدالموت کی زندگی اور حالات قبر

باب نمبر22 روحوں سے براہ راست یا خواب میں ملاقات

باب نمبر23 کامیاب زندگی اور روحانی ارتقاء

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 13

زندگی روح اور نفس کے متعلق بنیادی مسائل

13.0 تعارف

انسان کا سب سے بڑا روحانی اور سائنسی مسئلہ اس کی اپنی پہچان ہے، وہ کیا ہے، کدھر سے آیا ہے، حقیقی خوشی کیسے مل سکتی ہے؟ کیا اس زندگی کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اور اگر ہے تو موت کے بعد کیا ہوگا؟ اس کیلئے زندگی کیسے گزارنی چاہیے؟ دنیا کے تمام مذاہب کا مدعا بھی انہی سوالوں کا جواب فراہم کرنا ہے اور یہی سائنس جاننا چاہتی ہے۔ اکیسویں صدی میں انسان اگر خود اپنے ہاتھوں ہلاک نہیں ہو جاتا تو شاید اسے کسی حد تک ان کا سائنسی جواب بھی مل جائے۔ خوش قسمتی کی بات یہ ہے کہ اب بہت سے سائنسدانوں کی جستجو کا محور انسان کی تخلیق بن چکا ہے لیکن اکیلی سائنسی جستجو اس منزل کو پانے کے لئے کافی نہیں۔ حقیقت تک پہنچنے کیلئے انہیں بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تعلیمات سے فائدہ اٹھانا پڑیگا اور اس سلسلہ کی آخری اور مکمل ہدایت قرآن پاک سے رہنمائی لینا لازمی ہوگی۔ قرآن حکیم سے جو ہم سمجھے ہیں اس کے مطابق جب حضرت آدم علیہ السلام اپنے ڈیزائن سے نکل کر فرشتوں کے سامنے لائے گئے تھے تو دیکھنے والے کیلئے یہ بالکل ایک نئی تخلیق تھی۔ دوسری طرف اس عظیم منصوبہ کی تکمیل کیلئے زمین پر اس کا جسم بھی مختلف ادوار سے گزر رہا تھا وہ مقصود کائنات تھا اور یوں اس کے ارتقاء کے اندر سے بیشمار مخلوقات نکل رہی تھیں۔ اس عمل میں ہونے والا انسان مختلف ابتدائی مدارج سے گذر رہا تھا جیسے بڑی ڈگری کے حصول کے لئے چھوٹی جماعتوں سے گذرنا پڑتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو جنت میں دیکھ کر فرشتوں نے جو اس کی خلافت پر حیرانی کا اظہار کیا تھا اس کی وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ وہ زمین پر اس سے ملتے جلتے ڈیزائن کے ارتقا پذیر انسانی اجسام دیکھ رہے تھے۔ انہی دو پاؤں پر چلنے والے انسان نما حیوانات کو دیکھ کر فرشتے عجیب غلط فہمی میں بھی مبتلا تھے کہ جس تخلیق کو اشرف المخلوقات کا خطاب ملنے والا تھا اس کے کرتوت لہو ولعب، خون خرابہ والے نظر آتے تھے لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ سب تو راستہ کی دھول تھے۔ آپ سے پہلے پیدا ہونے والی مخلوقات میں سے کچھ خالص روحانی تھیں اور کچھ خالص حیوانی۔ جب کہ نیا آنے والا شاہکار بیک وقت روحانی اور حیوانی مخلوق ہوگا۔ یوں آدم علیہ السلام روح اور جسم کا حسین امتزاج اور تخلیق کے عمل میں ایک بیمثال اڑان تھے اور تخلیق کے میدان میں بالکل ایک نئی ہستی تھے۔

قرآن کریم سے حضرت انسان کی جو داستان ہم دیکھتے ہیں وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے انسان کا ماڈل حضرت آدم علیہ السلام کی شکل میں جنت میں تیار ہوا۔ **احسن التقویم** یعنی اعلیٰ ترین ڈیزائن کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خصوصی تخلیق فرمائی اور اس میں اپنی کئی صفات ودیعت فرمائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خالق کائنات نے اس میں اپنی روح پھونک دی جس سے وہ خدائی صفات کا مظہر بن کر سامنے

Marfat.com

آیا۔علمی امتحان اس میں کامیابی اور فرشتوں کو سجدہ کا علم اسی سلسلہ کی کڑی تھیں۔یہی مقصودِ کائنات تھا اور اسی سے زمین پر اتر کر نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہونا تھا۔ایسی تخلیق جو اپنے خالق کی عارف ہو۔

اس عظیم تجربہ کی دنیاوی مثال اعلیٰ قسم کی صنعتی مصنوعات بنانے کی منصوبہ بندی سے دی جاسکتی ہے۔سب سے پہلے کچھ اعلیٰ دماغ اس منصوبہ کے خدو خال نمایاں کرتے ہیں پھر تفصیلات طے ہوتی ہیں پھر اس کا ڈیزائن ہوتا ہے اور اس ڈیزائن کو کسی خاص لیبارٹری میں اس کا پروٹو ٹائپ (Proto Type) آزمائشی ماڈل بنایا جاتا ہے پھر اس کی ٹیسٹنگ ہوتی ہے۔ماڈل کی کامیاب ٹیسٹنگ کے بعد اس کا ڈیزائن فیکٹری کے حوالہ کردیا جاتا ہے جہاں ضرورت کے مطابق اس کی لاکھوں کروڑوں نقلیں صنعتی طریقوں سے بنتی رہتی ہیں اور مارکیٹ کی جاتی ہیں مارکیٹ بذات خود بھی ایک ٹیسٹ گاہ ہے۔انسان کی تخلیق کے بھی کچھ ایسے ہی مراحل تھے۔اس کا ڈیزائن اور ماڈل جنت میں بنا، وہیں اس کی ٹیسٹنگ ہوئی لیکن اس کی پیداوار (Mass Production) کیلئے زمینی فیکٹری ہے یہاں قیامت تک وہ سلسلہ تولید سے پیدا ہوتے رہیں گے، اسی میں جوان ہوتے ہیں اور اسی میں مرتے ہیں اور وہیں سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے اور یہیں ان کی مارکیٹ ٹیسٹنگ ہوتی ہے۔

اس لمبے سفر میں انسان کی تخلیق، اس کی نشوونماء اور انجام کے متعلق کچھ حقائق کا تعلق تو عالم ظاہر سے ہے اور کچھ کا بنیاد ایمان بالغیب سے ہے۔مندرجہ ذیل میں ہم ان مسائل کا قرآن کریم کی رہنمائی اور موجودہ سائنس کی دریافتوں کے حوالہ سے تجزیہ کریں گے۔

13.1 ایمان بالغیب

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نفس اور روح کیا چیز ہیں؟ یہ ایک انتہائی بنیادی سوال ہے۔اگرچہ ایمان بالغیب والوں کیلئے ایسے سوالات کوئی وقعت نہیں رکھتے، تقویٰ اور بصیرت کا تقاضہ یہی ہے کہ انسان ان مسائل کے پیچھے سرگرداں نہ ہو اور قرآن کریم کی تعلیمات کو بغیر سوال کیے مانتا جائے۔درحقیقت اعلیٰ یقین وہی ہے جو بالغیب ہو۔چنانچہ قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف کی گئی ہے کہ "وہ غائب پر یقین لانے والے ہیں"۔(3)2۔ایمان کی یہی کیفیت انسانی سکون اور اطمینان کی ضمانت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان بالغیب، ایمان بالحاضر کا پیش خیمہ ہے یعنی انسان جب ایمان بالغیب کی گھاٹیوں کو عبور کرتا جاتا ہے تو ایک مقام پر اس پر اصل حقیقت خود بخود عیاں ہونے لگتی ہے اس مقام کے بعد ایمان بالغیب شک وشبہ سے بالاتر علم الیقین کی حدود میں وارد ہو جاتا ہے، تب آنکھ ظاہر بین نہیں بلکہ عین الیقین اور حق الیقین والی کیفیات سے لطف اندوز ہوتی ہے، حجاب اٹھ جاتے ہیں اور حقیقت سے وصل بالواسطہ حاصل ہونے لگتا ہے۔اس سلسلہ میں بھی اسلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ایمان بالغیب کی بنیاد بھی دلیل پر ہونا چاہیئے۔فرمایا''**فاتو برھانکم ان کنتم صادقین** ''قرآن کریم یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ ہر چیز کی تخلیق کا غائیت انسان ہے یہی وجہ ہے کہ ہر چیز کا ڈیزائن اس سے نکلا ہے اور اسی لئے دیگر مخلوقات اس کیلئے مسخر کردی گئی ہیں۔اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ انسان کی خدمت کرو۔چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں ہر چیز کی زبردست خواہش ہے

کہ انسان اس کا تصرف کرے، اس کی کوئی خدمت کرے۔ انسان کا یہ اعزاز اس لئے ہے کہ تمام کائنات میں شعوری طور پر وہی عارف رب کائنات ہے۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "رب تعالیٰ ایک مخفی خزانہ کی مانند تھا۔ اس نے چاہا کہ پہچانا جاؤں جس کے لئے اس نے اپنی ہی روح سے انسان کو بنایا اور اس کی خاطر کائنات کو بنایا اور اسے علم الاشیاء عطا کیا (حدیث قدسی)۔ اس کی تشریح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی ملتی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کا نور بنایا۔ یہ چاند تھا نہ سورج نہ ستارے کچھ بھی نہیں تھا کہ رب تعالیٰ نے عارفوں کے عارف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور کے اظہار کے لئے کائنات کو بنایا۔ یوں پہچان کی اس خواہش نے ہر غیب کو بے تاب کیا ہوا ہے کہ کوئی ہو جو آگے بڑھ کر اسے پالے، کوئی ہو جو اسے آواز دے تاکہ وہ جواب دے۔ سائنسی تحقیق کی کامیابی کی وجہ بھی یہی ہے جب سائنسدان چیزوں کی ماہیت کو سمجھنے کیلئے سوچ و بچار کرتے ہیں تو وہ خود بول اٹھتی ہیں کہ وہ کیا ہیں؟ سبحان اللہ! جب خالق کائنات کا اعلان ہے کہ مجھے پکارو میں جواب دوں گا تو اس کی تخلیقات انسان کی آواز کا کیوں جواب نہ دیں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"اور جب میرے بندے تم سے اے محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم میرے متعلق پوچھیں (تو بتادو) کہ میں ان کے قریب ہوں اور جو مجھے پکارے میں ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پاجائیں"۔سورۃ البقرۃ، آیت 186

"(اے لوگو) تمہارا رب یہ فرماتا ہے کہ مجھے پکارو تاکہ میں تمہاری پکار کا جواب دوں ۔وہ لوگ جو میری عبودیت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل و خوار ہوکر"۔سورۃ المومن، آیت 60

اوپر کی آیات کریمہ اس بات پر کھلی دلالت کرتی ہیں کہ خالق کائنات چاہتے ہیں کہ انسان اس کی طرف رجوع کرے، اس سے مانگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ انسان سے ایمان بالغیب کا تقاضا صرف یہ ہے کہ وہ اپنی سوچ اور نیت کو اس کی طرف پھیر دے جو اس کا خالق ہے اور تخلیق پر غور کرے تاکہ خالق کی عظمت کا کچھ ادراک ہو۔ اس کے بعد پھر غیب کھلنے لگتا ہے طالب اور مطلوب کے درمیان راز کے پردے اٹھنا شروع ہوجاتے ہیں۔

13.2 ایمان بالدلائل

اگرچہ ایمان بالغیب کا درجہ بڑا اعلیٰ اور ارفع ہے لیکن اس سائنسی دور میں یہ لازمی ہوگیا ہے کہ زندگی، موت اور نفس کے حقائق کو دلائل

Marfat.com

سے سمجھنے کی بھی کوشش کی جائے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو ایمان بالغیب کے باوجود اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا تھا کہ "اے خدا! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے" (قرآن کریم)؟ ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہاں تک گزارش کر دی کہ "اے رب! مجھے اپنے آپ کو دکھا" (قرآن کریم)۔ اس لیے اگر آج کوئی یہ سوال کرتا ہے کہ روح کیا ہے؟ حیات بعد الموت کیسی ہے؟ تو یہ گناہ کی کوئی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے جلیل القدر پیغمبروں کو تجربہ اور مشاہدہ سے مطمئن کیا وہ کسی بھی صادق محقق کو اندھیرے میں نہیں چھوڑے گا۔ بیشک قرآن کریم خوشخبری دیتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ ڈھونڈنے والوں پر اپنے راستے آسان فرما دیتا ہے"۔ حدیث پاک میں بھی ہے کہ **"من طلب وجدا"** جس نے طلب کی پالیا۔ آیئے اس مخلص جذبہ سے روح کی پہچان کی تلاش شروع کر دیں۔

13.3 روح کے متعلق قدیم انسانوں کے نظریات

روح کے وجود پر انسان کا یقین تقریباً اتنا ہی پرانا ہے جتنا انسان خود پرانا یا قدیم ہے۔ ابھی تک انسانی تاریخ کے بارے میں جو ماخذ ملے ہیں ان میں اس بات کے ٹھوس مشاہدات موجود ہیں کہ انسان ہمیشہ ہی سے روح کو مانتا چلا آتا ہے اور حیات بعد الموت کا قائل رہا ہے۔ تقریباً سب مذاہب کسی نہ کسی طریقے سے کہتے ہیں کہ اعمال کے مطابق جزا و سزا ہے۔

آج سے پانچ ہزار سال پہلے فراعنہ مصر کے مدفون یہ بتاتے ہیں کہ وہ بھی موت کے بعد زندگی کے قائل تھے اور اپنے مُردوں کے ساتھ ہی زندگی میں استعمال ہونے والی اشیاء اس یقین کے ساتھ دفن کرتے تھے کہ جب وہ دوبارہ اٹھیں تو ان کو کسی چیز کی کمی پیش نہ آئے۔ چین میں بھی پرانے بادشاہوں کی یادگاریں یہی بتاتی ہیں۔

ہندوستان میں آریا قوم یہ ایمان رکھتی تھی کہ روح اپنے روپ بدل کر ظاہر ہوتی رہتی ہے اور مردہ کی روح اپنی زندگی میں کیے گئے اعمال کے مطابق کسی دوسری نوع میں دوبارہ جنم لیتی ہے۔ اس جنم در جنم کے سلسلہ کے تخیل کو مسئلہ آواگون (Reincarnation) کہتے ہیں۔

ایشیاء سے دور جنوبی اور شمالی امریکہ میں بھی ماقبل تاریخ قبائل کا خیال تھا کہ روحیں مرتی نہیں بلکہ وہ فضاء میں گھومتی رہتی ہیں یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کی ارواح کی پرستش کرتے تھے۔ اس طرح افریقہ اور آسٹریلیا کے پرانے قبائل میں بھی آباؤ اجداد کی ارواح کو پوجنے کا رواج پایا جاتا تھا۔ جاپانی اور چینی مذاہب یہ سمجھتے ہیں کہ نیک لوگوں کی روحیں مرنے کے بعد خداؤں کا روپ ڈھال لیتی ہیں۔

غرضیکہ ماہرین عمرانیات اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا کلچر یا سوسائٹی نہیں گزری جو انسانی روح کے وجود کو کسی نہ کسی صورت میں نہ مانتی ہو۔ مطلب یہ کہ روحوں کا تصور یہود، عیسائی یا مسلمانوں کی ایجاد نہیں بلکہ دنیا کے ہر ایک خطہ کے انسان ہمیشہ ہی سے اسے حقیقت سمجھ کر مانتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ آسٹریلیا کے آبرنجیل (Aboriginal) میں بھی حیات بعد الموت کا عقیدہ پایا جاتا ہے۔ اگر سچائی کا معیار لاکھوں سالوں پر محیط وقت کی گواہی ہے تو پھر روحوں کا وجود ثابت شدہ ہے اور ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ ہم یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہمیں زندگی کیسے گذارنا چاہیے کہ مرنے کے بعد والی زندگی تکلیف دہ نہ ہو۔ لیکن جو لوگ محض وقت کو سچائی کا معیار سمجھنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں ان

کیلئے پھر بھی تجربہ اور مشاہدہ کی ضرورت برقرار ہے۔ان کی تسکین کیلئے اس کتاب میں ہم ایسے بیشمار واقعات، مشاہدات اور تجربات پیش کریں گے جن سے روح کے وجود کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔

13.4 روح اور نفس میں فرق

عوام الناس میں انسان کی مابعد الطبیعات حقیقت کو عام طور پر روح کہا جاتا ہے جس کا ترجمہ Soul, Spirit وغیرہ کے الفاظ سے کیا جاتا ہے جبکہ قرآن کریم انسان کی ماورائی کیفیت کیلئے زیادہ تر نفس کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ ہم اسلام کی تعلیمات سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ زندگی کا آغاز روح سے ہوتا ہے لیکن دنیاوی حیات کے زیر اثر جو شخصیت بنتی ہے یعنی ذہنی و قلبی سائیکی تگ و دو اور اعمال کے نتیجہ میں روح کی جو شکل بنتی ہے اسے نفس کہا جاتا ہے۔ یوں نفس ہماری ٹوٹل شخصیت کا آئینہ ہے یہ وہی ہے جسے ''ہم میں وہ اور تم'' کے نام سے پکارتے ہیں جبکہ باطنی علوم اور انسانی ضمیر روح کے خصائل ہیں، نفس انسان کو ملنے والے اختیار اور علم کے استعمال، ماحول کے اثرات وغیرہ کی بنا پر اس کا حاصل نتیجہ ہے۔ ان دونوں کی مثال بیج اور درخت سے دی جاسکتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہر بیج میں درخت چھپا ہوتا ہے اور ہر درخت میں بیج چھپے ہوتے ہیں۔ بونے کے بعد بیج زمین کی زرخیزی اور نمی کی بدولت پودا کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ سورج کی روشنی سے توانائی اور زمین سے پانی اور نمکیات لے کر درخت بن جاتا ہے جو سب بظاہر تو بیج سے بالکل مختلف شکلیں ہیں لیکن اپنی اصل میں بیج پر گذرنے والے حالات کا مظہر ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ پرورش کے اثرات کی وجہ سے درخت بیج کی بہت سی خصوصیات کھودے۔ کچھ یہی حال ہمارا اپنا ہے یوں کہا جاتا ہے کہ نفس دراصل روح کی اچھی بری ارتقائی شکل ہے جس کا انحصار اختیار کے استعمال پر ہے۔ مطلب یہ کہ ہم روح کے ساتھ دنیا میں آتے ہیں اور نفس کے ساتھ یہاں سے جاتے ہیں۔

13.5 زندگی اور موت کا عمل

اب ہم زندگی کے مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔ UNO کے ایک اندازہ کے مطابق آج کل ہر ایک منٹ میں تقریباً 600 افراد پیدا ہوتے ہیں اور 500 کے قریب مر جاتے ہیں۔ ان میں سے ہر موت اور ہر نئی زندگی ایک غیر معمولی واقعہ ہے لیکن پھر بھی بہت کم لوگ اس کو سمجھنے کی طرف کوشش کرتے ہیں، کچھ اسے اللہ کی مرضی اور کچھ اسے حادثہ قرار دے کر چپ ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ نہ پیدائش ایک حادثہ ہے اور نہ ہی موت کوئی حادثہ ہے۔ اتنی بڑی چیز بھلا کیسے بے معنی ہو سکتی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیاوی حیات و ممات ہمارے وجود کے سفر کی درمیانی کڑیاں ہیں جس کا طول پیدائش سے پہلے بھی ہے اور موت کے بعد بھی۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ صرف پیدائش اور موت کے درمیانی وقفہ تک محدود ہے اور اگر ہم اس محدود مشاہدہ کی بنا پر زندگی و موت کے متعلق آخری رائے قائم کرلیں تو ہم غلط بھی ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

وہ لوگ جو انسان کی اس دنیا میں آمد اور رخصت کو ایک حادثہ قرار دیتے ہیں وہ اصل میں اپنی سوچ کی وسعت میں کمی کی بنا پر ایسا سوچتے ہیں۔ اس کی بنیاد ان کا یہ باطل خیال ہے کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ جب کہ انسان حیوانات سے بالکل علیحدہ ایک بلند مرتبہ تخلیق ہے جس کا وجود بائیوکیمیکل بھی ہے جو اس کی زندگی کا سبب ہے اور روحانی بھی، جو اسے ضمیر، علم اور شعور کی بنا پر دوسری تمام نوع حیوانی پر ممتاز کرتا ہے۔ چنانچہ ہماری جسمانی زندگی اور موت بیشک دوسرے حیوانات کی مثل ہے لیکن ہماری روحانی شخصیت ان سے بالکل علیحدہ چیز ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے کسی آٹوموبائل کی مثال لیں۔ ہمارے جسم کی مثال ایک کار کی مانند ہے اور ہماری خوراک کی مثال پٹرول کی مانند ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ کار پٹرول کی طاقت سے چلتی ہے لیکن اس سے کام لینے والا وہ ڈرائیور ہے جو اسے چلا رہا ہے یہی حال ہمارے نفس کا ہے جو جسم کی کار میں بیٹھنے سے پہلے بھی موجود تھا اور کار سے اترنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے لیکن جب کار بالکل ناکارہ ہو جائے تو وہ اسے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔

قرآن کریم کے مطابق موت اور زندگی وقت کے بے پایاں بحر تخلیق کے دو مختلف مظہر ہیں۔ اس میں دنیاوی حیات وہ حالت ہے جس میں ہمیں کچھ اختیار حاصل ہے اور موت وہ کیفیت ہے جب اختیار چھن جاتا ہے یا یوں کہیں کہ زندگی کچھ کرنے کا زمانہ ہے اور موت کے بعد والا زمانہ نتائج دیکھنے اور بھگتنے کا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں نیند کی کیفیت کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس لئے کہ نیند میں اعمال کی طاقت منقطع ہو جاتی ہے۔ البتہ خواب آتے رہتے ہیں جو اکثر ہمارے اعمال ہی کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ زندگی میں انسان کو جو اختیار دیا گیا ہے اس اختیار کا مقصد انسان کی آزمائش ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''(اللّٰہ وہ ہے) جس نے تخلیق کیا موت کو اور حیات کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے بہتر عمل والا کون ہے اور وہی عزت والا بخشنے والا ہے''۔

سورۃ الملك، آیت 2

اس آیت مبارکہ سے ایک بہت اہم بات یہ نظر آتی ہے جس طرح زندگی ایک تخلیق ہے موت بھی ایک تخلیق ہے۔ فرمایا کہ ''وہ جس نے تخلیق کیا موت کو اور حیات کو''۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ موت خاتمہ نہیں بلکہ کسی اور تخلیقی انداز میں نیا اظہار ہے۔ اس کی مثال ہم پانی کے وجود کی ٹھوس، مائع اور گیس کی حالتوں سے دیتے ہیں۔ اگرچہ کیفیات بالکل جدا جدا ہیں لیکن اپنی اصلیت میں پانی پانی ہی رہتا ہے۔ ایک اور مثال کسی ملازم کی ہے جو کسی مقام پر تعینات تھا پھر اس کی تبدیلی کے حکم صادر ہو جاتے ہیں اور کسی نئی جگہ منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح زندگی اور موت اصل میں کیفیتوں کا انتقال ہے۔ اس روحانی انتقال کے عمل کو درج ذیل آیات اچھی طرح واضح کرتی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

''تم کس طرح اللّٰہ پر ایمان کو جھٹلاؤ گے؟ کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ تم مردہ

Marfat.com

تھے اور اس نے تمہیں زندگی بخشی اس کے بعد وہ تمہیں موت دے گا، اس کے بعد پھر دوسری دفعہ زندگی عطا کرے گا، اور آخرکار تم اسی کی طرف لوٹ جائو گے"۔ سورۃ البقرۃ، آیت28

اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

"(قیامت کے دن) وہ کہیں گے، اے پروردگار! آپ نے ہمیں دودفعہ موت دی اور دو دفعہ زندگی عطاکی، اب ہم اپنے گناہوں کو پہچان گئے ہیں، پس ہے کوئی بچنے کا راستہ؟" سورۃ المومن، آیت 11

13.6 آواگون گمراہ نظریہ

ان آیات سے اس اعلیٰ حقیقت کی نشاندہی ہوتی ہے کہ موت نہ ہونے کا نام نہیں بلکہ زندگی کی طرح یہ بھی تخلیقی حالت ہے اس طرح نفس کیلئے زندگی اور موت اس کے مسلسل سفر میں دو منزلیں ہیں۔ ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ آواگون جو بار بار کا جنم اور بار بار مرنے کی بات کرتا ہے اور روزِ جزا اور قیامت کو نہیں مانتا ایک گمراہ کن باطل نظریہ ہے۔ قرآن کریم کے نزدیک ہر انسان کو اس کے اعمال کا صحیح بدل یوم الدین کو قیامت کے بعد ملے گا۔

مسئلہ آواگون (Reinconnation) دراصل نہ صرف قرآنی لحاظ سے بلکہ سائنسی لحاظ سے بھی بالکل غلط نظریہ ہے۔ اس مسئلہ کی رو سے آدمی اپنی زندگی میں جو اچھے برے اعمال کرتا ہے اس کے نتیجہ میں اس کی دوسری پیدائش ہے۔ یعنی اپنے کئے گئے اعمال کا مزا چکھنے کے لئے اپنے اگلے جنم میں انسان بندر یا کتا یا سور کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ان کے نتیجہ میں وہ ایک غریب گھرانے کی بجائے کسی خوشحال گھرانے میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس طرح روحوں کی تعداد جامد رہتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی آبادی مسلسل بڑھ رہی ہے۔ آج سے دس ہزار سال پہلے اندازہ ہے کہ ساری دنیا پر کوئی ایک ملین کے قریب لوگ رہتے ہوں گے جواب بڑھ کر چھ ہزار ملین ہو گئے ہیں۔ تو یہ پانچ ہزار نو سو ملین اضافی ارواح کہاں سے آ گئیں؟ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ ایک بدکردار انسان جب کتا یا بلی بن کر سامنے آتا ہے تو وہ اپنے اس نئے جنم میں کونسے اعمال کرے گا کہ وہ دوبارہ انسانی جنم پالے؟ اس طرح کیا امیر، غریب، خوش بخت اور بدبخت انسان اپنے پرانے جنم کے اعمال کی وجہ سے ہیں یا موجودہ حالات اور اعمال کی بنا پر؟ کیا خوشحالی امریکہ میں پیدا ہونے والے بدحال ہندو انڈیا کی نیک روحیں ہیں اور انڈیا کے مفلوک الحال امریکہ کے مرے ہوئے بدمعاش ہیں؟ غرض جس پہلو سے بھی دیکھا جائے مسئلہ آواگون کی کوئی بنیاد نظر نہیں آتی۔

Marfat.com

13.7 روح اور نفس کا سفر

حقیقت یہ ہے کہ روح بحیثیت امر ربی ایک ابدی حقیقت ہے جو دنیاوی زندگی شروع ہونے سے پہلے روح عالم ارواح میں برزخی وجود رکھتی ہے۔ دنیا میں اس کا قیام اختیاری اور شعوری ہے جس کے اثرات سے روح نفس میں تبدیل ہو جاتی ہے، جب جسم نفس کیلئے غیر موزوں ہو جاتا ہے تو نفس حالت موت میں چلا جاتا ہے عالم برزخ میں حالت کا نام قبر ہے۔ عالم برزخ میں نفس کو جسم کی ضرورت نہیں بلکہ وہاں اکثریت کیلئے یہ حالت عالم خواب کی سی حالت ہے جس میں دنیا کی زندگی کے اعمال اور ان کے نتائج مختلف شکلوں میں نظر آتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے عالم برزخ کا دور پرآشوب بھی ہو سکتا ہے اور خوشیوں کا گہوارہ بھی۔ انہی میں وہ بد بخت بھی ہیں جن کی زندگی حرص و ہوا میں گزرتی ہے انہیں مرنے کے وقت محرومی کا اس قدر قلق ہوتا ہے کہ وہ سوبھی نہیں سکتے اور بھوت بن کر دنیا میں مایوسی اور حسرت کے عالم میں پھرتے رہتے ہیں۔ وہ خوش قسمت دنیا میں جو ذکر و فکر والے ہوتے ہیں انہیں کائنات کی سیر کیلئے آزادی عطا ہو جاتی ہے۔ ان میں جو بہت ہی خوش بخت ہیں جیسے شہداء اور صالحین وہ بلاحساب کتاب سیدھے جنت میں چلے جاتے ہیں۔

ہمیں سمجھانے کیلئے موت اور زندگی کے عمل کو قرآن کریم سونے اور جاگنے کے عمل سے تشبیہ دیتا ہے، (60)6۔ نیند کی حالت میں اگرچہ جسم موجود ہوتا ہے، خون کی گردش جاری ہوتی ہے، سانس چل رہا ہوتا ہے، لیکن انسانی شعور دب جاتا ہے اس لیے وقت کا احساس ختم ہو جاتا ہے، سوچنے، سمجھنے، دیکھنے، سننے، محسوس کرنے، غرضیکہ تمام وہ ذرائع جو کہ دنیا کے رابطہ کا ذریعہ ہیں ان سے ہم قطعی نابلد ہو جاتے ہیں لیکن نیند میں انسان کا لاشعور (نفس) مستعد ہو جاتا ہے اور خواب دیکھتا ہے جن سے کبھی خوش اور کبھی ڈرتا ہے۔ خواب میں وہ مستقبل اور ماضی میں ذخیرہ شدہ (Stored) واقعات کو دیکھ سکتا ہے۔

موت، زندگی اور پھر زندگی کے مسلسل عمل کو اکثر جگہ قرآن کریم رات اور دن کے ہیر پھیر سے بھی تشبیہ دیتا ہے۔ دراصل رات اور دن زمین پر یکے بعد دیگرے روشنی اور اندھیرے کی دو حالتوں کا نام ہے جو ایک دوسرے کا پیچھا کرتی نظر آتی ہیں جب کہ وہ اپنے محور کے گرد مسلسل گھومتی رہتی ہے۔ اس عمل میں جو حصہ روشنی کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن چڑھ آتا ہے اور جو روشنی سے دور ہوتا ہے وہاں رات طاری ہوتی ہے یعنی دن رات کیفیت کی تبدیلی ہیں۔ مستقل طبیعاتی تبدیلی نہیں ہے۔ اسی طرح انسانی نفس بھی مسلسل سفر میں ہے۔ جب وہ مادی جسم پر ہویدا ہوا تو یہ زندگی ہے اور جب وہ اس سے علیحدہ ہوا تو یہ موت ہے۔ حقیقت میں نہ جسم کے مادی اجزا مرتے ہیں اور نہ نفس ختم ہوتا ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم اس عمل کو چند مساوات سے واضح کریں گے۔

(زمین) + (سورج کی روشنی)۔۔۔۔۔۔۔۔۔حالت دن

(زمین) - (سورج کی روشنی)۔۔۔۔۔۔۔۔۔حالت رات

Marfat.com

اسی طرح

(جسم کے مادی اجزا) + (روح + اختیار)۔۔۔۔۔۔حالت زندگی

(جسم کے مادی اجزا) - (روح + اختیار)۔۔۔۔۔۔حالت موت

پہلی مثال میں سورج کی وجہ سے دن اور رات کا ظہور زمین کے جسم پر ہوتا ہے اور دوسری مثال میں روح کی وجہ سے زندگی اور موت کا گزر انسان کے جسم پر ہوتا ہے۔ درحقیقت زمین یا انسانی جسم محض اظہار کا ذریعہ ہیں ورنہ سورج کی طرح روح کو دوام ہے اور دن رات کے سلسلہ کے مانند زندگی اور موت بھی وقت کے دھارے پر دو مختلف حالتوں کے نام ہیں۔ یہ صرف ہم زمین والوں کیلئے ہے کہ رات کو سورج ڈوب جاتا ہے اور دن کو چڑھ آتا ہے، جب کہ اوپر آسمانوں میں سے دیکھنے والوں کیلئے سورج بھی مسلسل ہے اور زمین بھی مسلسل حرکت میں ہے اور زمین پر دن رات ایک سفید دھارا ایک کالی دھار کے پیچھے لگی معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح روح کا سورج بھی صرف ایک ظاہر بین کیلئے ڈوبتا ہے لیکن حقیقت میں وہ قائم و دائم ہے یعنی زندگی اور موت صرف نسبتی مشاہدہ کے نتیجہ میں مختلف نظر آتے ہیں ورنہ موت روح کے سورج کی نظروں سے اوجھل ہونے کی حالت ہے اور زندگی اس سورج کے ظاہر ہونے کا نام ہے۔ موت سے ہم زندگی میں داخل ہوتے ہیں اور زندگی جو کہ عمل کا وقفہ ہے اس سے ہم موت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ روح کے ساتھ ہم آتے ہیں اور نفس کے ساتھ ہم جاتے ہیں۔ یوں موت ختم ہونا نہیں بلکہ حالت کا بدل جانا ہے۔

موت کو سمجھتے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شامِ زندگی ، صبح دوامِ زندگی
(اقبال)

اس کی مثال پانی کی تین حالتوں یعنی مائع، ٹھوس اور گیس کی ہے۔ ظاہر میں بہت بڑی تبدیلی آئی ہے لیکن باطن وہی رہتا ہے۔ جسم ظاہر ہے جو بنتا رہتا ہے اور مرتا رہتا ہے جبکہ نفس اپنی جگہ پر قائم و دائم حقیقت کے طور پر زندہ رہتا ہے۔ یہی ہے وہ جسے ہم ''ہم'' کہتے ہیں، موت کے بعد خالق کے حضور پیش کر دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نفس کی ہمیشہ کی زندگی کی حقیقت کو مندرجہ ذیل الفاظ میں واضح کرتا ہے کہ:۔

''غور سے دیکھ وہ موت جس کا تم سامنا کرنے سے ڈرتے ہو، تم یقینی طور پر اس سے مل کر رہوگے اور اس کے بعد، تم اس کے سامنے حاضر کر دیے جاؤ گے، جو حاضر اور غائب تمام تر علم رکھتا ہے، وہ تمہیں بتائے گا کہ تم دنیا میں کیاکرتے رہے ہو''. سورۃ البقرۃ، آیت 8

Marfat.com

13.8 روح کی حقیقت

مندرجہ بالا تعارف کے بعد اب ہم بنیادی اور مشکل سوال کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب یہ سوال پوچھا گیا تو اس کا جواب خالق کائنات نے وحی کے ذریعہ مندرجہ ذیل انداز میں دیا کہ:۔

"اور آپ صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم سے یه لوگ روح کے متعلق پوچھتے ہیں، فرمادیجئے که یه میرے رب کے امر سے ہے، اور تمہیں اس کا بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے"۔

سورۃ السجدہ کی آیہ مبارک میں روح کا تعلق خالق کائنات نے اپنی ذات پاک سے جوڑا ہے۔ فرمایا کہ:۔

"پھر اس کو (تخلیق آدم) سنوارا گیاء اور پھونکا اس میں اپنی روح میں سے کچھ، اور بنایا تم کو سنتا، دیکھتا، اور سمجھتا، لیکن تم تھوڑا شکر کرتے ہو"۔سورۃ السجدۃ، آیت 9

ان ارشاد باری سے مندرجہ ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

1. یہ کہ روح کا وجود ہے۔
2. اس کی حقیقت اللہ کے امر سے منسلک ہے۔
3. انسان کبھی بھی روح کی پوری حقیقت نہیں سمجھ سکے گا لیکن اس کی تھوڑی سمجھ انسان کی بصیرت کی پہنچ میں ہے۔
4. سمع، بصیرت اور شعور یعنی عقل و دماغ، وجدان روح کی خصوصیات ہیں۔
5. روح چونکہ امر ربی سے ہے اس لیے اس کا تعلق طبیعیات یعنی وجود سے نہیں بلکہ لاوجود سے ہے۔
6. امر ربی کو موت نہیں ہوسکتی اس لیے روح کو بھی موت نہیں آسکتی۔
7. انسان میں اللہ تعالیٰ نے جو اپنی روح سے کچھ پھونک دیا کا مطلب یہ ہے کہ کسی حد تک انسان میں الٰہی صفات پائی جاتی ہیں

اللہ تعالیٰ کی انسان میں روح پھونکنے کا تصور آپ سورج کی شعاع سے کر سکتے ہیں، منبع سورج ہے لیکن زمین پر جس ذرہ پر پڑتی ہے

Marfat.com

اسے منور کر دیتی ہے اور سورج کی گرمی ذرہ کے جسم کا حصہ بن جاتی ہے۔ کرن کی اصل سورج کے ساتھ ہے لیکن سورج سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔

آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ 'روح کے متعلق تمہیں تھوڑا علم دیا گیا ہے۔'' اللہ تعالیٰ کے اپنے علم کے مقابلے میں اشارہ ہے جب کہ انسان کی نسبت سے یہ علم بھی بہت ہوگا۔ اس لیے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان روح پر باقاعدہ تحقیق شروع کرے تو یقیناً مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔

13.9 کیا روح کی فطرت توانائی ہے؟

ارشاد مبارک کہ "روح امر ربی ہے"۔ کو سمجھنے کیلئے لفظ امر کے معنی پر غور کرنا ہوگا جس کا عام طور پر معنی ''ارادہ، کام، معاملہ، حکم'' وغیرہ لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ آشکارا ہوتا ہے کہ امر ہستی کا سبب ہے۔ یعنی تخلیق کا آرڈر ہوا اور تخلیق معرض وجود میں آ گئی۔ تخلیق کائنات کے بارے میں سائنس بھی بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ یہ ہمیشہ سے نہیں بلکہ اس کا ایک نکتہ آغاز ہے جس سے پہلے کچھ نہیں تھا، نہ زمان و مکان، نہ مادہ توانائی۔ پھر کچھ ہوا اور اچانک لاوجود وجود میں بدل گیا، سائنس اس عمل کو بگ بینگ (Big Bang) کہتی ہے۔ اور اس وقت سے ہر آن کچھ نہ کچھ ہوتا جا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ امر ربی کا اظہار 'کن' یعنی 'ہو جا' کا آرڈر تھا جس کے ساتھ ہی ''کائناتی صفر'' برابر مقدار میں منفی اور مثبت توانائی میں تقسیم ہو گیا اور وہیں سے توانائی مادہ میں بدل گئی اور یوں چیزوں کا آغاز ہو گیا۔ 'کن' اللہ تعالیٰ کا مستقل امر (Standing Order) ہے۔ اس وقت سے ہر چیز اس حکم کو پورا کرنے کی طرف لگی ہوئی ہے اور اپنی بساط کی حد تک اپنے وجود کا اظہار کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں بھی حالات سازگار ہوں زندگی کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہو جاتی ہے۔ یعنی مالک کے 'کن' کے حکم پر عمل کرنے کیلئے وجود اور لاوجود سبھی بیقرار ہیں۔

امر ربی کے طور پر روح بھی کن کا امر ہے یہ اظہار ارادہ ہے جس کا تعلق لاوجود سے ہے، لیکن اس کے نتائج وجود کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کمپیوٹر کے سافٹ ویئر سے دی جا سکتی ہے۔ یہ صرف ہدایات اور کچھ حساب ہے جو اپنی فطرت میں نہ وزن، نہ حجم رکھتے ہیں یعنی لاوجود ہیں لیکن کمپیوٹر ہارڈ ویئر (Hardware) کے ذریعہ کئی ایک وجود کا باعث بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ یہی حال روح کا ہے۔ یہ امر ربی ہے اس کے نتیجہ میں جو تخلیق ہوتی ہے وہ نفس ہے جو ہم خود ہیں۔ جسے ہم مندرجہ ذیل شکل میں دکھا رہے ہیں۔

Marfat.com

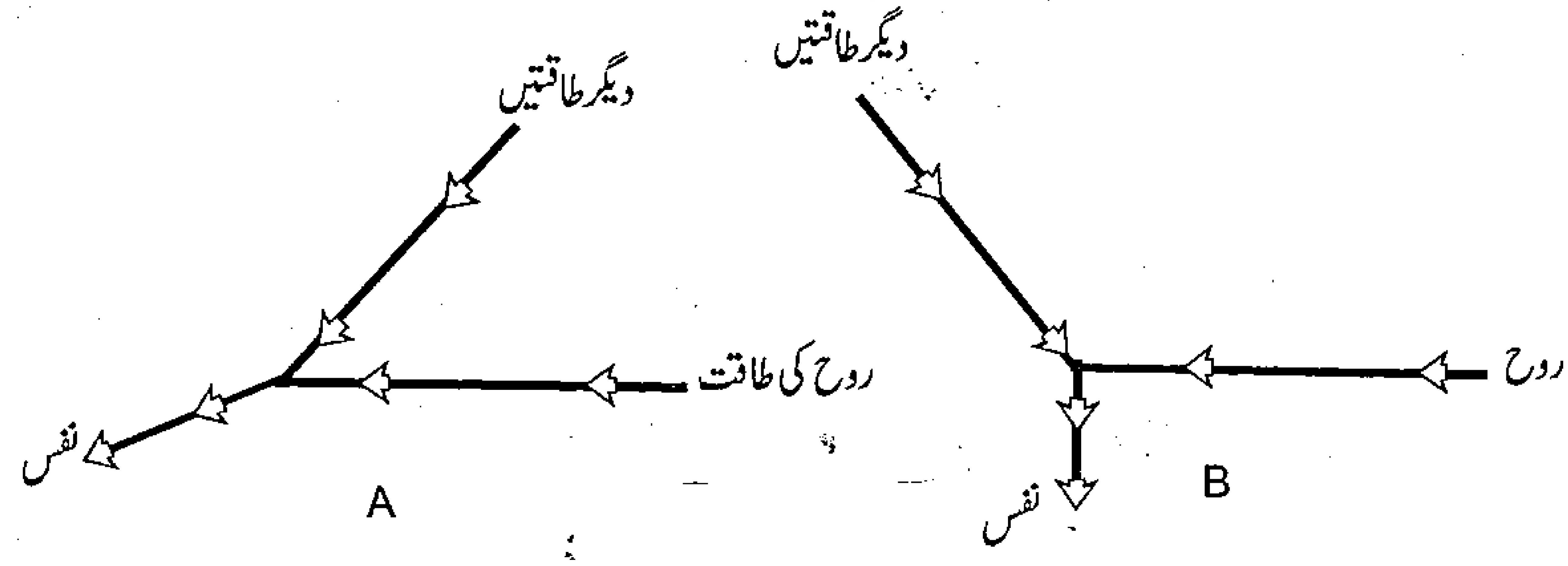

تصویر:۔ نفس اورروح کے درمیان تعلق

آپ شکل A میں دیکھ رہے ہیں کہ اگرچہ روح پر اثر پذیر بیرونی طاقتوں کے اثرات بالکل مطابقت نہیں رکھتے لیکن اپنی سمت میں الٹ بھی نہیں ، اس لئے نفس کی سمت اگرچہ روح سے علیحدہ ہے لیکن زیادہ بھی نہیں۔ البتہ شکل Bمیں بیرونی اثرات مخالف سمت میں کام کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں نفس کارخ روح کے فطری رخ سے الٹ ہے۔ اس کو نفس امارہ کہتے ہیں جب کہ شکل A والے نفس کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔

13.10 روح اوراللہ کا نور

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ نفس اورروح اپنا اظہار کس طرح کرتے ہیں؟ جیسے قرآن کریم کے حوالہ سے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسانی روح اللہ تعالیٰ کی روح ہی سے اخذ شدہ ہے، اس لیے ہماری روح اور نفس بھی اسی طرح اظہار کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنا اظہار کرتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا اظہار اپنی صفات سے کرتا ہے۔ اس لئے روح میں بھی کچھ ربی صفات ہیں لیکن کیا نفس بھی انہی صفات کا حامل ہوگا؟ اس سلسلہ میں چونکہ نفس مطمئنہ وہ ہے جس کی سمت روح سے زیادہ دور نہیں اس لئے نفسِ مطمئنہ الٰہی صفات کا حامل ہوتا ہے لیکن نفس امارہ جو شیطان کے زیر اثر روح ہے وہ شیطانی صفات کا حامل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی وہ صفت جس سے سب وجود اور لا وجود کو شعور ملتا ہے، جس سے ہمیں چیزوں کی پہچان ہوتی ہے وہ صفت نور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی مثال قرآن کریم میں 'نوراً علیٰ نور' سے دی ہے۔ سورۃ نور میں ارشاد ہے کہ:۔

"اللّٰہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا، مثال اس کے نور کی ہے مانند جیسے ایک طاق، جس میں ایک چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، اور وہ فانوس مانند ایک ستارے کے ہے، جو موتی کی طرح چمکتا ہے اور روشن ہوتا ہے، ایک برکت

Marfat.com

والے درخت زیتون سے، جو نہ چھوئے۔وہ نور اً علیٰ نور ہے، اللہ اپنے نور سے ہدایت کی راہ دکھاتا ہے جسے چاہتا ہے، اور اللہ انسانوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے"۔ سورۃ النور، آیت 35

نور کے بارے میں ہم قرآن کریم میں یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ "اے خدا! تو مجھے اپنے آپ کو دکھا تو حکم ہوا کہ تم مجھے دیکھ نہ پاؤ گے۔لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کا جلوہ کوہ طور پر نازل کیا جو اتنا طاقتور تھا کہ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ گیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی بے ہوش ہو گئے۔نور کی طاقت کے اندازے کے لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کیلئے اپنے نور کو ستر پردوں میں ڈھانپا ہوا ہے اگر ان میں سے ایک پردہ اٹھ جائے تو دنیا خاستر ہو جائے۔ان روایات اور آیات کریمہ سے یہ بات تو صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ماہیت کا اظہار اپنے نور کی توانائی سے کرتا ہے۔چونکہ روح کا تعلق بھی اس ذات پاک سے ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی روح بھی اپنی فطرت میں نور ہے۔

آیئے اب اسی مسئلہ کو عام سائنسی بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔سب سے پہلے اپنے جسم، اس کی حرکات وسکنات اور سوچنے سمجھنے کی قوتوں پر غور فرمایئے۔ ہمارا چلنا پھرنا، کام کرنا، اپنی اصل میں کیا ہے؟ جب ہم چلتے ہیں تو پورے جسم کا بوجھ اٹھائے پھرتے ہیں۔جس کے لئے بہت سی توانائی کی ضرورت ہے۔انسان کی ہڈیوں اور گوشت کے اندر اس کام کے لئے جو موٹریں لگی ہوئی ہیں وہ کیسی ہیں؟ اور کیسے چلتی ہیں؟، یہ کیسے ممکن ہوتا ہے؟ جب آپ تھوڑا اس پر غور فرمائیں گے تو معلوم ہوگا کہ جسم کی سب حرکات وسکنات اور کام کرنے کی استعداد کا ماخذ جسم کے اندر کی توانائی ہے۔یہ توانائی ہم خوراک سے حاصل کرتے ہیں، یہ خوراک یا تو پودوں سے حاصل کی جاتی ہے یا ان حیوانوں سے جن کی خوراک پودے ہیں۔پودوں میں یہ توانائی کہاں سے آتی ہے؟ اس کا بڑا منبع سورج ہے۔سائنس یہ بھی معلوم کر چکی ہے کہ سورج کی توانائی کا منبع وہ مادہ (ہائیڈروجن اور ڈیٹوریم ہے) جو بگ بینگ میں پھیلا ہوا تھا اور بگ بینگ اللہ کے امر کن کا نتیجہ تھا۔اس سے یہ ظاہر ہوا کہ درحقیقت جس توانائی کی بدولت ہم چلتے پھرتے ہیں یا کام کرتے ہیں اس کی ظاہری حقیقت سورج ہے لیکن اصل امر کن ہے۔یوں ہماری موجودہ حرکات وسکنات بلکہ ہمارا سارے کا سارا جسم دراصل سورج کی توانائی ہی کی مختلف اشکال ہیں۔وہ روحانی جرثومہ جس سے ہم سب کے جسم کا آغاز ہوتا ہے اس کا سائز محض ایک سینٹی میٹر کا لاکھواں حصہ ہوتا ہے۔جو اتنا چھوٹا ہے کہ اسے صرف طاقتور خوردبینوں کی مدد ہی سے دیکھا جا سکتا ہے لیکن جب سورج کی توانائی ماں کی خوراک کے واسطہ سے اس تک پہنچتی ہے تو وہ بڑھ کر انسانی جسم کی شکل ڈھال لیتا ہے۔لہٰذا یہ جو جسم ہمیں نظر آتا ہے یہ بھی سورج کی توانائی کا ایک مظہر ہے۔گویا اپنی اصل میں مادی اور روحانی دونوں لحاظ سے ہم توانائی کا ایک سسٹم ہیں جو باطنی نظام میں امر کن کے امر سے وابستہ ہے اور اللہ کے نور کا ایک حصہ ہے۔

Marfat.com

13.11 اعمال جسم اور روح

اسی ضمن میں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مادہ اور توانائی باہم تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس کا تعلق 1904ء میں سائنسدان آئین سٹائن نے $E=mC^2$ کی مساوات سے ظاہر کیا۔ اس مساوات میں E کا مطلب توانائی، m کا مطلب مادہ اور C روشنی کی رفتار جو کہ 3 لاکھ کلومیٹر فی سکینڈ ہے۔ پھر مزید کہ ایٹم کی ماہیت کے بارے میں سائنسی دریافتوں سے معلوم ہوا ہے کہ تمام اشیاء ایٹموں کا مجموعہ ہیں اور ایٹم اپنی ماہیت میں الیکٹران، نیوٹران اور پروٹون سے مل کر بنے ہیں جن کی تشکیل مزید سادہ تر ذرات کیوآرک (Quaric) اور لیپٹان (Leptons) کی مرہون منت ہے اور وہ سب بھی اپنی اصل میں محض توانائی کے گولے ہیں یعنی اپنی اصل میں ہر چیز کا ظاہر اور باطن توانائی ہے۔ اس سوچ کے مطابق ہم میں سے ہر ایک بیک وقت مادہ بھی ہے اور توانائی بھی ہے۔ جس کی تشکیل بگ بینگ کے نتیجہ میں ہوئی تھی اور بگ بینگ سے پہلے سب لاوجود ہی لاوجود تھا جسے ہم وجود کی دنیا والے کبھی بھی سمجھ نہیں سکتے، اس لیے کہ ہماری سوچ کا منبع دماغ ہے جو وجود کی نسبت سے ہے اور وجود کے اندر مقید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بگ بینگ پر جا کر سائنس ختم ہوجاتی ہے۔ اسی طرح روح کا تعلق لاوجود کی ذات پاک سے ہے، جسے عقلی طور پر کبھی بھی سمجھا نہیں جاسکتا البتہ قلبی طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ یہ توانائی کے ذریعہ کام کرتی ہے، نظر آتی ہے لیکن خود توانائی نہیں۔

توانائی درحقیقت انسانی جسم میں مختلف عوامل کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اگر ان عوامل کا اظہار کسی اور طریقہ سے ہوسکے تو پھر جسم کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے آپ کسی کتاب کے پڑھنے کی مثال لیجئے۔ کتاب آپ کے سامنے ہے اور آپ کی آنکھیں الفاظ پر مرتکز ہیں، روشنی جو کہ ایک خالص توانائی ہے، کاغذ پر گر رہی ہے، کاغذ اور الفاظ سے ٹکرا کر یہ روشنی آنکھ کی پتلی تک پہنچتی ہے جو مادی چیز ہے، آنکھ میں روشنی کی یہ کرن بجلی کی لہروں میں بدل جاتی ہے بجلی کی یہ لہریں اور دماغ کے خلیات مل کر ایک کیمیائی توانائی کو جنم دیتے ہیں جو کاغذ پر لکھے ہوئے حروف کی اشکال کی دماغ کے مخصوص خلیات میں فلم بناتی ہے۔ اس کے اثرات شعور میں منتقل ہوتے ہیں، اور وہاں حافظہ کے خلیات پر محفوظ ہوجاتے ہیں اور عقل ان کو معانی بخشتی ہے۔

پڑھنے کے اس سارے عمل میں آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ آنکھیں اور دماغ محض مادی ذرائع ہیں جو توانائی کی ایک حالت کو دوسری حالت میں بدلنے کا ذریعہ ہیں۔ جب کہ اصل میں ہمارے پڑھنے اور سمجھنے کی بنیاد ایک خالص توانائی عمل ہے اور اس سے معانی اخذ کرنا بالکل ایک غیر مادی سبب پر منحصر ہے اس طرح ہمارے سوچنے، دیکھنے اور سمجھنے کیلئے جسمانی اعضاء کی اہمیت صرف ہماری باہر کی دنیا سے رابطہ کی ہے اس لیے کہ مادی دنیا سے رابطہ قائم کرنے کیلئے مادی ذرائع ہی کی ضرورت ہے، ورنہ ذہن کی سطح پر انسان کو ان کی ضرورت نہیں۔ اگر کسی طرح سننے، دیکھنے اور خیالات کو سمجھنے والی لہریں سیدھی دماغ کے مخصوص حصوں پر پہنچائی جاسکیں تو پھر انسان آنکھوں کے بغیر دیکھ سکے گا اور کانوں کے بغیر سن سکے گا۔ (اپنی روحانی حالت میں نفوس کی باہمی بات چیت اور دیکھنا یونہی براہ راست ہوتا ہے جنات اور ملائکہ بھی اسی طرح بغیر کسی مادی ذریعہ کے بات چیت کرتے ہیں)۔

Marfat.com

کتاب کو پڑھنے والی مثال میں ہم نے پڑھنے کا عمل کاغذ اور روشنی سے شروع کیا تھا۔فرض کرو کہ ہم الفاظ کو آنکھ کی مدد کے بغیر ہی بجلی کی لہروں سے بدل دیں جس طرح T.V کیمروں میں ہوتا ہے اور ان لہروں کو سیدھا دماغ میں مخصوص خلیات تک پہنچا دیں تو پھر آنکھ کی ضرورت نہیں رہے گی۔اگر ہم الفاظ کو بلاواسطہ خیالات میں بدل سکیں تو پھر دماغ کے خلیات کی بھی ضرورت نہیں رہے گی، بہر حال ان سے مطلب اخذ کرنے کیلئے غیر مادی عقل وشعور کی ضرورت لازمی ہے۔جدید سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ برقی لہروں کے ذریعے براہ راست دماغ کے خلیات تک پیغام پہنچانا عین ممکن ہے۔(ہم جانتے ہیں کہ ٹیلیویژن کیمرہ اشکال اور الفاظ کو بجلی کی لہروں میں بدل سکتا ہے)۔مستقبل میں جب ہم ان لہروں کو دماغ کے حساس خلیات پر مرتکز کر سکیں گے تو پھر ہمیں دیکھنے کیلئے آنکھ کے عضو کی ضرورت نہیں رہے گی۔اس نظریہ کو مزید آگے بڑھائیں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ باطن تو باطن محسوسات کی دنیا میں بھی آگاہی کے لئے جسم لازمی نہیں ہے۔

اگر ہم انسانی شخصیت کے اس باطنی نظام کو کوئی نام دینا چاہیں تو یہ نام روح یا نفس ہے۔سائنس کی زبان میں ان کا نام جینیٹک کوڈ (Genetic code) ہے جو محض کچھ ہدایات ہیں جو کہ خلیات پر درج ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر روح امر ربی ہے تو خلیات روح کے امین ہیں۔امریکہ کی مینا سوٹا یونیورسٹی میں ہو بہو جڑواں بچوں کی تحقیق سے یہ دیکھا گیا ہے کہ جینز کے نظام میں انسانی تقدیر لکھی ہوئی ہے۔ماحول تعلیم، تربیت اور ذاتی کوشش سے تقریباً پچاس فیصد تک ہم اس تقدیر پر اثر انداز ہو سکتے ہیں لیکن بدل نہیں سکتے۔

یوں روح انسان کی اصل ہے اور جسم اس روح کیلئے ایک سواری کی حیثیت رکھتا ہے۔عقل وشعور، حق و باطل کی پہچان، ہمارا سننا، دیکھنا، سمجھنا بلکہ سب کچھ ہی اس روحانی نظام کی بدولت ہے۔اختیار، ماحول، تعلیم اور بیرونی دنیا کے اثرات سے روح کی جو شکل سامنے آتی ہے وہ نفس ہے جو ہماری اصل شخصیت کا مظہر ہے۔اس کی مثال بیج اور درخت سی ہے (جس پر ہم پہلے بھی کافی بحث کر چکے ہیں)۔جس طرح نباتاتی نظام میں بیج کے اندر درخت ہوتا ہے اور درخت کے اندر بیج، اسی طرح روح نفس ہے اور نفس روح ہے۔جیسے سبب (Cause) اور اثر (Effect) کا معاملہ ہے۔ارشاد خداوندی ہے کہ:۔

"قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے سنوارا! اور اس کو فجور اور تقویٰ کا الہام کیا، کہ اس کیلئے صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ سورۃ الشمس، آیت 7-8

اگر ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ انسان کی بنیاد اس کی روح ہے اور حاصل جمع نتیجہ اس کا نفس ہے ان دونوں کے درمیان جسم محض بیرونی دنیا سے رابطہ کا ذریعہ ہے تو پھر جسم کو ہم جو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کم ہو جانا چاہیے اور اصل مقام نفس کو ملنا چاہیے جو کہ ہماری مستقبل باقیات ہے، ہم خود ہیں۔پھر کالے ہوں یا گورے، چپٹی ناک والے ہوں یا لمبی ناک والے، چھوٹے قد والے ہوں یا لمبے قد والے، خوبصورت ہوں یا بھدے یہ باتیں بالکل غیر اہم ہو جاتی ہیں۔بنیادی طور پر ہم اللہ تعالیٰ کی پھونکی ہوئی روح ہیں اور ہمارا اخیر ہمارا جسم نہیں بلکہ ہمارا نفس ہے۔اس لئے بڑائی

کامعیار صرف نفس کی بڑائی پر ہے۔آدمی نے جتنا اسے سربلند کرلیا اتنا ہی وہ اونچا ہو گیا۔ جتنا اسے نیچے گرادیا اسی نسبت سے وہ خود گر گیا۔ آدمی کا جسم، دنیا کے ذرائع اور زندگی کا مقصد صرف یہی ہے کہ روح ایک کامیاب نفس بن کر اپنے خالق کے سامنے پیش ہو۔

جہاں تک موت کا تعلق ہے یہ جسم سے نجات کا نام ہے۔ہم سب جانتے ہیں کہ جب جسم کا کوئی حصہ اس کیلئے تکلیف کا باعث بن جاتا ہے تو ہم اسی میں بہتری سمجھتے ہیں کہ اس کو کاٹ کر علیحدہ کر دیا جائے جیسے دکھتے دانت کو نکال پھینکتے ہیں۔ جب پورا کا پورا جسم سوہان روح بن جاتا ہے تو اس وقت نفس اس سے باہر نکل آتا ہے۔ایسے ہی جیسے مکان کے چھینے جانے پر یا ناقابل رہائش ہونے پر مکین اسے خالی کر دیتا ہے یہی موت ہے یعنی موت نفس کی جسم سے علیحدگی کا نام ہے جس کے بعد اگر اس پر گناہوں کا بوجھ نہیں تو اللہ کی کائنات میں وہ جدھر چاہے سیر کرنے کے لئے آزاد ہوتا ہے۔ ورنہ اس بوجھ کے نیچے رینگتا اور قبر میں سڑتا رہتا ہے۔

13.12 روح کائنات کی بنیادی اکائی ہے

قرآن کریم ہماری اس بات کی طرف بھی رہنمائی کرتا ہے کہ روح صرف انسان کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ ہر ایک چیز، بلکہ ایٹم ایٹم روح رکھتا ہے جس سے انہیں اپنے خالق اور اس کے قوانین کی پہچان حاصل ہے۔اس سلسلہ میں قرآن کریم میں کبھی ہم خالق کائنات کو زمین و آسمان سے کلام کرتے دیکھتے ہیں، کبھی وہ پہاڑوں سے باتیں کرتا ہوا نظر آتا ہے، کبھی ہمیں اطلاع دی جارہی ہے کہ کائنات میں ہر چیز زمین، ستارے، پہاڑ، درخت، سمندر اور دریا، جاندار اور بے جان سب خالق کی تسبیح پڑھتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اپنی اپنی سطح پر کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے ادراک اور اس کے قوانین سے بے خبر نہیں، ذرہ ہو یا سورج، پانی ہو یا ہوا، زمین ہو یا آسمان غرض ایٹم ایٹم کی اپنی روح ہے جو انہیں خالق سے آگاہ رکھتی ہے اور اس کے بنائے ہوئے قوانین کے مطابق انہیں کام پر لگا کر رکھتی ہے۔اسی حقیقت کے پیش نظر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے ڈرو، قیامت کے دن یہی تمہارے خلاف گواہی دے گی۔ جمادات کے علم پر بخاری شریف کی وہ حدیث بھی شاہد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور یہ بھی کہ مسجد نبوی میں کھجور کے جس تنا سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر خطبہ فرماتے تھے جب اس کو مسجد سے نکالا گیا تو لوگوں نے اس کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنیں۔اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے وہیں منبر کے نیچے دفنا دیا۔

مندرجہ ذیل آیات میں آپ دیکھیں گے کہ کائنات کی ہر چیز کو اللہ پاک کا شعور حاصل ہے، انہیں اس کے قوانین سے آگاہی ہے اور وہ امر ربی کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کیلئے مسلسل مصروف عمل ہیں اور یوں اس کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ فرمایا:۔

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ آسمان میں ہے، سورج، چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور

Marfat.com

، اور بہت سے انسان بھی(لیکن انسانوں میں) اکثر وہ ہیں، جن پر عذاب مقرر ہوچکا ہے ، اور جسے اللّٰہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بے شک اللّٰہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے"۔سورۃ السجدہ، آیت 18

سورۃ الانبیاء میں آگ سے خطاب ہے کہ وہ کیسے اللہ تعالیٰ کے حکم کو سمجھتی ہے اور عمل کرتی ہے فرمایا:۔

"بولے اس کو آگ میں جلادو اپنے معبودوں کی حمایت میں، اگر تمہارے لیے یہ ممکن ہو، ہم نے کہا! اے آگ ٹھنڈی ہوجا اور سلامتی ہو ابراہیمؑ پر"۔

سورۃ الانبیاء، آیت 68-69

آیت (74)2 میں بادلوں اور ان میں پیدا ہونے والی گرج کا بیان ہے کہ وہ بھی اپنے رب کو پہچانتی ہے اور اس کی تسبیح کرتی ہے۔ فرمایا:۔

"کرتی ہے گرج تسبیح اس (اللّٰہ) کی"۔سورۃ البقرۃ، آیت 74

غرض قرآن کریم میں جگہ جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اس سے ڈرتا ہے اور اس کے حکم پر عمل کررہا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات بھی یہی بات ثابت کرتی ہیں:۔

"اور پتھروں میں سے وہ بھی ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں، اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے، اور کچھ وہ ہیں جو اللّٰہ کے ڈر سے گرپڑتے ہیں ، اور اللّٰہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں ہے"۔سورۃ البقرۃ، آیت 74

"اگر ہم اتارتے یہ قرآن کسی پہاڑ پرتو آپ اسے دیکھتے ڈراھوا، اور وہ اللّٰہ کے خوف سے پاش پاش ھوجاتا، اور یہ مثالیں ہم ان لوگوں کیلئے بیان فرماتے ھیں، کہ وہ اس پر غوز و فکر کریں"۔ سورۃ الحشر، آیت 21

''اور داؤد کیلئے ہم نے پہاڑ مسخر کردیے کہ تسبیح کرتے تھے، اور پرندے بھی اور یہ ہمارا ہی کام تھا''۔ سورۃ الانبیاء، آیت 79

''جس دن گواہی دیں گے ان پر ان کی زبانیں، اور ان کے ہاتھ اور ان کے پائوں،ان کاموں کی جو وہ کرتے تھے''۔ سورۃ النور، آیت 24

قرآن کریم کی ایسی تمام آیات ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ روح کا ایک بنیادی خاصہ اللہ تعالیٰ اوراس کے امر یعنی قوانین فطرت سے آگاہی ہے، اس لحاظ سے کوئی چیز بھی روح سے خالی نہیں یعنی یہ کائنات کی بنیادی اکائی ہے۔ کسی نہ کسی درجہ پر نہ صرف حیوانات، نباتات بلکہ جمادات سب میں ہے۔ فرق صرف درجات میں ہے مثلاً جمادات کی روح انتہائی کم درجہ پر ہے۔ اس سے اگلی ترقی یافتہ روح نباتات میں ہے، حیوانات کی روح اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہے لیکن جس روح کو علم کا شعور اور اختیار کی دولت دی گئی ہے وہ صرف انسانی روح ہے۔ جو ایمان اور عمل کے نتیجہ میں نفس میں تبدیل ہو کر اپنی موت کے بعد مالک حقیقی کے سامنے حاضر ہوتی ہے۔

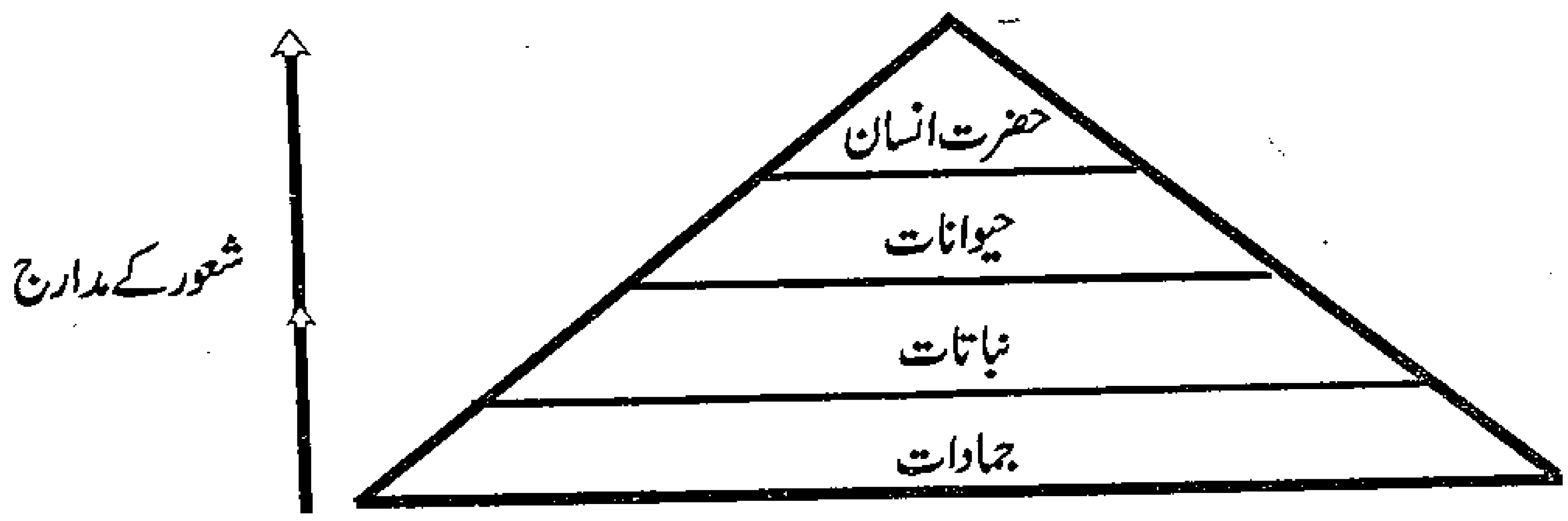

13.13 جان دار اور بے جان

اوپر دی گئی آیات میں ایک نہایت دلچسپ اور انوکھی بات یہ نظر آتی ہے کہ اپنی اصطلاح میں ہم جن چیزوں کو بے جان سمجھتے ہیں خدا تعالیٰ ان سے ہم کلام نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ وہی بے جان چیزیں خدا کی تسبیح میں مصروف کار بتائی گئی ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بظاہر بے جان چیزوں کو بھی رب تعالیٰ کا شعور حاصل ہے۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جاندار اور بے جان بالکل ایک نسبتی امر ہے۔ ہم ان چیزوں کو جاندار سمجھتے ہیں جو کھاتی، پیتی اور بڑھتی ہیں لیکن یہ اس لیے کہ پہلے ہم نے جاندار اور بے جان کی تخصیص کی، پھر اس تخصیص سے تعریف واضح کر لی۔ اس کے برعکس اگر ہم اوپر دی گئی قرآنی

Marfat.com

آیات کے پیش نظر جاندار اور بے جان چیزوں کی تعریف کریں تو ہم مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچیں گے۔

"وہ تمام اشیاء جاندار ہیں جنہیں اپنے رب سے رابطہ (Communication) کا شعور حاصل ہے۔اس تعریف کے مطابق کسی نہ کسی سطح پر کائنات کی ہر چیز میں اپنے خالق کا شعور ہے۔ وہ اپنے خالق کو بھی جانتی ہیں اور اس کے بنائے ہوئے قوانین سے بھی آگاہ ہیں۔ یوں کائنات میں کوئی بھی چیز بے جان نہیں ہے اور روح کائنات کی ایک بنیادی اکائی ہے یعنی کائنات کا ذرہ ذرہ روح رکھتا ہے اور اسی روح ہی کی وجہ سے ہر چیز کا اپنا اپنا مجاز (Character) ہے۔

یہ کہ ہر چیز کی روح ہے اس لحاظ سے ایک سائنسی حقیقت بھی ہے کہ ہر چیز کے اپنے اپنے خواص ہیں جو کہ روح کا خاصہ ہے۔ اس کے علاوہ ایٹم ایٹم قوانین قدرت کا پابند ہے۔ جس پر تمام سائنس کی بنیاد ہے۔ قدرت کے قوانین سے آگاہی بھی روح ہی کا ایک خاصہ ہے۔ عناصر کے ایٹم جو مقررہ قوانین کی پابندی کرتے ہیں وہ اس لئے ہے کہ وہ ان قوانین کو جانتے ہیں۔ 1980ء کی دہائی میں فرانسیسی سائنسدانوں نے پانی کے متعلق تجرباتی طور پر معلوم کیا کہ پانی کے مالیکولز (Molecules) کی یادداشت ہوتی ہے۔[12]

13.14 کائنات کی تین بنیادی اکائیاں

عام طور پر سائنس کائنات کی صرف دو اکائیوں سے متعارف ہے کہ ان میں سے ایک "مادہ" ہے اور دوسری "توانائی" ہے لیکن اوپر قرآنی فہم سے اخذ کی گئی تھیوری کے مطابق کائنات کی دو نہیں بلکہ تین بنیادی اکائیاں ہیں۔

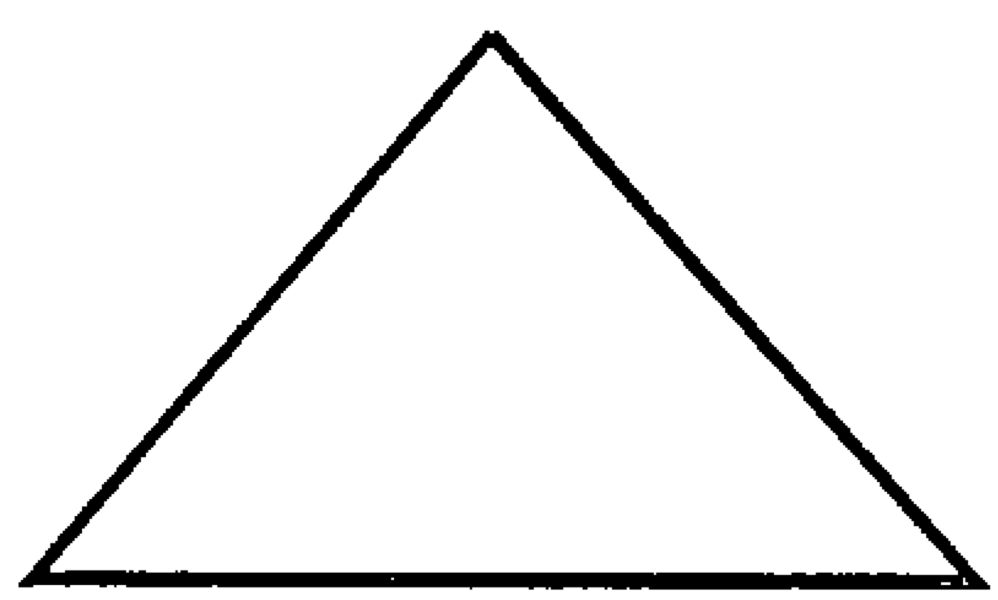

1۔ مادہ (Matter) اس سے اجسام وجود میں آتے ہیں۔ جو بیرونی دنیا سے رابطے کا ذریعہ ہیں۔

2۔ توانائی (Energy) یہ وہ ہے جو اجسام میں حرکت اور قوت کا باعث ہے۔ زندگی کا دارومدار اسی پر ہے۔

3۔ روح (Soul) یہ وہ ہے جس کی وجہ سے ہر چیز قوانین قدرت کا شعور رکھتی ہے۔ انسان اسی کی وجہ سے انسان ہے۔

کائنات میں چھوٹے سے چھوٹا قرار دیئے والا جسم ایٹم ہے۔ اس نظریہ کے مطابق ایٹم بھی محض توانائی اور مادہ نہیں بلکہ اس کی بھی ایک تیسری اکائی روح ہے۔ یہاں ہو سکتا ہے کہ بہت سارے لوگ جن کا سائنسی علم سطحی ہے وہ اعتراض کریں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ہم نے تو یہی پڑھا

Marfat.com

ہے کہ ایٹم کے باہر الیکٹران ہوتے ہیں اور اس کے مرکز میں پروٹان اور نیوٹران ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایٹم کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ سب نظریات درحقیقت انسانی حساب کی تصویریں ہیں جو سائنس کے کچھ بڑے بڑے دماغوں نے ایٹموں کو سمجھنے کیلئے پیش کیں۔ ان میں جو عظیم ترین ہیں انہوں نے بھی اپنی بات کو حرف آخر نہیں کہا مثلاً نہ تو بوہر (Bohar) نہ پلینک (Plank) نے، نہ آئن سٹائن نے اور نہ ہی کسی اور نے کبھی بھی کہا کہ ان کی تحقیق کے باہر کچھ نہیں۔ کوئی بھی سائنس دان ایسے کبھی نہیں کہے گا۔

اس لیے ہماری یہ تھیوری کے ایٹم کی ایک تیسری اکائی بھی ہے جسے ہم اس کی روح کا نام دے رہے ہیں۔ کوئی ناقابل یقین بات نہیں ہونا چاہیے بلکہ یہ اس بات کا جواب فراہم کرتی ہے کہ ایٹمی ذرات کیوں قوانین فطرت سے واقف ہیں؟ کیوں ان کا اتباع کرتے ہیں؟ کیوں مادی عناصر کے باہم مخصوص مرکبات سے زندگی پیدا ہو جاتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ ایٹم کا مطالعہ جدید تحقیق کی رو سے کریں تو معلوم ہوگا کہ ایٹم اب الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران نہیں بلکہ یہ بہت پیچیدہ نظام ہے جس کو سمجھنے کیلئے ہزاروں بہترین دماغ لگے ہوئے ہیں اور اس پر نئی نئی تحقیقات کر کے سائنس دان نوبل انعام جیت رہے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایٹم اپنے سینے میں بے شمار راز چھپائے ہوئے ہے۔ اس لئے جب ایک سائنسدان پیچھے نگاہ کرتا ہے تو اس کی کیفیت یوں ہوتی ہے۔

ابھی تو ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اس وقت ہمارے لیے اتنا جاننا ضروری ہے کہ ایٹم کے مرکز کے باہر الیکٹران ہوتے ہیں جو تقریباً تین لاکھ کلومیٹر میل فی سیکنڈ کی رفتار سے اپنے اپنے مداروں میں گھوم رہے ہیں یہ بیک وقت ذرات بھی ہیں اور توانائی کے مرغولے بھی۔ ایٹم کے مرکز (Nucleus) میں اس کا سارا وزن (Mass) ہے لیکن یہاں بھی بالکل ایک طوفانی حالت ہے، کہنے کو تو وہاں پروٹان اور نیوٹران ہیں لیکن درحقیقت یہ دونوں بھی بے شمار بنیادی نیچر کے ذرات (Fundamental Particles) کے مرکب ہیں جن میں ہر آن انتہائی ہلچل ہے۔ نیوٹران اور پروٹان تو ارک (Quark) اور لیپٹان (Leptans) سے بنے ہوئے ہیں وہ آگے مزید دوسرے اقسام کے ذرات کے مرکبات ہیں اس سلسلہ میں آخر کار صرف چند بنیادی قوتیں (Fundamental Forces) ہی رہ جاتی ہیں جن میں سے بجلی اور مقناطیسی قوت (Electromagnetic Force) نیوکلیئر کمزور طاقت (Nuclear Weak Force) اور نیوکلیئر مضبوط طاقت (Nuclear Strong Force) اور کشش ثقل (Gravity Force) شامل ہیں۔ ان پر مزید غور کیے جانے کے بعد یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ چاروں طاقتیں بھی دراصل ایک ہی طاقت کی مختلف کیفیات ہیں اور اس بنیادی طاقت کو جو ہر وجود کی ماں ہے کو قوت واحدہ (Singularity) کا نام دیا گیا ہے مطلب یہ کہ جیسے جیسے آپ باطن کی گہرائیوں میں جاتے ہیں آخر کار ایک امر واحدہ ہی ثابت ہوتا ہے یہی امر ربی ہے۔ یہی 'کن' ہے باقی سب کچھ اس کے اظہار کی مختلف صورتیں ہیں۔

Marfat.com

اپنی بیرونی حیثیت میں کسی حد تک ایٹم کا اپنا نظام ہمارے سورج اور اس کے اردگرد گھومنے والے سیارچوں کے نظام سے بھی ملتا جلتا ہے۔ الیکٹران اور مرکز کے درمیان فاصلہ بھی نسبتاً ایسے ہی ہے جیسے سورج اور ہماری زمین کے درمیان ہے اور اگر کوئی دیکھنے والا الیکٹران سے بہت چھوٹا ہو تو اسے ایٹم بالکل نظام شمسی کی طرح نظر آئے گا، جس میں ہر طرف خلا ہی خلا ہوگا۔ چنانچہ آپ کے سامنے جو میز کرسی، دیوار یا آپ خود ہیں اور بظاہر بڑے ٹھوس اجسام نظر آتے ہیں لیکن الیکٹرانی سائز کے وجود کیلئے یہ سب کھوکھلے وجود ہیں۔ اتنے کھوکھلے کہ اگر کسی طریقہ سے ان کو پچکایا جا پاسکے کہ ایٹموں کے مرکز آپس میں مل جائیں تو ایک پہاڑ پچک کر اتنا چھوٹا ہو جائے گا کہ ایک بہت ہی طاقتور خوردبین سے بھی شاید مشکل سے نظر آئے گا۔ اگر اسی طرح سے زمین کو پچک دیا جائے تو اس کا حجم ہماری مٹھی سے بھی کم ہو جائے گا۔

حیران کن بات یہ ہے کہ ہر عنصر کا ہر ایٹم اپنی خصوصیات کو کیسے برقرار رکھتا ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو اس سارے نظام کو قابو میں رکھ رہی ہے؟ اس کا جواب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ایٹم میں مختلف نوع کے ذرات اور حرکات کو نظم و ضبط بخشنے والا ایک مربوط اور مضبوط نظام ہے جسے ہم ایٹم کی روح سے موسوم کر رہے ہیں۔ ایٹم کی یہ روح کائنات کی بنیادی روح ہے جس طرح ہر چیز مختلف عناصر کے ایٹموں سے مل کر بنتی ہے اس طرح انہی بنیادی روحوں کے مرکب سے بڑی روحیں وجود میں آتی ہیں۔ ہر چیز خواہ وہ جمادات کی نوع سے ہو یا نباتات یا حیوانات کی جنس سے، روح اس کی بنیادی صفت ہے۔ یہی وہ روح ہے جس کی وجہ سے ہر چیز کا علیحدہ علیحدہ اپنا کریکٹر ہے۔ کائنات کی ہر چیز میں حسن، رابطہ اور نظام دراصل اس کی روح کے اظہار کی ہی مختلف اشکال ہیں۔ یہ پہاڑوں میں بھی ہے، سمندروں میں بھی ہے، بارش کے ہر قطرے میں بھی ہے، نہ بادل اس سے خالی ہیں نہ ہوائیں اس کے بغیر ہیں۔ پتھر، مٹی، پھول، پودے، درخت اور جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں ان سب میں روح ہے آپ ان کو دیکھ رہے ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں لیکن سب کے درجات مختلف ہیں اور انداز علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جس طرح پتھر اور پانی مختلف ہیں اسی طرح ان کی روحیں بھی مختلف ہیں۔ جتنی کوئی چیز ترقی یافتہ ہے اسی قدر اس کی روح بھی ترقی یافتہ ہے۔ اس لحاظ سے ہم اشیاء کی روحوں کو مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کر سکتے ہیں۔

(1) جمادات کی روح

(2) نباتات اور حیوانات کی روح

(3) انسان کی روح

13.15 جمادات کی ارواح

جمادات کی ارواح اپنی اصل میں جامد ہیں اور ماحول سے بہت کم اثر پذیر ہوتی ہیں لیکن اپنے اوپر سے گزرنے والے واقعات کے اثرات محفوظ کر لیتی ہیں۔ ان کے حافظہ کا ایک نظام (Memory Systems) ہے اور ان سے رابطہ قائم کیا جانا ممکن ہے لیکن اس کیلئے خاص

Marfat.com

ذرائع ضروری ہیں۔ مادی طور پر عمل ارتعاش (Resonance) ان سے رابطہ کا ایک ذریعہ ہو سکتا ہے لیکن یہ زیادہ ممکن معلوم ہوتا ہے کہ جامد اشیاء سے رابطہ کا بہتر ذریعہ خود انسان کی اپنی روح ہو۔ جب ہماری روح کسی ایسے منظر کو دیکھ کر جھوم پڑتی ہے تو کیا پتہ کہ یہ خوشی اور تازگی انسانی روح کے ان نباتات اور جمادات کی ارواح سے رابطہ کے نتیجہ میں ہو۔ جب ہم جمادات کو اپنی مرضی سے کام میں لے آتے ہیں تو یہ بھی ان سے رابطہ کا ذریعہ ہے۔ (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مشہور اور مصدقہ معجزہ ہے کہ پتھر کی کنکریاں ان کا کلمہ پڑھتی تھیں جسے دوسرے لوگ سن سکتے تھے اس کے علاوہ درختوں کا ان کے سامنے جھک جانا بھی معجزہ تھا)۔ پیرا سائیکالوجی (Para Psychology) کے تجربات میں بھی بے شمار مشاہدات کا ذکر ملتا ہے جہاں کچھ خصوصی انسان اپنے ارادوں کی طاقت سے چیزوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں خود قرآن کریم میں ایک ایسے عالم بندے کا ذکر ہے جو پلک جھپکنے میں ملکہ سباء کا تخت سینکڑوں میلوں کی مسافت سے اٹھا لایا۔

13.16 نباتات اور حیوانات کی روحیں

نباتات اور حیوانات کی روحوں میں بے شمار درجات ہیں۔ ارتقاء کی منازل میں جس قدر کوئی چیز ان میں سے آگے ہے اتنی ہی اس کی روح بھی ترقی یافتہ ہے۔ اس نوع میں اگرچہ روحوں سے رابطہ آسان ہے لیکن شعور کے لحاظ سے ان کا درجہ بھی بہت کم ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ کئی اقسام کے پودے موسیقی کی خاص دھنوں پر وجد میں آ جاتے ہیں، اس طرح موسیقی کا اثر حیوانات پر بھی بہت گہرا ہوتا ہے۔ انسان حیوانات کی روحوں سے پیار اور محبت کے ذریعے رابطہ کر سکتے ہیں لیکن اس بارے میں ابھی انسان کا علم بالکل سطحی ہے البتہ صوفیاء کرام کے مشاہدات بہت ہیں۔

قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام دو ایسے انسان تھے جن کو قدرت خداوندی سے ایسی خصوصی استعداد حاصل تھیں کہ وہ جمادات اور حیوانات کی ارواح سے رابطہ پیدا کر سکتے تھے۔ آیات (44-14) 27 میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات درج ہیں کہ وہ چیونٹیوں کی آوازیں بھی سمجھ سکتے تھے اور اس کے علاوہ مختلف جانوروں سے ہم کلام بھی ہوتے تھے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام میں استعداد تھی کہ وہ پہاڑوں اور جانوروں سے رابطہ قائم کر لیتے تھے۔ فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اور داؤد کیلئے ہم نے پہاڑ مسخر کردیے کہ تسبیح کرتے تھے، ان کے ساتھ اور پرندے بھی اور یہ ہمارا ہی کام تھا"۔ سورۃ الانبیاء، آیت 79

پھر ارشاد ہے کہ:۔

Marfat.com

"اور داؤد کو ہم نے اپنا بڑا فضل دیا، اور حکم دیا اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح پڑھو، اور اے پرندو! تم بھی اور ہم نے اس کیلئے لوہے کو نرم کیاکہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں پیمائش کا لحاظ رکھو، اور تم سب نیک عمل کرو بیشك جو کام تم کرتے ہو، میں (اللہ تعالیٰ) انہیں دیکھ رہا ہوں"۔سورۃ سبا، آیت 11

مستقبل میں جمادات، نباتات اور حیوانات کی ارواح پر تحقیق اور مجاہدات کے نتیجہ میں امید کی جاسکتی ہے کہ انسان کو ایسی استعداد حاصل ہوجائے کہ وہ اپنے سامنے بکھری ہوئی کائنات سے ایک روحانی رشتہ قائم کرسکے۔اس روحانی ترقی کے دور میں انسان اپنے ماحول سے باہمی بات چیت کرسکے گا۔ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کیلئے اسے جسمانی طور پر حرکت کی ضرورت نہیں ہوگی اور پیغامات وصول کرنے یا بھیجنے کیلئے کوئی ٹیلیفون نہیں چاہیے ہوگا۔اس دور میں موجودہ صنعتی عہد ایسے ہی معلوم ہوگا جیسے آج ہمیں دو چار ہزار سالہ پرانی تہذیبیں نظر آتی ہیں۔

13.17 انسانی، حیوانی، نباتاتی اور جماداتی ارواح کے مقام

یونیورسل روح کے نظریہ کے مطابق روح کائنات کی بنیادی اکائی ہے۔کوئی چیز خواہ وہ مٹی ہو یا پتھر، پودے ہوں یا درخت، چرند ہوں یا پرند، حیوان ہوں یا انسان، سب میں بنیادی چیز ان کی اپنی اپنی روح ہے لیکن ہر روح کا اپنا اپنا مقام ہے۔اس لحاظ سے ایٹم کی روح کائنات کی بنیادی روح ہے اور باقی چیزوں کی روحیں اپنے ایٹوں کی روحوں کا امتزاج کا نتیجہ ہیں۔کوئی چیز ارتقاء کی جس منزل پر ہے اسی منزل پر اس کی روح ہے۔جمادات، حیوانات کی ارواح کے حوالہ سے اب ہم انسانی روح کے مقام کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بات کو ہم ایک مثال سے واضح کریں گے جو لوگ نیوکلیئر ری ایکٹر کی تھیوری کو جانتے ہیں وہ اس مثال کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ نیوکلیئر ری ایکٹر کا ایندھن یورینیم کی دھات ہے۔یورینیم کی روح کا یہ خواصہ ہے کہ جب کسی ایٹم کے باہر سے آکر کوئی نیوٹران ٹکراتا ہے اور اس میں جذب ہوجاتا ہے تو فوراً یورینیم کا یہ ایٹم دو بڑے حصوں میں پھٹ جاتا ہے اور پھٹنے پر دو سے تین نیوٹران پیدا ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ توانائی کی بھی تھوڑی سی مقدار نکلتی ہے۔پھٹنے کے اس عمل کو فشن (Fission) بولتے ہیں۔نئے پیدا ہونے والے نیوٹران میں سے کچھ تو ادھر ادھر ضائع ہوجاتے ہیں اور جو باقی بچ جاتے ہیں وہ پھر یورینیم کے کسی اور ایٹم سے ٹکرا کر مزید نیوٹران اور توانائی کے بننے کا باعث بنتے ہیں۔آلات کا وہ نظام جس سے یورینیم کے اس عمل سے فائدہ اٹھا کر وافر مقدار میں توانائی پیدا کی جاتی ہے اسے نیوکلیئر ری ایکٹر کہتے ہیں۔جیسے ہی فشن ہوتا ہے بہت سے نیوٹران اپنی رفتار کی وجہ سے یورینیم سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ان کو روکنے کیلئے ری ایکٹر کے اردگرد ایک ایسی چیز لگادی جاتی ہے جو نیوٹران کو واپس لوٹا دے۔اسے ری فلیکٹر Reflector کہا جاتا ہے۔بنیادی طور پر یورینیم اور ری فلیکٹر Reflector کا یہ امتزاج ہی نیوکلیئر ری

Marfat.com

ایکٹر ہے۔ نیوکلیئر انجینئر یہ جانتے ہیں کہ اگر ری ایکٹر کا حجم ایک خاص حد سے کم ہو تو فشن کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ جتنے نیوٹران پیدا ہوتے ہیں اس سے زیادہ ضائع ہو جاتے ہیں لیکن جیسے جیسے ری ایکٹر کا سائز بڑھاتے جاتے ہیں ضائع ہونے والے نیوٹران کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے اور فشن کا عمل نسبتاً زیادہ دیر جاری رہتا ہے۔ اگر ری ایکٹر کا حجم مزید بڑھائیں تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب باہر جانے والے اور اندر پیدا ہونے والے نیوٹران برابر ہو جاتے ہیں۔ ری ایکٹر کے اس سائز کو مناسب (Critical) سائز کہا جاتا ہے۔ اب فشن کو جاری رکھنے کیلئے باہر سے نئے نیوٹران ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ عمل خودکار ہو جاتا ہے۔ اس خودکاری ری ایکٹر کیلئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے کنٹرول میں رکھا جائے تاکہ متواتر پیدا ہونے والی توانائی کی گرمی اس کو تباہ ہی نہ کر دے۔

نیوکلیئر ری ایکٹر کی اس مثال میں مندرجہ ذیل نکات غور طلب ہیں۔

1۔ جب تک ری ایکٹر کا سائز Critical نہیں یعنی جب تک اس کا حجم نامناسب (Sub-critical) ہے اس وقت تک اگرچہ اس میں ضروری مواد مثلاً ایندھن اور ریفلیکٹر (Reflectors) موجود بھی ہو لیکن اس میں نیوٹران فشن کا عمل جاری نہیں رہ سکتا۔

2۔ ایک سب کریٹیکل (Sub-Critical) ری ایکٹرز میں اگرچہ نیوٹران باہر سے داخل بھی کر دیے جائیں تھوڑی دیر کے بعد ہی نیوٹران کی آبادی (Flux) پھر سے صفر ہو جاتی ہے۔

3۔ جب ری ایکٹر کا سائز بڑھا کر Critical کر دیا جائے تو پھر یہ خودکار مشین بن جاتا ہے جس میں فشن کا عمل خود بخود جاری رہتا ہے اور باہر سے نیوٹران ڈالنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

4۔ جب ری ایکٹرز کریٹیکل ہو جائے تو لازمی ہے کہ اسے کنٹرول کیا جائے ورنہ وہ اپنی ہی گرمی سے خود کو پگھلا کر تباہ کر دیتا ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری یہ مثال روح کے مسئلہ کو سمجھنے کیلئے کس طرح معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ جس طرح یورینیم میں ہر وقت فشن (Fission) ہونے کی خاصیت موجود ہے اسی طرح عناصر کے ہر ایٹم میں روح کا وجود موجود ہے لیکن وہ اپنی جامد حالت میں ہے۔ جب عناصر سے نباتات کی تخلیق ہوتی ہے تو بہت سے پیچیدہ مرکبات وجود میں آتے ہیں، حتیٰ کہ سادہ نباتات کا Cell بھی پیچیدہ سے پیچیدہ کیمیکل کی نسبت سینکڑوں گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ ری ایکٹرز والی مثال کے پیش نظر ہم یوں کہیں گے کہ نباتات میں Cell کا سائز اگرچہ جمادات کی نسبت بہت بڑھ گیا ہے لیکن ابھی تک وہ Critical نہیں ہوا۔ حیوانات کا Cell نباتات کی نسبت اور بھی زیادہ بڑا اور پیچیدہ ہوتا ہے لیکن ابھی بھی وہ Critical نہیں ہوتا، یعنی حیوانات اور نباتات کی مثال ایک Sub-Critical ری ایکٹر کے مصداق ہے۔ جس طرح ری ایکٹر میں فشن کیلئے تمام ضروری مصالحہ جات کے ہونے کے باوجود محض چھوٹے سائز ہونے کی وجہ سے وہ خودکار نہیں ہو سکتا اس طرح جمادات، نباتات اور حیوانات روح رکھنے کے باوجود شعور کی اختیاری والی حالت میں نہیں پہنچ سکتے اور ان کا بیرونی شعور سے اثر پذیر ہونا بھی خالصتاً وقتی ہوتا ہے۔ جیسے ہی بیرونی

Marfat.com

شعور کا رابطہ منقطع ہوا یہ روحیں دوبارہ اپنی سطح پر گرتی جاتی ہیں۔

اب انسانی روح کی طرف آیئے۔ انسانی Cell تمام دوسرے حیوانات کے Cell کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ ہوتے ہیں مثلاً آدمی کا DNA بیکٹیریا کی نسبت کم از کم 1000 گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ اس طرح ترقی یافتہ حیوانات مثلاً بن مانس وغیرہ سے بھی یہ کئی گنا زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ یہی حال انسانی جین کا ہے۔ تمام تر حیوانات کی نسبت انسانی جین کا فارمولا بہت زیادہ پیچیدہ اور بڑا ہے یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسانی سیل (Cell) اپنے ارتقاء میں حیوانات کے سیل کی مانند سب کریٹیکل (Sub-Critical) نہیں بلکہ Critical ہو چکا ہے۔

جیسے Critical ہونے پر ایک نیوکلیئر ری ایکٹر میں فشن کا عمل خود بخود جاری رہتا ہے یعنی اسے بیرونی ذریعہ سے نیوٹران کی ضرورت باقی نہیں رہتی، ایسے ہی انسانی سیل کی روح اپنی کریٹیکل حجم کی مناسبت سے لاشعور کی حدود سے نکل کر شعور اور اختیار کی حدود میں نکل گئی ہے۔ اب جس طرح ایک کریٹیکل ری ایکٹرز کو کنٹرول کرنا ضروری ہے اس طرح انسان کو بھی کنٹرول کرنا ضروری ہے ورنہ وہ اپنے آپ کو تباہ بھی کر سکتا ہے۔

ہماری اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

1۔ یہ صرف انسان کی ہی روح ہے جس کا مقام اعلیٰ شعور اور اختیار کی حدود میں ہے۔ حیوانات اور نباتات کی ارواح کا مقام انسانی روح کی نسبت کہیں نیچے ہے۔

2۔ انسانی روح کا مقام اور انسانی Cell کے ارتقاء میں چولی دامن کا ساتھ ہے جیسے ہی انسانی سیل کریٹیکل حدود میں داخل ہوا روح بھی اپنے جمود سے نکل کر متحرک Dynamic ہو جائے گی اور جس کے بعد اس پر کنٹرول ضروری ہے۔

3۔ جسم کا ایک ایک Cell ہماری روح کا مسکن ہے۔ جب تک انسانی زندگی برقرار رہتی ہے وہ اس کی روح پر ہر آن اور ہر لمحہ اس سے Radiate ہوتی رہتی ہے۔

جس طرح توانائی کبھی بجلی اور کبھی گرمی اور کبھی کسی اور صورت میں اپنی اشکال بدلتی رہتی ہے اس طرح انسانی روح بھی جسم کے مرنے کے بعد اپنی شکل بدل سکتی ہے لیکن تباہ نہیں ہوتی۔

13.18 روح کی شکل

جن سائنسی تجربات میں انسانی روح کو دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کے اردگرد توانائی کا ایک ہالہ ہے، جسم اس ہالہ کا مرکز ہے اور اس کے اردگرد یہ ہالہ اپنی شعائیں بکھیر رہا ہے۔ کمزور روحوں کا یہ ہالہ جسم کے اردگرد سکڑا ہوگا لیکن وہ روحیں جو حیوانی سطح سے بلند ہوتی جاتی ہیں ان کی روحوں کے ہالہ کا دائرہ کار وسیع ہوتا ہے۔ وہ مقدس ہستیاں جنہوں نے زندگی میں روح کی ترقی کیلئے محنت کی ان کی

Marfat.com

روح کا دائرہ اثرات اتنا وسیع ہوتا جاتا ہے کہ دوسرے انسان ان کے روحانی نور کے اندر آ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔ نہ صرف زندگی بلکہ ان کے روحانی اثرات موت کے بعد بھی قائم رہتے ہیں اور ان کی قبور فیض کا سدا سرچشمہ ہوتی ہیں۔

جہاں تک روح کی شکل کا تعلق ہے ابھی تک کے سائنسی مشاہدات سے جن میں امریکی سائنسدانوں کا کام بڑا اہم ہے معلوم ہوتا ہے کہ روح کی شکل انسانی جسم کا روشن عکس ہے۔ روح کی اس انفرادی شکل کا امکان قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

"جس دن تو دیکھے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو چلتا ہے ، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنے - (انہیں کہا جا تا ہے) آج تمہارے لیے خوشخبری ہے، اس جنت کی جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہی بڑی کامیابی ہے".

سورۃ الحدید، آیت 12

13.19 سیل (Cell) انسانی روح کا امین اور کلوننگ سے پیدائش

ابھی تک ہم نے یہ دیکھا ہے کہ انسانی روح کی بنیاد بھی اس کے جسم کے ایٹموں کی ارواح ہی ہے جب کہ جمادات، نباتات اور حیوانات کی روحیں جمود کی حالت میں ہیں۔ انسانی سیل کے کریٹیکل حدود سے تجاوز کرنے پر اچانک اس کی روح کو وہ مقام عطا ہو جاتا ہے جہاں اسے آزادی، اختیار اور عقل کی استعداد حاصل ہو جاتی ہے۔

جیسے کہ ہم پہلے بحث کر چکے ہیں کہ انسان کا ایک ایک سیل ہماری روح کا مخزن ہے۔ ایک عام جسامت کے انسان میں تقریباً ایک لاکھ ارب سیل ہیں۔ اگرچہ ایک سیل کا وجود محض پندرہ مائیکروں ہے، یہ وہ سائز ہے جو انتہائی طاقتور خوردبین کے نیچے ہی نظر آ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود ان میں سے ہر ایک سیل انسان کی شخصیت کا مظہر اور امین ہے۔ یعنی خوردبینی سطح پر ہر ایک سیل کی مکمل انسانی شخصیت ہے اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ کسی انسان کے ایک سیل سے اس آدمی کی صحیح نقل بنائی جا سکے۔ لیبارٹری میں اس طرح کا پیدا کیا ہوا انسان اپنے پیش رو کی طرح روح اور جسم دونوں کا مالک ہوگا۔ ٹیسٹ ٹیوب میں پیدا ہونے والے بچے بھی چونکہ کسی مرد اور عورت کے انڈوں کے باہمی امتزاج کے بعد ہی نشوونماء پاتے ہیں اس لیے وہ بھی روحوں سے خالی نہیں ہو سکتے۔ ہو بہو جڑواں بچوں (Indentical Twins) کی پیدائش بھی ایک ہی سیل کے دو ٹکڑوں میں بٹ جانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بھی ماں کے پیٹ میں ایک طرح کا قدرتی کلوننگ ہی کا عمل ہے۔ چنانچہ کوئی آدمی یا عورت قدرتی ذریعہ سے پیدا ہو یا لیبارٹری میں پیدا ہو، چونکہ جس خلیہ سے وہ نشوونماء پاتا ہے وہ روح کا امین ہوتا ہے اس لیے اس سے پیدا ہونے والا انسان بھی روح اور جسم والا ہی انسان ہوگا لیکن نفس کی کیفیت اور ترقی اپنی اپنی ہوئی۔

Marfat.com

اور ہم نے سیل کی روح کا جو نظریہ پیش کیا ہے یہ ہمارا اچھوتا خیال نہیں بلکہ اس نظریہ کا منبع بھی قرآن کریم ہی ہے جو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ ایک بچہ بنیادی طور پر فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان خواہ کہیں بھی ہو ہمیشہ کسی نہ کسی صورت میں خدا تعالیٰ کے وجود کی پرستش کرتا آیا اور کرتا جائے گا اور بنیادی انسانی، سچائیاں (Fundamental Human Values) ہر جگہ ایک ہی ہیں۔ انسان کے باطن میں خالق کا پاس اتنی گہرائی میں ہوتا ہے کہ جب کسی کافر سے کافر یا دہریے سے دہریے پر بھی انتہائی مشکل وقت آتا ہے اور کوئی سہارا نہیں ملتا تو وہ بھی بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ "اے زمین و آسمان کے بنانے والے میری مدد کر"۔

قرآن کریم ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا یہ تصور انسان کی روح میں اس وقت درج کر دیا گیا تھا جب ہم سب آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے اس کے بعد نسل در نسل حضرت آدم علیہ السلام سے چلے ہوئے جینز کی وجہ سے ہر نئے پیدا ہونے والے انسان کی روح میں خدا کا تصور موجود ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

"اور (یاد کرو وہ وقت) جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے، ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ بولے! کہ بیشک تو ہمارا رب ہے، اور ہم اس کا اقرار کرتے ہیں (اس وعدہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ) کہ کبھی تم قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمیں تو اس کی خبر نہیں تھی، یا یہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا، اور ہم ہوئے اولاد ان کے پیچھے، تو کیا تو ہمیں اس فعل پر ہلاک فرمائے گا، اور یوں ہم بیان کرتے ہیں تفصیل سے اپنی آیتیں، اور یہ اس لیے کہ وہ حق کی طرف پلٹ آئیں"۔

سورۃ الاعراف، آیت 174-172

اس طرح آیت (7)5 میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اپنے اوپر اللّٰہ تعالیٰ کی مہربانی یادکرو، اور اس وعدہ کی جس سے اس نے تمہیں پابندکیا، تم نے اس وقت کہا ہم نے سن لیا اور مان لیا، اب تم اللّٰہ کی طرف اپنے فرض کو پورا کرو، اور اللّٰہ جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے"۔

سورۃ المائدہ، آیت 7

قرآن کریم کی یہ آیات درحقیقت سائنسی معجزہ ہیں جسے انسان بیسویں صدی کے آخر میں کسی حد تک سمجھنے کے قابل ہوا ہے۔ بیالوجسٹ اب اس نتیجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ انسانی سیل درحقیقت ایک مکمل شخصیت ہے۔ ہر ایک سیل میں ایک پروگرام درج ہے جنہیں ہم جینوم (Genome) کہتے ہیں۔ اپنے خواص میں جین بالکل ایک کمپیوٹر پروگرام کی مانند ہے جس پر انسانی زندگی کے بارے میں مکمل ہدایات درج ہیں۔ اس پر یہ لکھا جاچکا ہے کہ ہمارا کیا ناک نقشہ ہوگا، کس طرح کا رنگ ہوگا، ہم کتنے لمبے ہوں گے، ہمیں کس طرح کی بیماریاں لگیں گی، ہماری عمر کتنی ہوگی، ہمارا رجحان کدھر ہوگا، ہمارے خیالات کیسے ہوں گے، ہم کس قدر ذہین ہوں گے اور زندگی کیسے گذاریں گے۔ غرض یہ کہ بنیادی سیل جس سے ہماری زندگی کا آغاز ہوتا ہے خوردبینی سطح پر یہ ہماری پوری تصویر ہے۔ زندگی کے ساتھ ساتھ جین کا یہ کمپیوٹر پروگرام چلتا رہتا ہے اور اس تقدیر کے تابع ہم زندگی گزارتے رہتے ہیں پھر ایک وقت آتا ہے جب اس سے آخری پیغام نشر ہوتا ہے اور انسانی زندگی کی ٹک ٹک بند ہوجاتی ہے۔

Marfat.com

ب نمبر 14

روحوں پر مغربی سائنسی تحقیقات

14. تعارف

ابھی تک انسان کی حقیقت کے بارے میں ہماری تحقیق کا محور نظریاتی تھا جس میں اختلاف کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن کتاب کا یہ حصہ کچھ یسے حقائق اور مشاہدات پر مشتمل ہے جو واقعاتی ہیں جنہیں رد کرنا مشکل ہے۔ موت ہم سب کا یکساں مسئلہ ہے اور ایک اٹل حقیقت ہے جو آگے ل گئے وہ اس تجربہ سے گزر چکے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے وہ بھی جلد ہی اس مرحلہ سے گزرنے والے ہیں لیکن کیا موت محض خاتمہ ہے یا اس کے بعد ندگی پر ایک نیا دروازہ کھلتا ہے؟ اس کا جواب دینا بیشمار لوگوں کیلئے مشکل ہے جو لاکھ دلائل کے باوجود بھی کہیں گے کہ ثبوت مشاہدہ سے ہے۔ ان کے نزدیک انسان کا وجود بھی دوسرے حیوانوں کی طرح ہے، وہ پیدا ہوئے، جوان ہوئے، بوڑھے ہوئے اور پھر مر گئے۔ پیدائش ان کے نزدیک یک حادثہ ہے اور موت اس حادثہ کا انجام۔

زیر بحث مضمون میں کچھ ایسے ٹھوس مشاہدات، واقعات اور تجربات کا ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نہ پیدائش کوئی حادثہ ہے اور نہ موت کوئی خاتمہ بلکہ یہ ہستی کے دو دور ہیں۔ اس سلسلہ میں موت ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے نکلنے کا نام ہے۔ ان مشاہدات سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ زمین پر ہماری پیدائش، موت اور حیات کے سلسلہ کی درمیانی کڑی ہے اس سفر میں انسانی نفس یعنی آپ کی شخصیت ایک غیر فانی چیز ہے۔ فی الحال اس کے متعلق تحقیقات کی حیثیت تقریباً وہی ہے جو آج سے کچھ عرصہ پہلے ایٹم کے متعلق دریافتوں کی تھی لیکن باوجود اس کے کہ کسی انسان نے ایٹم کو ابھی تک نہیں دیکھا (شاید انسان براہ راست کبھی بھی ایٹم کو دیکھ نہیں پائے گا) لیکن ہم سائنسدانوں کی گواہی پر اعتقاد کرتے ہوئے نہ صرف ایٹم بلکہ اس کے اندر کے الیکٹران، نیوٹران اور پروٹان پر بھی یقینی حد تک ایمان رکھتے ہیں۔ افسوس کہ جب روح کی بات ہوتی ہے تو شک و شبہ کا شکار ہو جاتے ہیں حالانکہ اس کی اطلاع دینے والے سائنسدانوں سے کہیں زیادہ معتبر اور سچے انسان تھے۔

دراصل ایٹم اور اس کے اندر کے ذرات کو ہم نے ان کے اثرات کی وجہ سے سمجھا ہے مثلاً بجلی کی وجہ سے ہم الیکٹرانز کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ روح کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ انسان اس کی اصل صورت میں اسے کبھی نہ دیکھ پائے لیکن جیسے جیسے مزید تحقیقات ہو رہی ہیں وہ دن دور نہیں جب ہم اس کے وجود سے انکار نہیں کر سکیں گے۔

14.1 مغربی دنیا میں ارواح پر تحقیقات

پچھلے ایک سو سال سے مغربی دنیا خصوصاً برطانیہ، امریکہ اور روس میں پیرا سائیکالوجی (Para Psychology) کے حوالہ سے

Marfat.com

روحوں (Spirits)، غیر مرئی مخلوقات اور مابعد طبیعاتی طاقتوں (Meta Physical Forces) پر کئی جگہ ریسرچ ہو رہی ہے اور بڑے دلچسپ نتائج اخذ کئے جا چکے ہیں۔ ان تحقیقات کے پیچھے جو محرکات ہیں ان میں ایک تو علمی پیاس ہے لیکن اس کے علاوہ سراغرسانی محکمہ جات (Intelligence Agencies) کے اپنے مخصوص اہداف بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی بیماریوں کے روحانی علاج Spiritual (Healing) پر بھی بہت کام ہو رہا ہے۔ جادو اور جنات جن کے متعلق پچاس سال پہلے وہاں بات کرنا اپنا مذاق بنانا تھا اب ان پر بھی سنجیدگی سے کام ہو رہا ہے اور انہیں سمجھنے اور سیکھنے کیلئے سائنسدان افریقہ اور ہندوستان کے جوگیوں کے پاس شاگردی اختیار کر رہے ہیں۔ مغربی دنیا کی اس بے پناہ دلچسپی سے فائدہ اٹھانے کیلئے کئی ایک ٹھگ اور فراڈ بھی اس میدان میں ابھر آئے ہیں، خصوصاً ہندو جوگی کئی روپ میں یورپ اور امریکہ میں آشرم قائم کر کے کروڑوں ڈالر کا ارواح کے نام پر بزنس کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ آواگون (Reincarnation) اور آباؤ اجداد کی ارواح (Ancestral Spirits) وغیرہ جیسے گمراہ نظریات بھی پھیلا رہے ہیں۔

ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ مغربی دنیا جہاں ایک روحانی لہر (Spiritual Revival) چل نکلی ہے کو نہ صرف گمراہ کن نظریات سے بچایا جائے بلکہ اسلام کی روشنی میں عالم الغیب کی مخلوقات کے متعلق صحیح حقائق سے آگاہ بھی کیا جائے تاکہ وہ گمراہی سے نکل کر ہدایت کی طرف آ جائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو مغرب کے مخصوص مادی ذہن کے پیش نظر خطرہ ہے کہ کہیں روح کے بارے میں بھی ان کی تحقیقات مادیات میں نہ الجھ جائیں اور انسان اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی بجائے مزید دور ہوتا جائے۔ اس لیے انسانیت کی یہ بہت بڑی خدمت ہوگی اگر ہم سائنسی تحقیقات میں صحیح سمت کی طرف رہنمائی میں مدد کریں۔ لیکن یاد رہے کہ مغربی دنیا خالی خولی وعظ و نصیحت کو نہیں مانتی بلکہ وہ ٹھوس دلائل سے قائل ہوتی ہے۔ وہ قرآن کے الفاظ میں ہم سے "**فاتو برھانکم ان کنتم صادقین**" کی توقع رکھتے ہیں۔

مندرجہ ذیل میں مغربی دنیا میں روحوں کے متعلق جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان کو مختصراً بیان کیا جا رہا ہے تاکہ ان سے سبق حاصل کرتے ہوئے ہم جو بھی کر سکتے ہیں اسے کرنے کیلئے آگے بڑھیں۔

14.2 ریسرچ سوسائیٹیاں اور ادارے

مغربی دنیا میں روح (نفس) کے متعلق سائنسی ریسرچ کوئی دو سو سال پہلے شروع ہوئی۔ شروع شروع میں ان کا مذاق اڑایا جاتا تھا لیکن ان دنوں یورپ اور امریکہ میں درجنوں ایسے ادارے ہیں جن کی جستجو کا محور روح ہے۔ وہ سائنسی تجربات سے اس کا ہونا یا نہ ہونا ثابت کرنے کیلئے کام کر رہے ہیں۔ لوگوں کی دلچسپی کا یہ حال ہے کہ ہر سال لاکھوں افراد ان اداروں کی تحقیق جاننے کیلئے آتے ہیں، ان کے رسائل کو پڑھتے ہیں اور اپنے تجربات سے بھی انہیں آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے یورپ اور امریکہ میں ان کی ممبر شپ ایک کروڑ افراد سے زیادہ کو پہنچ چکی ہے۔ ممبرز نہ صرف باقاعدہ چندہ دیتے ہیں بلکہ بعض لوگ تو اپنی ساری کی ساری جائداد ان کے نام وصیت کر جاتے ہیں تاکہ اس اہم کام میں پیش رفت جاری رہے مثلاً زیروگرافی کے موجد نے 1960ء میں ایک ایک ملین ڈالر تحفہ (Donation) امریکی سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ

Marfat.com

(American Society for Psychical Research) کو دیا۔ 1972ء میں ایک صاحب جیمز کڈ (Games Kidd) نے دولاکھ ستر ہزار ڈالر کا تحفہ دیا۔ اس طرح ورجینا سکول آف میڈیسن میں پیراسائیکالوجی کا شعبہ قائم کرنے کیلئے موجد کارلسن (Carlson) نے ایک ملین ڈالر کا تحفہ دیا۔ غرض لوگ دل کھول کر اس لیے چندہ دے رہے ہیں کہ انسانی حقیقت جو ابھی تک قدرت کا سب سے بڑا راز ہے اس پر سے پردہ اٹھایا جائے اور سائنسی طور پر بھی معلوم ہو جائے کہ ہم کون ہیں؟ کدھر سے آئے ہیں اور کدھر جا رہے ہیں؟

اسی ضمن میں اسلام اگرچہ روحانیات کا سب سے بڑا علم بردار ہے۔ افسوس کا مقام ہے موجودہ مسلمان اس کام میں بھی بہت ہی پیچھے ہیں اور ماسوائے خالی خولی باتوں کے سائنسی تحقیقات کی طرف کچھ توجہ نہیں دے رہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ مستقبل میں جب مغرب والے اپنی مخصوص تجارتی ذہنیت اور مادی نظریات کے مطابق روح کے ہونے یا نہ ہونے پر سائنس کا ٹھپہ لگا کر اعلان کریں گے تو مشرق کے مختلف مذاہب کو ایسا دھچکا لگے گا کہ وہ سنبھالنے سے بھی نہ سنبھل سکیں گے۔ آج اگر ان کے سائنسدان روح اور غیر مرئی چیزوں کو سمجھنے کیلئے مشرق کی طرف رخ کرتے ہیں تو بہت جلد مشرق سے لوگ مادی روحانیت سیکھنے کیلئے امریکہ اور یورپ جایا کریں گے لیکن اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کو کمزور کر کے واپس آئیں گے۔

دراصل مغربی تہذیب کی سوچ ابوجہل والی سوچ ہے۔ اس وقت مکہ کے کافر اللہ تعالیٰ کو تو مانتے تھے، روحوں کے بھی قائل تھے لیکن یوم الدین اور جزا و سزا کے قائل نہیں تھے۔ انہی کی طرح مغربی ذہن روح کو تو ماننے لگے گا لیکن اللہ تعالیٰ اور یوم الدین کا انکار کرتا رہے گا۔ وہ دراصل روح کو ایک بھوت کے طور پر لے رہے ہیں جو ان کے نزدیک انسانی جسم کی برقی ومقناطیسی (Electromagnetic) شکل ہے یعنی ان کے روح کے متعلق نظریات بھی مادیات کی توسیع ہیں۔ اس لیے اگر اپنے لیے نہیں بھی تو انسانیت کیلئے ہی یہ ضروری ہے کہ مسلمان روح، نفس، فرشتوں اور جنات جیسی غیر مرئی مخلوقات کو سمجھنے کیلئے مختلف علمی اور سائنسی ادارے وجود میں لائیں اور ہمارے صاحب ثروت لوگ اس عظیم سائنسی اور انسانی اہمیت کے کام کو آگے بڑھانے کیلئے دل کھول کر چندہ دیں۔ سوچیے اس سے بڑھ کر دین اور دنیا کی اور کیا خدمت ہو سکتی ہے کہ انسان پر اس کی اپنی حقیقت آشکارا ہو جائے اور قرآن کریم میں حیات بعد الموت کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے سائنسی طور پر بھی اسے ثابت کیا جائے تا کہ لوگ سنجیدگی سے آنے والے ادوار کیلئے تیاری کریں۔

14.3 مغربی تحقیقات کا دائرہ کار اور مقاصد

یورپ اور امریکہ میں جو ریسرچ ہو رہی ہے اس کے سامنے مندرجہ ذیل مقاصد ہیں:۔

1۔ انسان کی اپنی حقیقت کو سمجھنا

2۔ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے اس کا سمجھنا

3۔ دنیاوی حیات اور برزخی حیات کے درمیان رابطہ قائم کرنا

Marfat.com

4۔ مختلف بیماریوں کا روحانی علاج کرنا

5۔ موت پر فتح حاصل کر کے دنیاوی حیات کو طول دینا

6۔ روحانی طور پر زمین اور باہر کی دنیاؤں کے درمیان پیغام رسانی کا سلسلہ قائم کرنا

7۔ روحانی ذرائع کو جاسوسی کیلئے استعمال کرنا

8۔ روحانی قوتوں کے استعمال سے دشمنوں کے اذہان کو متاثر کرنا

ہوسکتا ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگوں کو روحانی طاقتوں کو جاسوسی کیلئے استعمال کرنا عجیب اور معیوب معلوم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکہ کا مشہور سراغ رسانی محکمہ سی آئی اے (.C.I.A) سنجیدگی سے اس موضوع پر ایک عرصہ سے کام کر رہا ہے۔ اس کا انکشاف .C.I.A کے ایک سابق روحانی جاسوس میجر مور ہاؤس نے اپنی کتاب "روحانی سپاہی" Psychic Warrior by More House, Published USA (& UK) نے کیا ہے۔ وہ اپنی کتاب کے صفحہ نمبر 2 پر لکھتے ہیں کہ :۔

"امریکن محکمہ سراغ رسانی کا یہ خواب ہے کہ وہ جلد از جلد روحوں پر قابو حاصل کر کے بغیر کسی مادی ذریعہ کے جان سکیں کہ دوسری جگہوں پر کیا ہو رہا ہے، مختلف ممالک کی انتہائی سیکرٹ (Secret) لیبارٹریوں میں کن منصوبوں پر کام کیا جا رہا ہے، دوسری قوموں کے جنگی منصوبے کیا کیا ہیں؟ دنیا کے اہم رہنماؤں کے دماغوں میں کیا سوچ ہے؟ اور یہ بھی کہ روحوں کے ذریعے دشمن ممالک کے ایٹمی رازوں تک رسائی کی جاسکے اور اگر انہیں ان کے سٹور میں پڑے پڑے ناکارہ بنایا جاسکے تو کیا بات ہوگی"۔

بہرحال مختلف مقاصد کے پیش نظر 1850ء سے مغربی دنیا میں مندرجہ ذیل شعبوں میں سنجیدگی سے تحقیق جاری ہے۔ حوالہ (کتاب 'روح کی تلاش' Search for the Soul مصنف Milbourn Christopher)۔

1۔ روحوں کو بلانا — The Soul in Human Form

2۔ روحوں کی تصویر کشی — The Souls Through Lens

3۔ روحوں کا وزن — Weights of the Souls

4۔ پیغام رسانی کیلئے روحوں کا استعمال E.S.P. Telepathy

5۔ قریب المرگ لوگوں کے مشاہدات Visitor to the Afterlife

6۔ روحانی طریقہ سے بیماریوں کا علاج Spiritual Healing

7۔ انسان کی روحانی طاقتوں کا سراغ رسانی وغیرہ کیلئے استعمال

اب ہم ان میں سے چیدہ چیدہ موضوع کو اختصار کے ساتھ بیان کریں گے۔

Marfat.com

14.4 روحوں کا بلانا (The Soul in Human Form)

یورپ اور امریکہ میں روحوں کے بلانے اور ان سے کئی طرح کی معلومات حاصل کرنے کا عمل بڑا عام ہوتا جا رہا ہے۔ اس عمل میں عامل اور معمول (Medium and Sitter) دونوں مل کر کام کرتے ہیں۔ عامل کسی مردہ شخص کی روح کو معمول (Medium) کے وجود میں بلاتا ہے۔ جب روح اس کے جسم میں داخل ہو جاتی ہے تو معمول (Medium) اپنے ہوش وحواس میں نہیں رہتا بلکہ حلول شدہ روح اس کے جسمانی اعضاء مثلاً کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ کو استعمال کرتے ہوئے عامل (Sitter) کے مختلف سوالوں کے جواب دیتی ہے جسے مندرجہ ذیل قسم کی معلومات حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

غیر مرئی طاقت کو قابو میں لانا اور ان سے غیب کی باتوں کے متعلق دریافت کرنا، مثلاً گمشدہ چیزوں کی تلاش، چوروں کی پہچان، گمشدہ دستاویز کا ڈھونڈ نکالنا، چھپے خزانوں کو ڈھونڈنا، مردوں کی روحوں سے بات چیت، مرے ہوئے لوگوں سے رابطہ استوار کرنا، لوگوں کا اپنے مردہ رشتہ داروں کے متعلق معلوم کرنا اور دیگر دلچسپ معلومات کا حصول اور ڈرامائی قسم کے کام کروانا وغیرہ وغیرہ۔

ملبورن کرسٹوفر نے اپنی کتاب ''روح کی تلاش'' (Search For The Soul) میں کئی ایک سائنسدانوں کے حوالوں سے 1850ء سے 1980ء تک کے بڑے بڑے عاملوں اور معمولوں کے کارناموں کی تفصیل دی ہے۔ امریکہ اور یورپ میں روحوں کے بلانے اور ان سے مفید معلومات حاصل کرنے کا عمل اتنی تیزی سے قبولیت کا معیار حاصل کر رہا ہے کہ عاملوں میں بعض اوقات نوبل پرائز یافتہ سائنسدان بھی شامل ہیں۔ سائنسدانوں میں سے ایک دلچسپ واقعہ ڈاکٹر رابرٹ ہیر (Dr. Robert Hare) کا ہے۔ آپ ژیل یونیورسٹی (Yale University, USA) میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے اور امریکن سوسائٹی برائے ترقی سائنس کے ممبر تھے۔ پہلے پہلے وہ روحوں کو نہیں مانتے تھے لیکن بعد میں جب انہوں نے خود اس پر ریسرچ شروع کی تو پھر وہ نہ صرف روحوں پر یقین کرنے لگے بلکہ خود عامل بھی بن گئے۔ انہوں نے ستمبر 1854ء کو نیویارک میں تین ہزار لوگوں کے سامنے حلفیہ طور پر بتایا کہ ان کے پاس روحوں کو ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور وہ خود روحوں کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ چکے ہیں مثلاً انہوں نے ایک دفعہ ایک روح کو بلایا اور اس سے ایک بھاری میز اٹھوایا اور ایک دفعہ جب ان کی ٹوپی گم ہوگئی تو انہوں نے روح کو لانے کیلئے کہا تو چند لمحوں میں وہ ٹوپی آسمان کی طرف سے گر کر ان کے سامنے تھی۔ اسی طرح کئی اور گمشدہ چیزوں کو بھی انہوں نے روحوں کی مدد سے ڈھونڈا۔ انہوں نے ایک تجربہ میں بہت سے لوہے کے گولے ایک الماری میں بند کر دیے اور پھر روح کو نکالنے کیلئے کہا تو ہزاروں لوگوں کے سامنے وہ الماری خود بخود کھلنے لگی اور گولے باہر میز پر رکھ دیے گئے۔ ان کا ایک تجربہ روحوں کی طاقت کے متعلق تھا جس کیلئے وہ ایک وزن کرنے والی مشین کا استعمال کرتے تھے۔ وہ اپنے معمول میں مختلف لوگوں کی روحوں کو بلاتے اور سپرنگ کھینچنے کیلئے کہتے اور اس طرح روح کے بازوؤں کی قوت کا اندازہ کرتے۔

پروفیسر ہیر (Hare) سائنسی دنیا میں پہلے امریکی تھے جنہوں نے اس طرح کے تجربات کئے لیکن تمام سائنسدان ان کے اس کام کو

زیادہ وقعت نہیں دیتے تھے۔ بہر حال 1855ء میں انہوں نے اپنے مختلف تجربات کی روئداد اپنی کتاب 'روحوں کے متعلق تجربات' (Experimental Investigation of the Spirit Manifestation) میں بیان کردی۔

ایک اور بڑا سائنسدان جس نے اس موضوع کو اپنی تحقیقات کا مرکز بنایا وہ رائل سوسائٹی لندن کا فیلو تھا جس کا نام ولیم کروک (William Crookes) تھا۔آپ چیسٹر کالج میں کیمسٹری کے پروفیسر تھے۔1869ء میں انہوں نے روحانی تحقیقات پر کام کرنا شروع کیا۔اس کام کیلئے وہ خود عامل بن گئے اور برطانیہ کے مشہور معمولوں (mediums) کی مدد سے انہوں نے روحوں پر ریسرچ کرنا شروع کی۔ان کے تجربات بھی امریکی ڈاکٹر ہیر Hare کے طریقوں ہی سے ملتے جلتے ہیں۔انہوں نے جنوری 1874ء کو ششماہی مجلّہ سائنس (Quarterly Journal of Science) میں اپنی چار سالہ ریسرچ کے نتائج اپنے سائنسی مقالہ "Notes of an Enquiry into the Phenomena Called Spiritual" شائع کردیے۔اس کے مطابق انہوں نے روحوں کے ذریعہ ایسے عمل کروائے جو بڑی دلچسپی کا باعث تھے۔ان سے میوزک سننا، اندھیرے میں چیزوں کو ڈھونڈنا وغیرہ قسم کے کامیاب تجربات کئے۔اس کام کے ساتھ ڈاکٹر کروک نے کیمسٹری کی ریسرچ کا کام بھی جاری رکھا۔ 1887ء کو ملکہ وکٹوریہ نے انہیں سر کا خطاب دیا، 1896ء کو وہ رائل سوسائٹی برائے ترقی سائنس کے پریذیڈنٹ بنادیے گئے۔اس موقع پر انہوں نے سوسائٹی کے دیگر ممتاز سائنسدانوں کے سامنے کہا کہ "روحوں کے متعلق میری دریافتیں میری کیمسٹری کی دریافتوں سے بھی زیادہ اہم ہیں۔اب میں ٹیلی پیتھی (Telepathy) پر کام شروع کرنے والا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آہستہ آہستہ قدرت کے اس انتہائی باطنی راز سے بھی پردہ اٹھ جائے گا، ایک پردے کے بعد دوسرا پردہ اٹھتا رہے گا اور وقت کے ساتھ حقیقت زیادہ سے زیادہ خوبصورت بن کر ہمارے سامنے آتی رہے گی، یہ وہ حیران کن وقت ہوگا جب روحوں کا راز انسان پر آشکار ہوجائے گا"۔ یہ تو ڈاکٹر ولیم کروک کا نظریہ تھا لیکن اس وقت بہت سے سائنسدان پروفیسر موصوف کی تحقیقات کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے ان کے خیال میں یہ ان کا وہم تھا یا معمول ان کو بیوقوف بناتا رہا ہے۔

14.5 روح کی تصویر کشی کی کوشش (Soul Through Lens)

مغرب میں روحوں کی تصویر لینے کی ریسرچ کا آغاز 1900ء کے بعد اس وقت ہوا جب کیمرہ کی ایجاد کافی ترقی کرگئی تھی۔اس وقت سے لے کر اب تک بہت سے لوگوں نے روح کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ کبھی کبھی بہت صاف تصویر بھی حاصل ہوجاتی ہے لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا۔اس طرح کی سب سے پہلے کوشش USA میں ایک صاحب جس کا نام ہالینڈ Hollend جو محدب عدسوں کا ماہر کاریگر تھا نے کی تھی۔انہوں نے اپنی اس مہارت کو استعمال کرتے ہوئے 16 انچ عدسہ والا کیمرہ بنایا جس کے ذریعہ ایک مرتے ہوئے آدمی کی روح کی فوٹوگرافی کی۔ اپنے لئے گواہ کے طور پر شکاگو ٹرابیون (Tribune) کے ایک رپورٹر کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔وہ رپورٹر بیان کرتا ہے کہ "ہم نے عدسہ کے سامنے والے شیشہ (Mirror) پر دیکھا کہ مردہ کے جسم کے عین اوپر اس کی روح تھی جس کی شکل اسی جیسی تھی، روح کا جسم کے ساتھ

رابطہ صرف ایک ٹیوب (Chord) کے ذریعہ تھا۔ روح تھکی تھکی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ اس منظر کو دیکھ کر میں بیہوش ہو کر زمین پر گر گیا"۔

جدید سائنسدانوں میں ایک صاحب امیڈ ریوڈیوس نے اپنی کتاب "موت اور بعد کی زندگی" (Death and After-Life۔1965) ء میں لکھا تھا کہ "اس نے خود اپنی آنکھوں سے ایک مردہ عورت کے جسم سے کچھ اوپر اس کی روح کو معلق دیکھا تھا۔ جسم اور روح کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ایک رسی نما چیز تھی اور روح جسم کی نسبت کئی درجہ زیادہ خوبصورت تھی۔ آخر کار وہ رسی (Umbilical Chord) ٹوٹ گئی اور روح جسم سے دور جا کر کھڑی ہو گئی اور بعد میں ایک کھلے دروازے سے نکل کر اپنی آخرت کی طرف روانہ ہو گئی"۔

1902ء میں ایک سائنسدان جس کا نام صرف مسٹر جی (Mr. G) لکھا گیا ہے نے جرنل برائے سوسائٹی آف سائیکیکل ریسرچ (Journal of Society for Psychical Research) میں رپورٹ کیا کہ اس نے بھی ایک مردہ جسم کے اوپر اس کی روح کو ایک سفید دھواں نما شکل میں دیکھا۔ وہ تقریباً 5 گھنٹے اس روح کو جسم کے ساتھ Umbilical Chord سے جڑا دیکھتا رہا جس کے بعد روح اس کو توڑ کر آزاد ہو گئی۔

1907ء میں ایک سائنسدان ہپالی باراڈوک (Dr. Hippoly Baraduc) نے کیمروں کی مدد سے روحوں کی فوٹو گرافی پیرس فرانس میں کی اور 1908ء میں اس نے "Lamorts at Leurs Manifestation" کے نام سے مضمون لکھا جس میں اپنے تجربات کے نتائج رپورٹ کئے تھے۔

1939ء کو USA میں ایک اور سائنسدان ہرورڈ کارنگس نے کیمروں کی مدد سے روحوں کی فوٹو گرافی کی اور اپنے نتائج Laboratory Investigation into Psychic Phenomena (1939) میں رپورٹ کیے۔ انہوں نے بتایا کہ "روشنی کا ایک عجیب گیند نما جسم مرتے ہوئے آدمی سے نکلتا دیکھا گیا۔ اسی بات پر مزید ریسرچ کارنیگ لیبارٹری (Carrange Lab) واشنگٹن D.C. میں ہوئی۔ انہوں نے بھی ایک روشنی کا گیند نکلتے رپورٹ کیا"۔ جس کی تفصیل فزیکل ریویو (Physical Review) میں چھپی۔ ان کے بعد بھی کئی لوگوں نے اس طرح کی فوٹو گرافی کی ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ روشنی کا گیند یا سفید دھواں نما جسم یا روح کا چمکدار ایتھرل جسم اس بات کا ثبوت ہے کہ مرنے والے کے جسم سے کوئی چیز ضرور نکلتی ہے بعض نے اس کو سائیکک فورس (Psychic Force) کا نام دیا ہے لیکن بہت سے سائنسدان اس سے متفق نہیں ہیں۔ امریکہ میں بھوتوں کی بھی فوٹو گرافی کی گئی ہے جن کی تفصیلات امریکی ڈاکٹر ہانز ہولزر کی کتاب "Where The Ghosts Are?" Pub-1994 میں دی گئی ہیں۔

14.6 مردہ لوگوں کی روحوں کے فوٹو

مشہور مصنف اور تاریخ دان علامہ سید سلمان ندویؒ اپنی کتاب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مطبوعہ 1947ء میں لکھتے ہیں کہ "ہمارے ہندوستان انگریزی اخبار لیڈر (Leader) نے پچھلے سال اپریل 1946ء میں ایک عجیب وغریب واقعہ لکھا تھا۔ نامہ نگار لکھتا ہے کہ

Marfat.com

ہمارے شہر میں ایک عجیب پراسرار واقعہ پیش آیا ہے جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کردی ہے۔ لال کندل لال ایک کھتری زمیندار تھا۔ جو چھ بجے شام کے وقت مرا۔ موصوف چونکہ سوریہ کھتری تھا۔ اس لیے جب تک دوسرے دن صبح سورج نہ نکل گیا، اس کی لاش جلائی نہیں گئی۔ جلانے سے پہلے اس کے بڑے بیٹے انندلال نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہیں تھا، لاش کا فوٹو لیا، لیکن اس کی حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آ گئیں ہیں۔ ان تصویروں میں دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچان لیا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکا ہے، جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں۔ باقی تصاویر جو زیادہ روشن نہ تھی پہچانی نہ جا سکیں"۔

14.7 روحوں کا وزن کرنے کے تجربات (Weighing of the Soul)

یورپ اور امریکہ میں روحوں کے متعلق تیزی سے تحقیق اس بات پر بھی ہو رہی ہے کہ جسم سے جو چیز نکلتی ہے، کیا وہ وزن رکھتی ہے؟ سب سے پہلے ایک امریکی ڈاکٹر ڈنکن میکڈوگل (Duncan Macdougull) نے 1907ء میں امریکی جرنل سائیکیکل ریسرچ (American Journal Society for Physical Research) میں اپنی تحقیقات کی تفصیلات کو پیش کیا۔ انہوں نے ایک ایسا بستر (Bed) بھی ایجاد کیا جو مریض کا وزن کرنے کی مشین کا کام بھی کرتا تھا۔ بیڈ کے اوپر شیشے کا بنا ہوا تابوت رکھا تھا جس میں وہ قریب المرگ مریضوں کو لٹا دیتا اور وقت نزع سے وہ وزن نوٹ کرنا شروع کر دیتا۔ اس نے دیکھا کہ مرنے پر تقریباً آدھا اونس وزن کم ہو جاتا ہے۔ اپنے تجربات کی بنا پر اسے پکا یقین ہو گیا کہ مرنے پر جسم سے ضرور کوئی ایسی چیز نکلتی ہے جو وزن میں کمی کے باعث ہے اور اپنی تحقیقات کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ ایک جوان آدمی کی روح کا وزن تقریباً آدھا اونس ہے۔ ڈاکٹر ڈنکن نے یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا جانوروں میں بھی روح ہوتی ہے چوہوں، بلیوں، بندروں اور کتوں پر بھی ایسے ہی تجربات کیے لیکن ان کے وزن میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا، جس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ روح صرف انسانوں میں ہی ہوتی ہے۔

1915ء میں ایک اور امریکی ڈاکٹر ایچ۔ ایل ٹونگ (H.L. Twing) نے بھی ایسے ہی تجربات کیے اور اس نے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ جانوروں کی حد تک مرنے پر وزن میں کوئی کمی نہیں آتی البتہ آدمیوں کے بارے میں اس کی خاموشی کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ کسی آدمی پر کوئی تجربہ نہ کر سکا۔

14.8 قریب المرگ لوگوں کے مشاہدات (Visitors to the After-Life)

یورپ اور امریکہ میں 1970ء سے پہلے کے قریب المرگ ایسے لوگوں کے مشاہدات جو میڈیکل طور پر مر کر (Clinically Dead) پھر سے زندہ ہو گئے تھے کے متعلق تحقیقات کا اختصار کتاب "روح کی تلاش" (Search for the Soul) میں ملبورن کرسٹوفر (Milbourn Christopher) نے ٹھوس حوالہ جات کے ساتھ دیا ہے۔ اپنی اس کتاب میں پروفیسر موصوف مندرجہ ذیل واقعات حیات بعد الموت کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

1) 1871ء میں چھپنے والی کتاب (Looking Beyond) میں جوزف بیرٹ (Joseph Barrett) نے ایک واقعہ یوں لکھا ہے:۔

"ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دیا، غم سے نڈھال اس کے بڑے بھائی نے اس کو بازوؤں سے پکڑ کر بٹھا کر زور زور سے چیخنا شروع کر دیا۔ "تم ہمیں چھوڑ کر کہاں چلے جا رہے ہو کہاں چلے جا رہے ہو؟"۔ اچانک اس نے آنکھیں کھولیں اور بولا، "تم نے مجھے کیوں بلایا ہے، کیا خوبصورت میوزک تھا، کیا خوبصورت مناظر میں دیکھ رہا تھا، میں نے ایسی چیزیں دیکھیں ہیں جو زندگی بھر نہ دیکھ پایا، مجھے میرے بہت سے پہلے گزرے ہوئے لوگ ملنے آ رہے تھے، تم نے مجھے واپس کیوں بلا لیا ہے کیوں بلا لیا ہے؟"۔

2) "ایک واقعہ ایک ایسی لڑکی کا ہے جو ڈوب گئی تھی، اسے تالاب کے نیچے سے نکالا گیا اور ڈاکٹروں نے اس کے پھیپھڑوں سے پانی نکال کر مصنوعی سانس دیا گیا۔ وہ دوبارہ زندہ ہو گئی لیکن بہت ناراض تھی۔ اس نے کہا کہ "میں پانی کے نیچے بہت خوش تھی تم لوگوں نے مجھے بڑی تکلیف دی ہے میں فرشتوں کے ساتھ آسمانوں کو اڑ رہی تھی تمہیں مجھے واپس نہیں لانا چاہیے تھا"۔

3) پہلی اگست 1876ء کی بات ہے ایک بیوہ خاتون مسز ڈیانا پاولسن (Mrs. Diana Powolson) جس کا خاوند نو بچے چھوڑ کر چند ماہ پہلے ہی فوت ہوا تھا، وہ اپنے ہونے والے دسویں بچہ کی پیدائش کے موقع پر مر گئی، ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دے کر آنکھیں بند کر دیں لیکن پھر بھی ایک ڈاکٹر نے بجلی کا کرنٹ لگا کر اسے بچانے کی کوشش کی۔ آخر کار وہ ہوش میں آ گئی اس نے اپنی موت کے بعد کے مندرجہ ذیل واقعات سنائے۔

"جس رات میں مری، موت میرے لیے راحت کا پیغام تھی، مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوئی، میرے سر کا درد ختم ہو گیا، پہلے پہل ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، میں نے سوچا کہ شاید میں اندھی ہو گئی ہوں جس پر مجھے بہت خوف ہوا لیکن میں نے دیکھا کہ میرے خاوند نے جو چند ماہ پہلے ہی فوت ہوا تھا اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میرے دوسرے وفات پائے ہوئے رشتہ داروں نے بھی میری مدد کرنا شروع کر دی۔ پھر اچانک اندھیرا دور ہو گیا، میں نے اپنے سارے دوستوں کو دیکھا اور وہاں بے شمار اور لوگ بھی تھے۔ میں نے پہاڑ اور وادیاں دیکھیں، پھول، دریا، سمندر، جھیلیں اور مختلف قسم کے جانور میرے سامنے تھے، اتنا خوبصورت میوزک تھا کہ میں بیان نہیں کر سکتی، وہاں جو لوگ تھے انہیں ملنے کی مجھے کبھی بھی توقع نہیں تھی، وہ عام قسم کے لوگ تھے، کچھ صحت مند خوش گفتار تھے، لیکن کچھ بیمار اور بری حالت میں بھی تھے میں نے ان کے گھر بھی دیکھے جہاں وہ مل جل کر رہتے تھے"۔

"میں نے کئی چمکتی ہوئی روحیں دیکھیں لیکن ان کے پر نہیں تھے۔ پھر میرے رشتہ دار مجھے ایک نہایت روشن جگہ لے گئے وہاں میں نے کئی جلسہ نما میٹنگیں ہوتی دیکھیں لیکن معلوم نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ اس موقع پر مجھے بتایا گیا کہ تمہیں ضرور واپس جانا چاہیے۔ یہ بات میرے

Marfat.com

خاوند نے مجھے بتائی۔ میں رونے لگی اور بہت غصہ ہوئی۔ میں اب بھی اس خوبصورت گھر میں واپس جانا چاہتی ہوں جس کے بارے میں انہوں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا گھر ہے۔ جب مجھے واپس آنا پڑا تو میرے خاوند نے اپنے بیٹوں کیلئے کچھ پیغامات دیے، اسی طرح کچھ اور لوگوں نے بھی مجھے اپنے زندہ رشتہ داروں کے نام پیغامات دیے"۔

"وہاں مجھے کچھ مردہ روحوں سے ڈر لگتا تھا جو کالی اور خوفناک تھیں لیکن کچھ دلکش اور خوبصورت بھی تھیں۔ میرا خاوند جب فوت ہوا تو اس کی عمر 67 سال تھی لیکن وہاں وہ بالکل جوان نظر آ رہا تھا۔ میرے دو بچے جو پہلے سے فوت ہو چکے تھے وہ بھی میرے خاوند کے ساتھ ہی تھے، اس پر میں بہت حیران ہوئی، میں نے ان میں سے ایک ہی دیکھا ہوا تھا ایک تو پیدائش سے پہلے ہی مر گیا تھا وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ میرے دل میں اس کیلئے ممتا جاگ اٹھی، میرا ایک بچہ جو پندرہ سال پہلے فوت ہوا تھا، اس وقت اس کی عمر ایک سال تھی لیکن میں نے وہاں اسے پندرہ سال کا نوجوان دیکھا"۔

"روحیں اس طرح نہیں بولتیں جس طرح ہم بولتے ہیں، ان کے کپڑے بھی کھلے کھلے تھے، نہ ہی روحیں بات چیت کیلئے زبان اور منہ کا استعمال کرتی تھیں، بغیر الفاظ کے ہر کوئی دوسرے کو سمجھتا تھا، میں ان کے خیالات کو بھی پڑھ سکتی تھی، یہ زبان جاننے سے بھی زیادہ آسان لگا، انہوں نے مجھے کہا کچھ سالوں کیلئے واپس زمین پر چلی جاؤ اور اپنے بچوں کی پرورش کرو، اس پر بالآخر میں مان گئی"۔

"مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Christ) سے ملنے کا خیال تھا لیکن یہ بات پوری نہ ہوئی، انہوں نے کہا تم جو اندھیرے میں تھی اس کی یہی وجہ تھی"۔

اپنے اس روحانی تجربہ کے بعد وہ لکھتی ہے کہ:۔

"اب مجھے پتہ چلا ہے کہ مجھے اپنے آپ پر بھروسہ کرنا چاہیے تھا، وہاں ہم ایسے ہی ہوں گے جیسے یہاں دنیا میں ہوتے ہیں، ہم اپنی خوشی کے خود معمار ہیں، وہاں مجھے کوئی جنت یا دوزخ کی جگہ نظر نہیں آئی (اس لئے کہ یہ برزخ کی ابتدائی منازل کے مقامات ہیں)، صرف ایک زندگی تھی جو دنیا کی نسبت بہت زیادہ مکمل اور خوبصورت تھی، یہ دنیاوی زندگی کی طرح ہرگز نہیں تھی، میں جو کچھ بتا رہی ہوں وہ میرے ذہن پر نقش ہو چکا ہے، میں جب مر رہی تھی تو مجھے یہ محسوس نہیں ہوا کہ میں بیہوش ہو رہی ہوں یا مر رہی ہوں بلکہ ایسے لگا جیسے ایک زندگی سے دوسری زندگی میں داخل ہو رہی ہوں"۔

"وہاں کی روحوں (Spirits) نے مجھے بتایا کہ مزید ترقیوں کیلئے انہیں اپنے اعمال پر پشیمانی ہوئی اور توبہ کرنا پڑی، جب تک انہوں نے یہ نہیں کیا وہ ناخوش رہے۔ وہاں ایک ایسی روح سے بھی میری ملاقات ہوئی جس کو میں پہلے تو سمجھی کہ شاید یہی خدا ہے، بعد میں خیال آیا کہ شاید یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں لیکن پھر اصلیت معلوم ہوئی کہ یہ روشن روح دوسروں کو تعلیم دیا کرتی ہے، اس کے بعد بھی میں نے ایسی کئی معلم روحیں دیکھیں جو دوسروں سے بہت مختلف تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یہاں ہر روز سیکھنے میں گزرتا ہے جس سے روحانی ارتقاء ہوتا رہتا ہے"۔ (حوالہ

کتاب روح کی تلاش "In Search of Soul" صفحہ 69-71)

4) نومبر 1889 کو امریکی رسالہ Louis Medical & Surgical Journal میں ایک میڈیکل ڈاکٹر اے۔ ایس۔ ولٹز (Dr. A.S. Wiltse) کا اپنا واقعہ چھپا جو مرنے کے بعد زندہ ہو گئے تھے۔انہوں نے بتایا کہ "میں کچھ دیر کیلئے بے ہوش ہو گیا اور مجھے احساس ہوا کہ میرا نفس جسم کو چھوڑ رہا ہے، ایسے معلوم ہوا جیسے میں جھولا جھول رہا ہوں، پاؤں میں کچھ ہلکی ہلکی خارش ہو رہی ہے، اس وقت میرا نفس جسم سے سر کے راستہ علیحدہ ہو گیا، ایک بلبلہ کی مانند کمرہ کی فضا میں کبھی اوپر کبھی نیچے جاتا اور پھر زمین سے ٹکرا کر میرے اپنے جسم کی سی شکل اختیار کر لی"۔انہوں نے خاص طور سے دیکھا کہ ان کے نفس اور جسم کے درمیان ایک ربڑنما باریک ڈوری تھی جو کھلتی جاتی لیکن ٹوٹنے نہیں پاتی۔اس موقع پر انہوں نے بارش کا سماں دیکھا لیکن اسے سخت افسوس تھا کہ اسے کسی فرشتہ نے خوش آمدید نہیں کہا، پھر اسے کسی نے اوپر گہرے کالے بادلوں میں اٹھا لیا، اس میں آگ ہی آگ کے شعلے تھے جو اسے ڈرا رہے تھے جس سے وہ بہت زیادہ خوفناک ہو گیا۔دور نیچے چٹانوں کے سلسلے نظر آئے۔اس نے سوچا کہ شاید ان چٹانوں کے نیچے اس کا ہمیشہ رہنے کا مقام ہے اسی موقع پر اسے اختیار (Choice) دیا گیا کہ اگر چاہو تو واپس چلے جاؤ۔اس وقت ایک سیاہ بادل نے اس کے منہ کو ڈھانپ لیا۔جب ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو اپنے بستر پر لیٹا پایا۔کمرے میں جو لوگ تھے ان کا خیال تھا کہ ڈاکٹر مر چکا ہے اس کا اپنا خیال ہے کہ وہ تقریباً 30 منٹ تک مردہ حالت میں رہا۔(صفحہ 72-71)۔(The Search of Soul)

5) ایک واقعہ مسٹر جان پکرنگ (John Puckring) کا ہے جو رسالہ روحانی دنیا Herald Spiritual میں 5 جون 1935ء کو چھپا۔ 58 سالہ پکرنگ ہسپتال میں مر گیا۔برمنگھم ہسپتال کے ڈاکٹر پرسیال ملر (Dr. Persval Miller) نے بتایا کہ ہم نے اپنی ہر طرح کی کوشش کر لی لیکن اس کی زندگی نہ بچا سکے لیکن تقریباً 5 منٹ کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔اس کے بعد پکرنگ نے جو کچھ بتایا اس کا مختصر حال یہ ہے کہ:۔

"میں نے دیکھا کہ کمرہ میں ایک دھندسی بھر گئی، اچانک اس دھند میں ایک تیز روشنی چمکی جس سے ہر چیز صاف نظر آنے لگی، اب مجھے سکون اور خوشی کا عجیب احساس تھا۔پھر مجھے ایک نہایت خوبصورت بلڈنگ میں پہنچا دیا گیا، جس میں بڑے بڑے ستون تھے، بہت بڑا ہال تھا جس کی کوئی چھت، دیوار اور فرش نہیں تھا۔وہاں مجھے پہلے سے موجود کچھ لوگ نظر آئے جو بہت خوبصورت سفید سرخ رنگ کے تھے۔انہوں نے مجھے مسکرا کر خوش آمدید کہا۔ان کے لباس ایسے ہی تھے جیسے عام لوگ زمین پر پہنتے ہیں۔میں نے ان میں سے ایک شخص کو پہچان لیا یہ ہمارے شہر کا پوسٹ مین تھا جس کا پانچ سال پہلے انتقال ہوا تھا، اس پر مجھے احساس ہوا کہ میں بھی مر چکا ہوں، اس کے بعد میں نے اپنی بیوی کو ڈھونڈنا شروع کیا جس کا انتقال پندرہ سال پہلے ہوا تھا، ابھی اس کی تلاش جاری تھی کہ مجھے واپس بھیج دیا گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس بستر پر پایا۔میں ہرگز نہیں آنا چاہتا تھا لیکن اب دوبارہ زندہ ہونے کے بعد مجھ میں موت کا خوف ختم ہو گیا ہے، میں ایک اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہوں تاکہ مرنے کے بعد بھی

مجھے بہتر مقام مل سکے"۔(صفحہ 73-74)(In Search of Soul)

6) ایک اور واقعہ ایک پادری آرتھر فورڈ کا ہے۔ یہ واقعہ امریکی رسالہ Unknown & Known میں 1968ء میں بھی چھپا ہے۔ 1971ء میں روتھ منٹگمری کی کتاب (A World Beyond) میں بھی چھپا ہے۔ آرتھر فورڈ کے مطابق یہ واقعہ 1968ء میں کارل گیسل ہسپتال فلوریڈا میں پیش آیا۔

"میرے جسم میں شدید درد تھا، نرس نے مجھے بیہوشی کا ٹیکہ لگایا تا کہ میں آرام سے سوسکوں لیکن اس دوران مجھے عارضی موت آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے بستر کے اوپر تیر رہا ہوں پھر وہاں سے باہر لایا گیا اور میں نے اپنے آپ کو وادیوں اور پہاڑوں کے اوپر اڑتے ہوئے پایا۔ سامنے ایک بہت ہی چمکدار، مختلف رنگوں والی روشنی تھی جس کی طرف میں جا رہا تھا، پہلے سے وفات پائے ہوئے دوست اور واقف کار میرے اردگرد جمع ہو گئے، جو زندگی میں بوڑھے تھے وہ بھی جوان معلوم ہوتے تھے۔ یہ سب مجھے ایک خاص جگہ دکھانے کیلئے لے گئے لیکن وہ کون سی جگہ تھی اس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، پھر جب مزید اوپر لے کر گئے تو وہاں ایک بہت بڑا لائٹ نما نُوری جسم تھا جس نے مجھے واپس زمین کی طرف بھیج دیا۔ جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک نرس نے بتایا کہ میں پندرہ دن بے ہوش رہا ہوں"۔

" 1971 میں روتھ منٹگمری نے جو کہ واشنگٹن کالمنسٹ ہے فورڈ سے دوبارہ یہ کہانی سنی اور اپنی کتاب دنیا ماوراء World Beyond میں اس عجیب واقعہ کو لکھا۔ فورڈ نے اسے بتایا کہ وہ اپنی موت کے درمیان برٹش مصنف سر آرتھر کانن ڈائل سے بھی ملا تھا۔ اس کی ملاقات آلیور لاج سے بھی ہوئی، اسی دوران اس نے امریکی پریذیڈنٹ روزویلٹ اور برطانوی پرائم منسٹر ونسٹن چرچل کو بھی ایک جگہ اکٹھے کھڑے دیکھا۔ اس نے مرحوم پریذیڈنٹ آئزن آور کو بھی اپنے سپاہیوں سے ملتے دیکھا۔ جنگ عظیم دوئم کے ان امریکی اور برٹش لیڈروں کے علاوہ اس نے ہٹلر کو بھی دیکھا لیکن وہ پریشان تھا اور اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا"۔

(روحوں سے ملاقات کے یہ واقعات دراصل ان روحوں کے متعلق ہیں جو عالم برزخ میں آگے بڑھنے کی بجائے زمینی دنیا ہی سے چمٹے رہتے ہیں۔ انہی کو بھوت کہا گیا ہے)۔(صفحہ 74-75)۔(In Search for Soul)

14.9 پاکستان اور مسلمان ممالک کیلئے لائحہ عمل

اوپر کے صفحات میں ہم نے روحوں پر یورپ اور امریکہ میں 1970ء سے پہلے کی ہونے والی تحقیقات کا نچوڑ کتاب Search for the Soul مصنف کرسٹوفر کے حوالہ سے دیا ہے۔ آئندہ ابواب میں بھی ہم یورپ اور امریکہ میں ہونے والی تحقیقات پر مزید روشنی ڈالیں گے ان سے ایک بات تو صاف ظاہر ہے کہ مغربی ممالک میں روحوں کے اوپر بڑا سائنسی کام ہو رہا ہے۔ جیسے پہلے بھی کہا جا چکا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ

Marfat.com

ہمارے مسلمان بھائی اس طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے حالانکہ یہ وہ کام ہے جس کو کرنے کیلئے ہماری پرانی کتابوں میں بھی بہت شاندار مواد موجود ہے اور اس طرح کی تحقیق کیلئے کوئی بڑی لیبارٹری بھی نہیں چاہیے۔ بلکہ یہاں بڑا کام تو مر کر زندہ ہونے والے لوگوں کے متعلق حتمی مشاہدات حاصل کرنا، ان کا تجزیہ کرنا اور ان پر غور فکر ہی ہے۔ خوش قسمتی سے ہمارے ملک پاکستان میں بھی انتہائی ذہین دانشوروں، سائنسدانوں، ڈاکٹروں اور ماہرین سائیکالوجی کی کمی نہیں ہے۔ جہاں پیر، فقیر، بزرگ اور درویش بھی بہت ہیں۔ ایسے میں روحوں پر باقاعدہ کام نہ ہونا بہت افسوس ناک بات ہے۔ چاہیے کہ ہم قومی سطح پر پیرا سائیکیکل سوسائیٹیاں (Para Psychical Socities) قائم کریں۔ طبیعات اور مابعد طبیعات کے اوپر سائنسی تحقیقات کیلئے گروپ ہوں جو انسانیت کے فائدہ کیلئے غیر مرئی طاقتوں مثلاً جنات، ملائکہ اور ارواح پر ریسرچ کریں اور آگے بڑھتے ہوئے ٹیلی پیتھی، ESP یعنی غیر معمولی احساسات کی طاقت اور روحانی طریقوں سے بیماریوں کے علاج کی طرف توجہ دیں۔

چونکہ علم تمام نوع انسانی کی مشترکہ میراث ہے اس لیے چاہیے کہ مشرق جو کہ اپنی روحانی اقدار کی وجہ سے ہمیشہ ہی آگے رہا ہے، تمام بڑے بڑے پیغمبر یہیں پیدا ہوئے یہاں کے روحانی سائنسدان اور مغرب کے سائنس دان باہمی تعاون سے ارواح پر سائنسی تحقیق کریں۔ خصوصاً مسلمانوں پر تو یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم دنیا کو وحی الٰہی کی روشنی میں ارواح فرشتوں اور جنوں جیسی مخلوقات جو ہمارے ایمان کا حصہ ہیں انہیں سائنس کے ذریعہ ثابت کر کے دکھائیں۔ اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے مشرقی اور مغربی انجمنوں کو ملا کر بین الاقوامی روحانی انجمنوں کی بنیاد رکھنا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ انسانیت کو مادیات کے بحر ظلمات (Black Hole) میں گرنے سے بچایا جاسکے۔

اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو ڈر ہے کہ مغربی روحانیات بھی مادیات میں الجھ کر رہ جائے گی۔ اب بھی ان میں سے بہت سے روحانی حقائق کو دنیا کے حوالہ ہی سے دیکھتے ہیں۔ یوں وہ روح کی حیات کو انسان کی جسمانی حیات کی توسیع قرار دیتے ہیں اور انسان کی پیدائش میں جو مقصد ہے اس سے نابلد ہیں۔ اس لیے مسلمان دانشوروں پر یہ بھاری ذمہ داری ہے کہ وہ آگے بڑھ کر خاتم النبیّن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ناواقف امت کو اسلام کی روشنی میں صراطِ مستقیم دکھائیں۔

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 15

ڈاکٹر موڈی کے 'بعد از موت مشاہدات' کی تفصیلات اور تجزیہ

Reference Book "Life After Life"

15.1 تعارف

ہم پچھلے ابواب میں جدید روحانی مشاہدات کے حوالہ سے ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کی تحقیقات کے نتائج کا خلاصہ پیش کر چکے ہیں۔ ذیل میں ہم کچھ خصوصی واقعات کی تفصیلات کا ذکر کر رہے ہیں۔ یہ واقعات ان کی کتاب (Life After Life) سے لیے گئے ہیں۔ یہ کتاب 1975ء میں شائع ہوئی اور اس میں 150 کے قریب مر کر زندہ ہونے والوں کے واقعات ہیں۔ ان لوگوں کو ڈاکٹروں نے مردہ قرار دیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد دوبارہ ہوش میں آ گئے۔ ان کے بارے میں یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ لوگ عالم برزخ تک نہیں پہنچے تھے لیکن انہوں نے سکرات موت کے حالات ضرور دیکھے تھے۔ ان کی مثال ایسے ہی ہے جیسے نیند کے بعد آدمی جاگتا ہے۔

قرآن کریم میں بھی موت کو نیند سے تشبیہ دی گئی ہے، ڈاکٹر موڈی بھی اپنی کتاب کے صفحہ 11 پر موت کی مثال نیند سے دیتا ہے۔ صفحہ 13 پر وہ موت کو شعور سے لاشعور میں اتر جانے سے تشبیہ دیتا ہے۔ (Annihilation of Consciousness) اس تعریف کے مطابق جسم تو ختم ہو جاتا ہے لیکن انسان کی خودی (Self) زندہ رہتی ہے۔ ڈاکٹر موڈی لکھتا ہے کہ قدیم ترین انسانی معاشروں کے لوگ بھی جسم کی موت کے بعد بھی انسان کی خودی کے زندہ رہنے پر ایمان رکھتے تھے۔

اپنے متعلق ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ "زندگی بعد از زندگی" یا موت کے بعد زندگی میں ان کی دلچسپی 1965ء میں ہوئی جب وہ ورجینا یونیورسٹی میں انڈر گریجویٹ طالب علم تھا۔ وہاں سائیکالوجی کے ایک پروفیسر نے بتایا کہ کس طرح وہ دو مرتبہ مر چکا ہے اور اس نے اپنی موت کے دوران کیا حیران کن مناظر دیکھے ہیں۔ اس سے متاثر ہو کر ریمنڈ موڈی نے بھی اسی طرح کے مزید واقعات اکٹھے کرنا شروع کیے۔ 1972ء تک انہوں نے کافی واقعات کا ریکارڈ تیار کر لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جس بات نے سائنسی طور پر مجھے اس کام پر مجبور کیا وہ یہ تھی کہ اگرچہ ان لوگوں کے خاندانی حالات مختلف تھے، مذہب بھی ایک نہیں تھا اور وہ ایک دوسرے سے کبھی ملے بھی نہیں تھے لیکن جو کچھ وہ بیان کرتے تھے اس میں حیران کن حد تک مماثلت تھی جس کا صرف یہی مطلب ہو سکتا تھا کہ اس میں کچھ نہ کچھ سچ ضرور ہے۔ مزید سائنسی تسلی کیلئے انہوں نے 150 مر کر زندہ ہونے والوں میں سے کوئی 50 افراد کو خود انٹرویو کیا (صفحہ 17)۔

Marfat.com

15.1 عمومی شاہدات

انہوں نے نوٹ کیا کہ مختلف لوگوں کے بعد از موت مشاہدات میں تقریباً 15 کے قریب مشترکہ باتیں ہیں۔ اگر ان مشترکہ نکات کو نمونہ کے طور پر لیا جائے تو مر کر زندہ ہونے والوں کی اوسطاً کہانی کچھ یوں بنتی ہے۔

''ایک آدمی موت کے ساتھ دوچار ہو رہا ہے جیسے ہی وہ بہت انتہائی کرب کے نکتہ کو پہنچتا ہے یعنی مرنے لگتا ہے تو وہ سنتا ہے کہ ڈاکٹر نے اس کو مردہ قرار دے دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ انتہائی مہیب اور بیزار کرنے والا شور سننے لگتا ہے۔ اونچی آواز والی گھنٹیاں اور بھنبھناہٹیں سنائی دیتی ہیں اور اس تکلیف دہ حالت کے بعد اچانک اس کو پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے جسمانی بدن سے باہر نکل چکا ہے۔ اب وہ گردوپیش کو نہ صرف دیکھتا ہے بلکہ جو کچھ اردگرد ہو رہا ہے وہ اسے سمجھتا بھی ہے۔ اس کو اپنا مادی جسم بھی نظر آ رہا ہوتا ہے۔ جیسے وہ از خود ایک تماشائی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس کے بدن کو ڈاکٹر اور نرسیں ہوش میں لانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں، اپنے جسم کی یہ حالت دیکھ کر وہ خود کو ایک بیقراری اور اضطرابی کیفیت سے دوچار پاتا ہے لیکن کچھ وقفے کے بعد اس کی پریشانی جاتی رہتی ہے۔ اسے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ اس نئی حالت میں اس کا اپنا بھی کوئی جسم ہے لیکن یہ جسم پرانا جسم نہیں جو سامنے پڑا نظر آتا ہے بلکہ ایک لطیف جسم ہوتا ہے جو بآسانی اوپر نیچے ہر طرف حرکت کر سکتا ہے، دیکھ سکتا ہے، سن سکتا ہے، اب وہ اپنے آپ کو دوبارہ ایک شخصیت محسوس کرتا ہے لیکن اس کی نوع الگ قسم کی ہے۔ اس کی طاقتیں بھی اس طبعی بدن سے مختلف ہیں جسے وہ پیچھے چھوڑ آیا ہے''۔

''وہ دیکھتا ہے کہ وہاں کمرے میں کچھ اور لوگ بھی اس کو ملنے یا اس کی مدد کرنے کیلئے آئے ہیں، وہ کچھ رشتہ داروں اور دوستوں سے جو پہلے مر چکے تھے ان کو بھی وہیں اپنے استقبال کیلئے پاتا ہے۔ وہیں وہ اپنے ساتھ ایک اجنبی شخص کو دیکھتا ہے جو اسے لے کر وہاں سے کسی اور منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ شہر کے اوپر اڑ رہا ہے اور ماحول کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر ایک تاریک غار میں سے گزرتا ہے جہاں وہ ڈر اور خوف محسوس کرتا ہے لیکن غار کی دوسری طرف روشنی نظر آتی ہے۔ وہاں وہ ایک نوری ہستی کو دیکھتا ہے جس میں بڑا سکون اور پیار ہوتا ہے اس نوری ہستی کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ وہ اس سے زبانی ہم کلام نہیں ہوتا لیکن ایسا لگتا ہے جیسے دماغی طور پر بات چیت ہو رہی ہے۔ وہ اس سے اس کی زندگی کے متعلق سوال کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس آدمی کو اس کا تمام کیا کرایا یعنی پوری دنیاوی زندگی کا خاکہ نظر آنے لگتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کی دنیاوی زندگی کے مناظر اور واقعات کی فلم چل پڑی ہے پھر ایک لمحہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نوری ہستی اسے کہہ رہی ہو کہ ابھی اسے دنیا میں واپس چلے جانا چاہیے کہ ابھی اس کی موت کا وقت نہیں آیا۔ اب مرنے والا اس نئی دنیا سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ واپس نہیں جانا چاہتا، لیکن اس کا ساتھی فرشتہ اس کو زبردستی واپس لے آتا ہے پھر دوبارہ اسی تاریک غار سے گزر کر واپس اپنے کمرہ میں آ جاتا ہے اور اپنے مردہ جسم کو دیکھتا ہے۔ وہ اس میں دوبارہ داخل نہیں ہونا چاہتا لیکن زبردستی اس کو دھکیل دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ابھی اسے کچھ عرصہ دنیا میں مزید زندہ رہنا ہے''۔

Marfat.com

152 خصوصی مشاہدات

یہ تو مرنے کے بعد وہ عمومی تصویر تھی جس کا مشاہدہ اکثر لوگ کرتے ہیں۔اب ہم کچھ انفرادی مشاہدات کی طرف آتے ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر ریمنڈ موڈی نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔

15 کئی جہتی دنیا(Multi Dimensional World)

ایک صاحب جو اپنے بیان سے سائنسدان معلوم ہوتے ہیں اپنے احیاء بعد الموت کے واقعہ میں سناتے ہیں کہ "میرے لیے اصل مسئلہ یہ ہے کہ میں صرف تین جہتی دنیا(Three Dimensional World) کو جانتا ہوں اس لیے نہ میرے پاس الفاظ نہ ایسے استعارے ہیں کہ میں وہاں کے حالات آپ کو بتا سکوں۔دوسری دنیا یقیناً تین جہتی دنیا نہیں اس لیے میں وہاں کی صحیح اور پوری تصویر دینے سے قاصر ہوں"۔ (صفحہ۔26)

15. جان کنی اور وقت نزع کی تکلیف

ایک صاحب نے بتایا کہ "اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے لوہے کا ایک ہاتھ میرے سینہ پر رکھ دیا گیا ہے اور میں اس کے ساتھ کس دیا گیا ہوں۔میں نے اپنے آپ کو سخت اندھیروں میں پایا۔(صفحہ۔27)،کسی نے کہا کہ ایسے لگا جیسے خلا میں دھکیل دیا گیا ہو"۔

سیاہ تاریک راستہ

اکثر لوگوں نے بتایا کہ کس طرح موت کے فوری بعد انہیں ایک سیاہ تاریک راستہ جیسے کوئی غار یا سرنگ ہو اس میں ڈال دیا گیا مثلاً ایک لڑکے نے بتایا کہ "جیسے ہی وہ مرنے لگا پہلے شدید شور سنا پھر میں نے اپنے آپ کو انتہائی تاریک راستہ سے گزرتا پایا جیسے یہ کوئی گندے پانی کا گٹر ہو، میں آگے جا رہا تھا اور شور مجھے کھائے جا رہا تھا"۔بعض نے کہا کہ "تاریک راستہ میں سے گزرنا ایسے لگتا ہے جیسے آپ خلا میں سے گزر رہے ہوں،جس سے دم گھٹتا ہے اور نہایت تکلیف دہ احساس ہوتا ہے"۔بہت سے لوگوں نے بتایا کہ "موت کے بعد شدید خوفناک شور سنا"۔مثلاً ایک آدمی جو پیٹ کے آپریشن کے بعد 20 منٹ کیلئے مرگیا تھا اس نے بتایا کہ "میں نے عجیب گھنٹی نما شور سنا جو بڑا تکلیف دہ تھا یہ اس قدر تکلیف دہ شور تھا جسے میں بھول نہیں سکتا"۔

ایک عورت نے بتایا کہ "موت کے بعد اس نے شدید بھیں بھیں کا شور سنا پھر ایک دھماکہ کی طرح شور ہوا پھر ایسے سیٹی کی آواز تھی جیسے

Marfat.com

طوفان آ گیا ہو"۔(صفحہ۔30)۔

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ "فرشتے جب گنہگاروں کی زندگی لیتے ہیں تو منہ اور جسم کو مارتے ہیں"۔ جہاں تک یہ بیان کہ موت کے بعد والی زندگی کئی جہتی زندگی ہے اس کے بارے میں قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ قبر یا عالم برزخ کی دنیا موجودہ دنیا سے بہت مختلف ہے۔نزع کی کیفیت کے متعلق بتایا گیا ہے کہ تکلیف سب کو ہوتی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ لیکن کوئی بھی اس سے بچا نہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس تکلیف سے پناہ مانگنے کیلئے کہا ہے۔ (بخاری) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ اپنی آخری بیماری میں فرماتے ہیں کہ "اے اللہ موت کی سختی میں میری مدد فرما"۔

15.5 موت کے بعد سکون

اکثر لوگ سناتے ہیں کہ موت کی تکلیف کے فوری بعد انہیں بڑا سکون ملا۔ایک صاحب جن کا بیان ہے کہ زخم پر شدید درد کی لہر اٹھی لیکن مر کر سکون آ گیا۔مجھے ایسے لگا جیسے میں اندھیروں میں تیر رہا ہوں مجھے اتنا سکون ملا اتنا زندگی میں کبھی تصور نہیں کر سکتا تھا۔(صفحہ 29)۔ایک فوجی جو کہ زخمی ہو گیا تھا اس نے بتایا کہ "جیسے ہی مجھے (بم) چھرے لگے مجھے ہرگز کوئی درد نہیں ہوا بلکہ میرے اوپر سکون چھا گیا اتنا سکون میں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کیا، کیا ہی اچھا احساس تھا"۔

15.6 جسم اور ماحول کو دیکھنا

مرنے کے بعد بہت سے لوگوں نے یہ دیکھا کہ ان کی روح، نفس یا سپرٹ جسم سے علیحدہ ہو گئی، اس نفس کی شکل ہمارے جسم کی شکل سے ملتی جلتی ہے لیکن سائز میں بڑی اور وزن میں انتہائی لطیف ہے۔یہ نفس اپنے مردہ جسم اور اس کے اردگرد کے ماحول کو باہر سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔ اپنے جسم کے اردگرد ہونے والے واقعات کو جس طرح کچھ لوگوں نے سنایا انہوں نے ڈاکٹروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ان میں سے چند واقعات دیے جاتے ہیں۔

مثلاً ایک عورت نے بتایا کہ "ہسپتال میں دل کے حملہ کے بعد مجھے داخل کر لیا گیا وہیں مجھے دوسرا حملہ ہوا پھر میرا سانس بند ہو گیا اور دل کی حرکت بھی بند ہو گئی، میں نے نرسوں کو کہتے سنا کہ کوڈ پنک (Code Pink) یعنی اس کی چھاتی کی سخت مساج کرو اور بجلی کا جھٹکا دو، اس وقت

Marfat.com

میں نے اپنے آپ کو بیڈ سے اٹھتے دیکھا اور کمرے میں چھت کے قریب پہنچ گئی میں نے دیکھا کہ کئی نرسیں میرے جسم کے اردگرد اکٹھی ہوگئیں تقریباً ایک درجن تو ہوں گیں۔اس وقت میرا ڈاکٹر جو راؤنڈ پر تھا میں نے اسے بھی آتے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ مجھے بچانے کی بہت کوشش کرر ہے تھے،ایک نرس مجھے منہ کے ذریعہ مصنوعی سانس دے رہی تھی،ایک نرس بجلی کی مشین کو جلدی جلدی لگا رہی تھی پھر انہوں نے مجھے بجلی کے جھٹکے دیے، میں نے دیکھا کہ میرا سارا جسم جھٹکوں پر اٹھ جاتا تھا اور میرے جسم کے اندر کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی۔

جب وہ میری چھاتی کے اوپر دباؤ ڈال رہے تھے میرے بازوؤں کو اوپر نیچے کرر ہے تھے میں سوچتی تھی کہ یہ ایسا کیوں کر رہے ہیں میں تو ٹھیک ہوں"۔(صفحہ 36)

15.7 کار کا ایکسیڈنٹ

ایک آدمی نے بتایا کہ "میرا کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، رات کا وقت تھا کہ دوسری طرف سے آتی ہوئی کار کے ساتھ ہیڈ آن ٹکر ہوگئی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں ایک گہرے اندھیرے سلنڈر میں سے گزر رہا ہوں یہ راستہ بہت جلدی طے ہوگیا۔ پھر دیکھا کہ میں کار سے تقریباً پانچ گز دور کھڑا ہوں، پھر میں پانچ فٹ اونچا ہوا میں معلق ہوا، میں نے ایکسیڈنٹ کی آواز کو کم ہوتے سنا، میں نے لوگوں کو ادھر ادھر سے ایکسیڈنٹ کی طرف بھاگتے ہوئے آتے دیکھا، مجھے میرا دوست کار سے نکلتا بھی نظر آیا جو کہ بالکل شاک کی حالت میں تھا۔ میں اپنا جسم کار میں پھنسا ہوا دیکھ رہا تھا لوگ اسے نکالنے کی کوشش کرر ہے تھے، میری ٹانگیں مڑ چکی تھیں اور ہر طرف خون ہی خون بہہ رہا تھا لیکن مجھے کوئی تکلیف کا احساس نہیں تھا"۔(صفحہ 37)

15.8 مردوں کی زندوں سے بات چیت کی کوشش

ایک عورت نے جس کا سانس بند ہوگیا اور ڈاکٹر مصنوعی سانس دے کر اس کی جان بچانے کی کوشش کرر ہے تھے بتایا کہ "میں نے باہر سے دیکھا کہ وہ مصنوعی سانس سے میری زندگی بچانے کی کوشش کرر ہے تھے میں ان سے بات چیت کرنا چاہتی تھی حالانکہ میں ان کے بہت قریب تھی لیکن کوئی میری طرف توجہ نہیں کرر ہا تھا،کوئی آدمی میری بات نہیں سن رہا تھا"۔

15.9 نفس (Self) کا چیزوں کے اندر سے گزرنا

کئی لوگوں نے بتایا کہ ان کا Self اس قدر لطیف بے وزن اور سرعت والا ہے کہ وہ چیزوں کے اندر سے گزر جاتا ہے اور آر پار دیکھ لیتا ہے مثلاً ایک عورت نے کار کے حادثہ کے بعد بتایا کہ "جب میں مر چکی تھی تو ڈاکٹر اور نرسیں میرے جسم کو زندہ کرنے کیلئے میری چھاتی پر کے

مار رہے تھے، میں انہیں بار بار کہہ رہی تھی کہ مجھے چھوڑ دو لیکن کسی کو اپنی بات سنا نہیں سکتی تھی۔ میں نے پھر انہیں اپنے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کی لیکن انہیں اس کا احساس نہیں تھا۔ میں انہیں چھو رہی تھی لیکن وہ میرا لمس محسوس نہیں کر رہے تھے۔ میں لوگوں کو اپنی ایکسیڈنٹ کار کے ملبہ کے اردگرد جمع ہوتے دیکھ رہی تھی۔ میں ایک تنگ پگڈنڈی پر کھڑی تھی میں انہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن وہ مجھ سے بے خبر تھے۔ وہ میرے اندر سے گزر رہے تھے اور انہیں کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا"۔ (صفحہ 45)

15.10 نفس کی کیفیت اور خصوصیات

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی لکھتے ہیں کہ تقریباً ہر شخص نے بتایا ہے کہ نفس (Spirit Body) بہت لطیف تھا جیسے اس کا کوئی وزن نہ ہو، اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ دروازوں دیواروں کے آر پار بآسانی گزر سکتا تھا، دیکھ سکتا تھا، لوگوں کو سن سکتا تھا لیکن زندہ لوگ اس کو نہ محسوس کر سکتے تھے، نہ دیکھ سکتے تھے، نہ سن سکتے تھے، نہ ہی چھو سکتے تھے اور یہ بھی کہ جسم وقت کی پابندیوں سے آزاد تھا، وہ آگے، پیچھے، مستقبل، حال اور ماضی میں جھانک سکتا۔

رسول اللّٰہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا بھی ارشاد ہے کہ "مردہ پہچانتا ہے جو اس کو نہلاتے ہیں، کفن پہناتے ہیں، اس کا جنازہ اٹھاتے ہیں، اس کو قبر میں دفن کرتے ہیں وہ ان کی باتیں سنتا ہے جواب دیتا ہے لیکن لوگ اس کی باتیں نہیں سنتے"۔ (مشکوٰۃ)

15.11 سپرٹ باڈی (Spirit Body) کی کیفیت

اب ہم ان حقائق کے متعلق کچھ لوگوں کے مزید مشاہدات کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک آدمی نے بتایا کہ "وہ تیز گاڑی چلا رہا تھا کہ وہ ایک موڑ پر کنٹرول نہ کر سکا، کار ہوا میں اڑی اور پھر میں نے دیکھا کہ سڑک کے نیچے ایک کھائی میں گر گئی، اس وقت میرے لیے وقت کی حس ختم ہو گئی، میرا اپنے جسم سے رشتہ ٹوٹ گیا، میں اپنے جسم سے سر کی جانب سے باہر نکل آیا۔ میں اپنی Spirit Body کو بیان نہیں کر سکتا ہوں، گول تھی یا لمبوتری تھی، کیسی تھی مجھے احساس نہیں، آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک بادل کی طرح تھی جو اپنی شکل بدل سکتا ہے، میں نے محسوس کیا کہ ایک بوجھ اتر گیا ہے، میں بہت ہلکا محسوس کر رہا تھا، ایسے لگتا تھا کہ وقت ٹھہر گیا ہے، اگرچہ حادثہ میں ہر چیز اچانک ہوتی ہے لیکن میں ایک ایک حرکت کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے ہر چیز آہستہ آہستہ میرے سامنے ایک فلم کی مانند ہو، میں نے دیکھا کہ میرے جسم کو زیادہ زخم نہیں آئے تھے صرف گردن مڑ گئی تھی اور ایک پاؤں زخمی ہوا تھا، مجھے کوئی افسوس نہیں تھا بلکہ ہر چیز کافی دلچسپ معلوم ہوتی تھی۔ حادثہ کے وقت تو ایسے لگتا تھا جیسے ہر چیز آہستہ آہستہ ہو رہی ہے اور میں ایک ایک حرکت کو دیکھ رہا ہوں لیکن جب میں اپنے جسم سے پوری طرح باہر آ گیا تو وقت کا احساس بھی تیز ہو گیا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے ہسپتال میں

Marfat.com

آپریشن تھیٹر میں کیسے لے کر گئے، مجھے اپنے متعلق یاد ہے کہ میں بالکل شفاف تھا مجھ سے چیزیں گزر سکتی تھیں اور میں چیزوں سے۔ جب میرا دل بند ہو گیا تو مجھے ایسے لگا جیسے میں ایک گولا ہوں۔ مجھے کسی جسمانی تکلیف کا احساس نہیں، میں اپنے جسم کو اور اس پر جو پیش آ رہا تھا تقریباً دس گز سے دیکھ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا جیسے کوئی زندہ سوچتا ہے"۔ (صفحہ 50)

15.12 بصارت کی تیزی

ایک آدمی نے بتایا کہ جب وہ مر چکا تھا تو اس کے دیکھنے کی قوت (Vision) بہت زیادہ طاقتور ہو گئی اس نے کہا کہ "مجھے سمجھ نہیں آ رہا ہے کہ میں کس طرح اتنی دور دیکھ سکتا تھا"۔ ایک عورت نے بتایا کہ "میں جب مر گئی تو میں نے دیکھا کہ میرا نفس (Spirit Body) جدھر چاہے ادھر دیکھ سکتا تھا، ایسے جیسے اس پر دیکھنے کی کوئی حد نہیں تھی"۔

ایک اور عورت نے اپنے مرنے کا واقعہ بتایا کہ "میں نے دیکھا کہ وہاں بہت گہما گہمی تھی لوگ میری ایمبولینس کے ارد گرد دوڑ رہے تھے، میں لوگوں کے خیالات کو پڑھ سکتی تھی اور جس شخص کو بھی دیکھتی وہ زوم (Zoom) کر کے میرے قریب آ جاتا، میں خود اپنے جسم سے کئی گز کے فاصلہ پر کھڑی تھی، جب میں کسی کو دور دیکھنا چاہتی تو ایسے معلوم ہوتا کہ میرا کچھ حصہ وہاں پہنچ جاتا، مجھے ایسا لگا جیسے میں دنیا کے ہر کونے میں دیکھ سکتی ہوں"۔ (صفحہ 52)

15.13 سننے اور سمجھنے کی حس

مرنے والے لوگوں نے بتایا کہ وہ زندہ لوگوں کی باتوں کو سنتے تھے، ہجوم میں ایک ایک کی بات سمجھتے تھے لیکن اپنا مدعا کسی کو نہ سنا سکتے تھے، ایک خاتون نے اپنا مشاہدہ بتایا کہ "میں لوگوں کو اپنے جسم کے ارد گرد کھڑے دیکھ رہی تھی میں ان کی باتیں سن اور سمجھ رہی تھی بلکہ مجھے ان کے اذہان کے خیالات کا بھی علم ہو رہا تھا میں ان کے بولنے سے پہلے سمجھ لیتی تھی کہ وہ کیا کہنے والے ہیں"۔ (صفحہ 52)

اٹھارہویں صدی کے مشہور مسلمان عالم دین اور محدث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اپنی کتاب "حجتہ اللہ بالغہ" میں لکھتے ہیں کہ نفس (Self) جب جسم کو چھوڑتا ہے تو بدن پر جو کچھ گزرتا ہو وہ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور اس کا پورا پورا احساس ہوتا ہے، وہ باتیں کرتے ہیں لیکن عام آدمی ان کو سن نہیں سکتے بلکہ انہیں سمجھنے کیلئے بھی روحانی کان چاہئیں۔ حضور پاک صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مردہ قبر سے دفن ہونے سے پہلے جو باتیں کرتا ہے اس کے ماسوائے انسان کے باقی سبھی چیزیں سنتی ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ انسان کے علوم اور خیالات نفس کے ساتھ رہتے ہیں۔

Marfat.com

قرآن کریم کی سورہ التکاثر سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی دیکھنے اور سمجھنے کی قوتیں بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہیں اور اس پر اگلے پچھلے علوم کھل جاتے ہیں ۔فرمایا" دنیا میں تمہیں چیزوں کی کثرت کی ہوس نے غافل کر رکھا ہے ۔حتیٰ کہ تم قبروں تک پہنچ جاتے ہو۔ وہاں تم جان جاؤ گے۔ تحقیق تم جان جاؤ گے۔ کاش کہ تمہیں دنیاوی زندگی میں حقیقت حال کا پتہ ہوتا۔" (موڈی کے تمام واقعات قبر میں جانے سے پہلے کے ہیں، اس لئے ان میں سے کسی ایک میں بھی قبر میں کیا گذرتا ہے کا ذکر نہیں)

15.14 احساس تنہائی اور خوف

اگر چہ مردہ لوگوں کو سن سکتا ہے، ان کے خیالات تک کو محسوس کرتا ہے، جدھر چاہے دیکھ سکتا ہے، لیکن ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ بہت سے لوگوں نے بتایا کہ اس حالت میں ایک عجیب طرح کی تنہائی والی وحشت ہوتی ہے کہ نہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے، نہ وہ کسی کو کچھ سنا سکتے ہیں بالکل دنیا سے ان کا رشتہ پوری طرح کٹ چکا ہے اور یہ احساس انتہائی مایوس کن ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے بتایا کہ وہ وہاں انتہائی زیادہ تنہائی کا شکار تھا۔

ایک آدمی نے بتایا کہ "میں عجیب عجیب تجربات سے گزر رہا تھا، یہ سب اتنے خوبصورت تھے کہ میں بیان نہیں کر سکتا، میں چاہتا تھا کہ میں کسی کو بتا سکوں لیکن مجبور محض تھا۔ مجھے یہ احساس کھائے جا رہا تھا کہ بس کبھی بھی کسی کو بتا سکوں گا کہ میں نے کیا کچھ وہاں دیکھا اس احساس سے میرا دل ڈوب رہا تھا اور میں ڈپریشن (Depression) میں جا رہا تھا"۔

ایک اور شخص نے بتایا کہ "مجھے احساس تھا کہ میں بالکل تنہا ہوں اور یہ ایک خوفناک احساس تھا"۔

15.15 دوسرے لوگوں سے ملاقات

ڈاکٹر موڈی بتاتے ہیں کہ تنہائی کا یہ احساس اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب مرنے والا اپنے بہت سے وفات پائے ہوئے دوستوں اور رشتہ داروں کو ملاقات کیلئے آتے ہوئے پاتا ہے۔

ایک عورت جو کہ بچہ کی پیدائش کے موقع پر مر گئی اور بعد میں پھر سے زندہ ہو گئی، اس نے اپنا واقعہ یوں سنایا کہ "ڈاکٹر میری زندگی سے مایوس ہو گئے اور میرے رشتہ داروں کو بتایا کہ میں مرنے والی ہوں لیکن میں خود ہر بات سن رہی تھی۔ اس وقت میں نے اپنی ملاقات کیلئے بیشمار لوگوں کو آتا دیکھا، وہ چھت کے ساتھ تیرتے نظر آ رہے تھے، یہ وہ لوگ تھے جو مر چکے تھے، میں نے ان میں اپنی دادی کو پہچان لیا، وہیں میری سکول کی ایک سہیلی بھی تھی، وہ سب خوش خوش معلوم ہو رہے تھے، میں نے محسوس کیا کہ وہ میری خاطر آئے ہوئے ہیں یہ بالکل ایسے ہی منظر تھا جیسے کوئی دیر کے بعد گھر آئے اور اس کے دوست اور رشتہ دار اسے جوق در جوق ملنے آتے ہیں۔ کیا خوبصورت لمحات تھے"۔

ایک آدمی نے بتایا کہ اس کا ایک دوست جس کا نام باب (Bob) تھا کار کے حادثہ میں فوت ہو گیا تھا" جب میں بیمار ہوا اور موت کے

Marfat.com

دروازے تک پہنچ گیا تو میری روح (Spirit) بھی جسم سے علیحدہ ہوگئی تو میں نے دیکھا کہ باب میرے سامنے کھڑا تھا۔ اگلے ایک ہفتہ تک مجھ پر مرنے کے کئی دورے پڑے جب بھی میں موت کے منہ میں چلا جاتا میں باب کو اپنے کمرے میں پاتا۔ میں باب سے پوچھتا کہ باب تم کہاں سے آتے ہو اور میں کہاں جانے والا ہوں لیکن وہ کوئی جواب نہ دیتا پھر ایک دن اس نے کہا تم ابھی زمین پر رہو گے اور وہ چلا گیا"۔ (صفحہ 56)

15.16 فرشتہ سے ملاقات

کچھ ایسے بھی واقعات سامنے آئے ہیں جہاں مرکر واپس آنے والوں کا خیال ہے کہ ان سے ملاقات کرنے والوں میں فرشتے بھی تھے۔ بعض نے ان کا نام اپنی ساتھی روح (Guardian Spirit) دیا ہے۔ ایک آدمی نے بتاتا ہے کہ ایک روح نے کہا میں تمہاری ساتھی روح (Guardian Spirit) ہوں، میں زندگی بھر تمہارے ساتھ رہی، اب تمہیں میں دوسروں کے حوالہ کرنے والی ہوں۔

ایک عورت نے بتایا کہ وہ جب اپنا جسم چھوڑ رہی تھی اس وقت اس نے وہاں کمرے میں دو روحانی شخصیات کو دیکھا۔ انہوں نے کہا "ہم زندگی میں تمہارے رہنما فرشتے تھے"۔

(قرآن کریم میں ساتھی فرشتوں کو کراماً کاتبین اور محافظ کے نام دیے گئے ہیں۔)

15.17 نوری ہستی (Light Being) سے ملاقات

ڈاکٹر موڈی کہتے ہیں کہ سب سے حیران کن بیان اور یہ وہ بیان ہے جس نے لوگوں پر بہت گہرا اثر چھوڑا، وہ ایک نوری ہستی Light Being سے ملاقات تھی۔ زیادہ تر لوگوں نے بتایا کہ شروع میں یہ روشنی مدھم سی معلوم ہوتی ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے بقعہ نور نظر آتی ہے لیکن یہ روشنی کوئی دنیا والی روشنیوں کی طرح نہیں بلکہ اس کو بیان کرنا لوگوں کے بس سے باہر تھا۔

یہ ایک زندہ روشن ہستی ہیں، اس سے محبت کی شعائیں نکلتی ہیں، اس میں وہ سکون ہے کہ مرنے والا اس کے سامنے بے حس ہو جاتا ہے، اس میں وہ کشش ہے جو بیان سے باہر ہے لیکن یہ کیا ہے کہ اس کے متعلق سب کا اپنے اپنے مذہب اور رجحانات کے مطابق بیان ہے مثلاً عیسائی مذہب کے ایک پیروکار نے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Christ) سمجھا۔ ایک یہودی آدمی اور عورت نے بتایا کہ وہ اللہ کا فرشتہ تھا۔ ایک آدمی جس کا کوئی خاص مذہب اور رجحان نہیں تھا اس نے اسے صرف روشن ہستی ہی کہا۔ ملاقات کے چند ہی لمحوں بعد نوری ہستی آنے والے سے اظہار خیال شروع کر دیتی ہے لیکن یہ بات چیت زبان یا الفاظ میں نہیں بلکہ اذہان کے درمیان ہے۔ عام طور پر جو اس نوری ہستی نے سوال پوچھے تھے وہ یوں ہیں۔

Marfat.com

(1) کیاتم مرنے کیلئے تیار ہو؟

(2) تم اپنی زندگی سے مجھے دکھانے کیلئے کیالائے ہو؟

(3) تم نے اپنے لیے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟

مثال کے طور پر ایک آدمی نے بتایا کہ مجھ سے اس نوری ہستی نے پوچھا کہ "جس طرح میں نے زندگی گزاری وہ کس کام کی ہے"؟ لیکن سب نے بتایا کہ "سوال پوچھتے وقت وہ نوری ہستی کسی طرح غصہ میں نہیں تھی بلکہ نہایت محبت اور ہمدردی سے پوچھ رہی تھی، نہ ہی اس کا لہجہ دھمکی آمیز ہے بلکہ وہ تو رحم ہی رحم نظر آتا ہے۔" (صفحہ 60)

ایک آدمی اپنی ملاقات کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ "میں نے سنا کہ ڈاکٹروں نے مجھے مردہ قرار دے دیا، میں اس وقت کمرے کی فضا میں تیر رہا تھا وہاں سے مجھے ایک گہرے اندھیرے کی طرف لے گئے، میں اس میں سے گزر رہا تھا لیکن اس کے اندھیرے اور گھٹن کو میں بیان نہیں کرسکتا ہوں، دوسری طرف ایک لائٹ تھی میں اس کو دیکھ رہا تھا، بہت ہی روشن لائٹ، جیسے جیسے میں قریب آتا گیا وہ لائٹ بڑی ہوتی جاتی تھی۔ میں نے سوچا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Christ) ہیں، شاید اس وجہ سے کہ میں ایک عیسائی ہوں، بہر حال جیسے جیسے میں قریب جارہا تھا میرا خوف دور ہوتا جارہا تھا"۔ (صفحہ۔ 64)

ایک اور واقعہ میں آدمی جب اس نوری ہستی کے حضور حاضر ہوا تو اس آدمی نے کہا "میں آپ سے محبت کرتا ہوں"۔ تو اس نے جواب دیا "اگر تم واقعی بہت محبت کرتے ہو تو واپس جاؤ اور اپنی زندگی کے بقیہ کام مکمل کرو"۔

ایک شخص نے کہا کہ "مجھے معلوم تھا کہ میں مر رہا ہوں، میں اپنے جسم کو آپریشن کے میز پر پڑا دیکھ رہا تھا، کوئی میری بات نہیں سن رہا تھا مجھے سخت وحشت تھی، اس وقت ایک نوری ہستی وہاں پر آگئی، پہلے یہ کچھ مدھم تھی پھر بہت تیز ہوگئی، دنیا کی ہر قسم کی لائٹ سے جداگانہ، مجھے اس میں سکون اور گرمی کا جو احساس ہوا اس کو بیان کرنا میرے بس سے باہر ہے۔ جب یہ نوری ہستی آئی تو مجھے پہلے پہل سمجھ نہ آئی کہ کیا ہونے والا ہے لیکن پھر اس نے مجھ سے پوچھا کہ "تم مرنے کیلئے تیار ہو" یہ ایسے تھا جیسے آدمی، آدمی سے بات کرتا ہو لیکن وہاں کوئی آدمی نہیں تھا بس ایک مجسم نور تھا، جب اس نے بات کی تو اس سے مجھے بہت حوصلہ ہوا، میں اس کی محبت اور شفقت کو بیان نہیں کرسکتا۔ اس میں ایک خاص طرح کی سرور کن مزاح کی حس تھی"۔ (صفحہ 64)

(حضور نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کیلئے دعاکریں تاکہ اللّٰہ تعالیٰ اس کی قبر کو کھول دے اور روشنی سے منور کردے۔ قرآن کریم میں بھی فرمایاگیا کہ آدمی کا نور اس کے آگے آگے چل رہا ہوگا جو اسے راستہ دکھائے گا۔ رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا

Marfat.com

یہ بھی ارشاد ہے کہ جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اس کے دونوں محافظ فرشتے علیحدہ ہوجاتے ہیں اور موت کا فرشتہ حضرت عزرائیلؑ کی طرف سے روح کو لینے کیلئے آجاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مرکرزندہ ہونے والے لوگوں نے جس نوری ہستی کو دیکھا وہ حضرت عزرائیلؑ ہی ہوں۔)

قرآن کریم میں بار بار موت کے بعد اپنے رب سے ملاقات کی بھی خوشخبری دی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ جس نوری ہستی سے ملاقات کا بتایا جاتا ہے وہ خالق کائنات کا اپنا نور ہو۔ (سبحان اللہ واللہ اعلم)

15.18 زندگی کی فلم اور نیکی کے اعمال

ڈاکٹر موڈی نے بہت سے لوگوں کے مشاہدات کا یہ خلاصہ بھی لکھا ہے کہ ابتدائی کلمات کے بعد اس نوری ہستی نے نہایت پوچھا کہ تم نے اپنی زندگی میں کیا کیا ہے؟ اس کے ساتھ ہی زندگی کی پوری کہانی ایک فلم کی طرح سامنے آنا شروع ہوگئی۔ مرکرزندہ ہونے والوں نے بتایا کہ چند لمحوں میں ساری زندگی کا ریکارڈ نظروں کے سامنے سے گزر جاتا ہے، یہ سب کچھ انتہائی صاف اور واضح ہوتا ہے، آدمی کے جذبات تک دکھائی دیتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ یقیناً یہ ہماری زندگی کا مکمل ریویو تھا اور اس قدر تفصیلی تھا کہ کوئی چھوٹی بڑی بات چھوڑی نہیں گئی تھی''۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ جب وہ نوری ہستی ہماری زندگی کے ریویو کو دیکھ رہی تھی تو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ وہ خاص طور پر دو چیزوں کی اہمیت ہمارے اوپر واضح کرنا چاہتی تھی 1۔ دوسرے لوگوں سے محبت اور ہمدردی، 2۔ علم حاصل کرنا۔ (صفحہ 64-65)

(حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا بھی ارشاد ہے کہ جب ایک آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہوجاتا ہے ماسوائے تین چیزوں کے جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

1۔ دوسروں کی بھلائی کیلئے صدقہ جاریہ کے کام

2۔ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔

3۔ نیک اور صالح اولاد جو اس کیلئے دعا کرتی ہے اور نیکی کے کام کرتی ہے)

مرکرزندہ ہونے والے ایک شخص نے بتایا کہ جب میں نے اس نوری ہستی کو دیکھا تو اس نے پوچھا ''تمہارے پاس مجھے دکھانے کیلئے کیا ہے؟ تم نے اپنی زندگی کے ساتھ کیا کیا؟'' یا اسی طرح کا کوئی اور سوال۔ اسی وقت میری زندگی کی فلم چلنا شروع ہوگئی، میں بچپن سال میں تھا اور پھر وہاں ایسے لگا کہ میں وقت میں چلنے لگا ہوں اور اب تک جو کچھ مجھ پر گزرا جو کچھ میں نے کیا میرے سامنے آرہا تھا، یہ سب کچھ ایک پروگرام اور حساب کے مطابق جو بالکل واضح تھا اور کلر (Colour) میں حقیقت کے مطابق تھا مثلاً میں نے دیکھا کہ میں ایک کھلونے کو بچپن میں توڑ رہا تھا تو

Marfat.com

میں نے توڑنے کے اس عمل کی ایک ایک حرکت کو بھی دیکھا، جب میں اپنی فلم دیکھ رہا تھا تو نوری ہستی غائب ہوگئی لیکن پھر بھی مجھے اس کی حاضری احساس تھا اور وہ کبھی کبھی اپنی رائے کا بھی اظہار کرتا تھا جس کا میرے ذہن کو خود بخود پتہ چل جاتا۔ مثال کے طور پر اس نے مجھے بتایا کہ میرا اپنی بہن کے ساتھ لالچی رویہ تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں لوگوں کی بہتری کیلئے مخلصانہ کام کروں، مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ وہ ان لمحات کو زیادہ پسند کرتا ہے جو علم کے حصول میں گزارے ہیں بلکہ اس نے مجھے کہا کہ واپس جا کر علم حاصل کرتے جاؤ۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ علم کا حصول زندگی کے ساتھ بند نہیں ہوتا بلکہ دوسری دنیا میں بھی جاری رہتا ہے، مجھے اب یوں لگتا ہے کہ وہ نوری ہستی مجھے میر زندگی کی فلم دکھا کر سبق سکھانا چاہتی تھی کہ میرے لیے کیا اچھا ہے اور کیا برا؟ زندگی کا یہ ریویو بہت جلدی ختم ہوگیا، شاید زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ یا شاید 30 منٹ سے بھی کچھ کم عرصہ میں لیکن عجیب بات یہ کہ سب کچھ بالکل واضح اور تفصیلاً تھا"۔ (صفحہ 68)

15.19 واپسی

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں کہ یہ تو واضح ہے کہ میں نے جن لوگوں کے یہ واقعات لکھے ہیں وہ مرنے کے کسی نہ کسی سٹیج سے واپس زندگی میں آگئے تھے۔ موت کے پہلے چند لمحے انتہائی خوف زدہ اور تکلیف دہ تھے، وہ مرنا نہیں چاہتے تھے لیکن بعد میں اکثر کو یہ اتنا اچھا لگا کہ وہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو نوری ہستی تک پہنچ گئے تھے انہیں تو مرنا بہت ہی اچھا لگا اور اس کے حضور سے وہ واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن واپسی کے اکثر بیانات میں کافی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ انہیں پتا نہیں کہ وہ کیسے اور کیوں واپس آئے، کچھ نے کہا ہے کہ واپس آنا ان کی اپنی خواہش تھی مثلاً کوئی بچوں کیلئے واپس آنا چاہتا تھا تو کوئی اپنا ادھورا کام مکمل کرنے کیلئے اور کچھ وہ تھے جو بالکل واپس نہیں آنا چاہتے تھے لیکن بھیج دیے گئے، مثلاً ایک آدمی کا بیان ہے کہ:۔

"یقیناً اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان تھا، میں مر چکا تھا اور اس نے ڈاکٹروں کو اس قابل کیا کہ وہ مجھے واپس زندگی میں لے آئے۔ یہ سب ایک مقصد کیلئے تھا، یہ میری بیوی کی مدد کیلئے تھا، وہ اکیلی ہو چکی تھی۔ اگر میں مر جاتا تو اس کی کون مدد کرتا۔ اب اس کی حالت بہتر ہے اور میں دوبارہ اس زندگی کو اس کی وجہ تصور سمجھتا ہوں"۔ ایک عورت نے کہا کہ "اللہ تعالیٰ نے مجھے بچوں کی تربیت کیلئے دوبارہ زندگی دی"۔

15.20 دعاؤں کا اثر

بعض مر کر زندہ ہونے کے واقعات ایسے بھی ہیں کہ مرنے والے نے بتایا کہ "میری زندگی کچھ لوگوں کی دعاؤں کی وجہ سے ہے" ایک عورت نے بتایا کہ "میری ایک بوڑھی پھوپھی تھی وہ بہت بیمار تھی، ہم سب اس کی زندگی اور صحت کیلئے دعا کرتے رہتے تھے۔ وہ کئی دفعہ مری اور پھر زندہ ہو جاتی۔ ایک دن اس نے مجھے کہا کہ میں کئی دفعہ دوسری دنیا میں چلی گئی تھی اور میں اب وہاں ہی رہنا چاہتی ہوں، وہاں بہت خوبصورت

Marfat.com

ہے لیکن جب تک تم میرے لیے دعا بند نہیں کرتے میں وہاں نہیں ٹھہر سکتی ہوں، تمہاری دعاؤں نے مجھے اس دنیا میں روکا ہوا ہے، مہربانی کر کے اب دعائیں بند کریں"۔ ہم نے ایسا ہی کیا اور اس کے جلد بعد ہی وہ ہمیشہ کیلئے فوت ہوگئی"۔ (صفحہ 81)

15.21 زندگیوں پر اثرات

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح کے حیرت انگیز تجربہ سے گزرنے کے بعد ان لوگوں کی زندگی میں کیا اثرات مرتب ہوئے؟ ڈاکٹر موڈی کے اس سوال کے جواب میں اکثر نے کہا کہ "اب ہم زندگی کی قدر پہلے سے زیادہ کرتے ہیں اور موت کا خوف دور ہو گیا ہے۔" بعض نے کہا کہ "اس تجربہ کے بعد وہ زندگی اور موت کے مسائل پر زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ چونکہ امریکی معاشرہ میں موت کے متعلق بات چیت اور اس طرح کے تجربہ کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی۔ اس لیے اکثر نے کہا کہ ہم اپنے مر کر زندہ ہونے والی بات کا ذکر اس لیے نہیں کرتے کہ کہیں لوگ ہمیں عجیب نہ سمجھنے لگیں۔" مندرجہ ذیل میں چند لوگوں کے تاثرات کا ذکر کیا جا رہا ہے:۔

"مجھے اس تجربہ سے گزرنے سے پہلے پیرا سائیکالوجی اور روح وغیرہ میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ نہ ہی میں نے زندگی کو سنجیدگی سے لیا تھا لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ زندگی صرف دنیا ہی نہیں ہے، یہ جمعہ کو فلم بینی اور ہفتہ کو فٹ بال میچ دیکھنے سے زیادہ اہم ہے۔ اب مجھے زندگی میں کچھ معنی نظر آتے ہیں گو ابھی تک یہ معلوم نہیں کہ وہ کیا مقصد ہے جس کیلئے مجھے پیدا کیا گیا تھا لیکن سوچنے کیلئے میرے سامنے اب ایک وسیع میدان ہے"۔ (صفحہ 89)

ایک اور صاحب بیان کرتے ہیں کہ "مر کر زندہ ہونے کے وقت سے میرے ذہن میں ہے کہ میں نے اپنی پچھلی زندگی کے ساتھ کیا کیا اور آئندہ کی زندگی میں اسے کیسے گزاروں؟ پہلے میں زندگی بلا مقصد گزارتا تھا اب میں اس میں مقصد تلاش کرتا ہوں تاکہ میرا نفس بہتر ہو۔ اب لوگوں کی بہتری کے بارے میں زیادہ سوچتا ہوں اور ان کیلئے کچھ اچھے کام کرے جانا چاہتا ہوں"۔ (صفحہ 90)

ایک آدمی کہتا ہے کہ "اس سے پہلے میں اپنے بچوں کے متعلق بڑا پریشان رہتا تھا، مجھے کل کی بڑی فکر تھی اور ماضی کے اوپر گھلتا رہتا تھا لیکن اب یہ چیزیں میرے لیے اہم نہیں رہیں"۔

ایک اور صاحب بتاتے ہیں کہ "حیات بعد الموت کے اس تجربہ کے بعد میں دوسروں کی ضروریات کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو میں اب کرتا ہوں پہلے نہیں کرتا تھا مثلاً کسی کو لفٹ دینا، کسی مصیبت زدہ سے اچھی بات کر لینا، کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا، یہ سب باتیں اب میرے لیے اہم ہیں"۔

ایک صاحب نے بتایا کہ "اب میری زندگی کا مشن لوگوں سے محبت اور ہمدردی ہے"۔ (صفحہ 94)

ایک صاحب نے بتایا کہ "میں اب موت سے ڈرتا نہیں، یہ بھی نہیں کہ میں زندہ نہیں رہنا چاہتا لیکن مجھے مرنے کا اب خوف نہیں

Marfat.com

رہا۔میں کیوں موت سے ڈروں، یہ خاتمہ نہیں بلکہ یہ تو ایک نئی طرح کی شاندار زندگی کا آغاز ہے"۔(صفحہ 96)

15.22 خودکشی کرنے والوں کے بعد از موت حالات

ڈاکٹر موڈی لکھتے ہیں کہ میرے مشاہدہ میں مرنے کے بعد زندہ ہونے والوں میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنہوں نے خودکشی کی کوشش کی تھی لیکن موت کی بے ہوشی کے بعد پھر سے زندہ ہو گئے۔تقریباً ہر ایک کیس میں ان کی موت بڑی تکلیف دہ تھی۔ایک عورت نے کہا کہ "اگر یہاں تمہاری روح (Soul) پریشان ہے تو وہاں بھی پریشان ہوگی"۔انہوں نے بتایا کہ "جس خوف کی وجہ سے انہوں نے خودکشی کی وہ خوف وہاں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا"۔ایک آدمی اپنی بیوی کی موت سے اس قدر رنجیدہ تھا کہ اس نے اپنے آپ کو ریوالور سے گولی مارلی جس کے نتیجہ میں وہ مر گیا لیکن پھر ڈاکٹروں کی کوشش سے اسے دوبارہ زندگی مل گئی، اس نے بتایا کہ میں وہاں تک نہیں پہنچا جہاں میری بیوی ہے میں ایک نہایت خوفناک جگہ پر پہنچ گیا، مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، میں نے سوچا کہ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا"۔

کچھ اور خودکشی کرنے والوں نے بتایا کہ "وہاں انہیں بہت پشیمانی تھی کہ کاش ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا۔وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ خودکشی کی وجہ سے ہمیں سزا ملے گی"۔ایک آدمی نے بتایا کہ "میں جب مر چکا تو مجھے بتایا گیا کہ دو چیزیں بالکل منع ہیں خودکشی اور دوسروں کو قتل کرنا۔اگر تم نے خودکشی کی تو یہ زندگی کے تحفہ کو واپس اللہ تعالیٰ کے منہ پر مارنے کے مترادف ہے اور کسی کو قتل کر دینا اس آدمی کی زندگی کیلئے اللہ کے مقصد کو توڑنا ہے"۔

(حضور نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث سے بھی یہ پتاچلتا ہے کہ خودکشی حرام موت ہے اور ایسا کرنے والا دوزخ میں جاتا ہے اور کسی کو نا حق قتل کرنا ناقابل معافی جرم ہے)۔

باب نمبر 16

روح کی خوشبو

16.0 تعارف

پچھلے ابواب میں مغربی ممالک میں روحوں کی حقیقت جاننے کے لئے جو کام ہو رہا ہے اس کی کچھ تفصیلات دی گئی ہیں۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر ریمنڈ موڈی جونیئر اور دوسرے مغربی مفکرین کے مشاہدات بیشک روحوں پر تحقیق میں ایک بیش قیمت پیشرفت ہیں لیکن اہم سوال یہ ہے کہ اگر مرکر زندہ ہونے والے لوگوں کی موت کے یہ مختصر لمحات مزید لمبے ہو جاتے تو روح کو اس کے بعد کیا پیش آتا؟ چونکہ موت کے چند گھنٹے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا امکان تقریباً معدوم ہے اس لیے یہ ممکن معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا جواب کوئی مردہ انسان دوبارہ زندہ ہو کر کبھی دے سکے لیکن انسانی تجربہ میں بعض اوقات ایسے واقعات بھی آتے ہیں جن میں روحیں خود عالم برزخ سے واپس آ کر اپنے متعلق بہت کچھ بتانا چاہتی ہیں لیکن ہم ان کے اشاروں کو سمجھ نہیں پاتے یا ادھر توجہ نہیں دیتے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ اس نام نہاد ترقی یافتہ دور میں روحوں کے بارے بات کرنا روشن خیالی کے خلاف سمجھا جاتا ہے اس لیے اکثر لوگ اپنے مشاہدات کو چھپاتے ہیں یا یہ کہ ان عجیب وغریب واقعات کی تاویلیں نفسیاتی الجھنوں کے گورکھ دھندے میں پھنس جاتی ہیں یا یہ کہ چونکہ لوگ قدرت کے مظاہر کو صرف سرسری سی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں اس لئے روحوں کے متعلق مشاہدات بھی یوں نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

ان معروضات سے میرا مقصد یہ ہے کہ روحوں کا عالم برزخ سے عالم دنیا میں آنا غیر معمولی نوعیت کے واقعات نہیں، لیکن اکثر لوگ ایسے مشاہدات کو سنجیدگی کی نظر سے نہیں لیتے، اس لیے یہ موضوع ہمیشہ ہی شک وشبہات میں دبا رہتا ہے لیکن دنیا میں بڑھتے ہوئے لادینی مادی اثرات کے خطرہ کے پیش نظر اب وقت آ گیا ہے کہ عقلمند لوگ آگے بڑھتے ہوئے ماورائی مخلوقات اور روحوں کے متعلق مشاہدات وتجربات کا مطالعہ گہری نظر سے کریں اور تحقیق کے بعد صحیح واقعات کو منظر عام پر لائیں تا کہ انسان زمان ومکان میں اپنے سفر کے متعلق اچھی طرح آگاہ ہو اور آنے والے سفر کیلئے کچھ تیاری بھی کر لے۔اس سلسلہ میں ہمارے صوفیاء اکرام اور اہل اللہ جو قبروں کے مکاشفہ اور مرحومین کی ارواح سے رابطہ کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ بھی کھل کر سامنے آئیں اور اپنی ان صلاحیتوں کو سائنسی بنیادوں پر ثابت کریں تا کہ مادیات کے بڑھتے ہوئے حملوں کے خلاف انسانیت کی رہنمائی کر سکیں۔

16.1 روح کی خوشبو

اسی ضمن میں مندرجہ ذیل واقعات ہماری معلومات پر ایک قابل قدر اضافہ ہوں گے۔مغربی سائنسدانوں کی تحقیقات کے برعکس یہاں

Marfat.com

ہمارا تعلق بلاواسطہ خود ایک ایسی روح سے ہے جو بار بار اپنے وجود اور اپنے مقام سے ہمیں آگاہ کرنا چاہتی ہے۔ یہ سب واقعات ایسے ہیں جن کا میں بذاتِ خود شاہد ہوں اور تمام ہوش و حواس کے ساتھ ان کی سچائی کی گواہی دے سکتا ہوں۔

میں پیشہ کے اعتبار سے ایک اٹامک انجینئر اور سائنسدان ہوں اور پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کی تقریباً 38 سال سروس کے بعد ڈائریکٹر جنرل کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوا ہوں اس دوران میرا زیادہ وقت ریسرچ، ڈیزائن اور پراجیکٹ انجینئرنگ میں لگا۔ یوں میری تعلیم اور ٹریننگ کچھ اس انداز میں ہوئی ہے کہ میں آسانی سے نہ کسی غیر مرئی چیز کو قبول کرتا ہوں اور نہ ہی قدرت کے مشاہدات پر سطحی نظر سے گزر سکتا ہوں بلکہ میرے پیشہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ میں جب بھی کسی چیز کو دیکھوں تو اسے غور سے دیکھوں، اس کے تمام پہلوؤں کو اہمیت دوں اور پھر ذمہ داری سے نتائج اخذ کروں۔ یہی وجہ ہے کہ جب شروع شروع میں کچھ لوگوں نے زیر بحث روح کے عجیب و غریب واقعات کی طرف میری توجہ مبذول کرائی تو میں نے اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینا شروع کیا اور اس سوال کی بھی چھان بین کی کہ کہیں یہ کچھ لوگوں کا نفسیاتی مسئلہ نہ ہو، لیکن جب مجھے خود ان حقائق کا بار بار تجربہ ہوا اور شک کی قطعی کوئی گنجائش نہ رہی تو پورے طمینان کے بعد اپنا فرض سمجھتے ہوئے 1982ء میں ان واقعات و مشاہدات کی تحقیق کو "روح کی خوشبو" کے نام سے چھپوا دیا۔ اکیس سال بعد میں اس کتاب سے ضروری ضروری واقعات آپ کے مطالعہ کیلئے دوبارہ پیش کر رہا ہوں۔ اب میں بتا تا چلوں کہ جس روح کی یہاں بات ہو رہی ہے وہ خود میرے والد محترم مرحوم کی روح ہے، جن کا انتقال حج کے بعد طواف الوداع کے دوران خانہ کعبہ میں دل پر حملہ کی وجہ سے صبح تقریباً 7 بجے 9 اکتوبر 1981ء کو ہوا۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

16.2 اس روح کی شخصیت

آگے پیش کیے جانے والی روح کی خوشبو کے واقعات کو سمجھنے کیلئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کا تعارف اس شخصیت سے بھی کروا دیا جائے جن کے متعلق آپ پڑھنے والے ہیں۔ آپ کا اسم گرامی چوہدری محمد شریف خان تھا۔ 1916ء میں ضلع امرتسر کے گاؤں بلڑوال میں پیدا ہوئے، طالب علمی کے زمانہ کے بعد آپ تحریک آزادی کے پرجوش سپاہی بن گئے اور ضلع امرتسر میں مسلم رضا کار تحریک کی بنیاد رکھی۔ اس تحریک کا مقصد مسلمان نوجوانوں کو عسکری تعلیم دینا اور ان کی معاشی حالت بہتر کرنا تھا۔ 1940ء تک ان کی تحریک کے دس ہزار سے زیادہ رضا کار تھے۔ تحریک نے گاؤں گاؤں بیت المال بھی شروع کئے۔ اس کے ایک ترانہ کا یہ شعر اب تک زبان زدعام ہے۔

اُٹھ مسلم جاگ نادانہ

کھلا بیت المال کا خزانہ

1940 میں اس تحریک پر حکومت نے پابندی لگا دی۔ 1944ء میں کچھ سیاسی اور خاندانی مجبوریوں کی وجہ سے آپ کو سروس کرنا پڑی

لیکن 1952ء میں آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور پھر عوام کی خدمت میں لگ گئے۔ پاکستان کے قیام کے بعد اپنے نئے گاؤں موضع لاگر ضلع شیخوپورہ اور ارد گرد کے دیہات میں بیت المال کا نظام قائم کیا۔ زندگی کا مشن لوگوں کی خدمت اور باہمی صلح ومحبت تھا۔ آپ نے ''تحریک اصلاح معاشرہ'' کی بنیاد ڈالی اور قابل قدر خدمات ادا کیں۔ 1960ء میں بچوں کی تعلیم کے پیش نظر آپ جزوقتی لاہور غوث پارک میں آباد ہو گئے۔ یہاں بھی اصلاح معاشرہ کا کام جاری رکھا۔ پاکستان کے دیہات کی زبوں حالی سے بہت زیادہ متاثر تھے، چنانچہ آپ نے ''پاکستان تحریک دیہات سدھار'' بھی شروع کی اور اس کی شاخیں پنجاب کے مختلف اضلاع میں قائم کیں۔ چونکہ دیہات میں نمبردار، اصلاح معاشرہ اور دیہات سدھار کیلئے بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں اس لیے ان کے تعاون کو حاصل کرنے کیلئے ''پنجاب نمبرداراں یونین'' کی بھی بنیاد ڈالی۔ اس طرح زندگی بھر آپ غریب عوام کی حالت بہتر بنانے کیلئے عملی طور پر کوشاں رہے۔ بہت ہی صلح کن بزرگ تھے، جدھر بھی گئے لوگوں کے جھگڑوں کو پولیس کے دھندوں میں پڑے بغیر سلجھانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان کا معمول تھا کہ اپنے گھر میں روزانہ عدالت لگاتے جہاں لوگوں کی باہمی رنجشوں کو دور کیا جاتا۔ اس کام کیلئے کسی سے کبھی کچھ معاوضہ نہ لیا اور اپنی جیب سے خرچ کرتے۔

اپنی ذاتی زندگی میں انتہائی دیانتدار تھے۔ ہمیشہ اپنی محنت کی کمائی کھائی حتیٰ کہ آزادی کے وقت جب چوہڑ کانہ منڈی میں ان کا بطور فوڈ انسپکٹر تبادلہ ہوا تو ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں سے ایک کوڑی تک قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اگست 1981ء میں حج کی روانگی سے پہلے مجھے نصیحت کرتے ہوئے کہا، ''جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے زندگی بھر کبھی کسی سے بددیانتی نہیں کی اور نہ ہی جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہے، میں توقع کرتا ہوں کہ تم اس طریقہ کار کو زندہ رکھو گے''۔ آپ کے دل میں دوسروں کے آرام کا کس قدر خیال تھا وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ 1954ء میں اگرچہ آپ کی معاشی حالت بہت خراب تھی اور سردی سے بچنے کیلئے ان کے پاس ایک ہی کمبل تھا لیکن ایک فقیر کو سردی میں جب ٹھٹھرتے دیکھا تو اپنا کمبل اتار کر اس پر ڈال دیا۔ زندگی کے آخری دس سالوں میں نماز کی خشوع وخضوع سے پابندی کرتے اور ایک متقی اور پرہیزگار آدمی کی طرح زندگی گزارنے کی کوشش کی۔ 1981ء میں حج پر جانا ان کے اسی جذبہ کے پیش نظر تھا، ورنہ دل کی بیماری کی وجہ سے ان کی صحت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ اس سخت مشقت کا سفر اختیار کریں۔

شاید یہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کی عبادت میں اخلاص کا نتیجہ تھا کہ حج کے دوران ان کی صحت بہت اچھی رہی اور آپ نے تمام فرائض جوانوں کی طرح خود ادا کیے۔ 9 اکتوبر بروز جمعۃ المبارک 7 بجے صبح آپ طواف الوداع کیلئے تشریف لے گئے۔ ساتھی بتاتے ہیں کہ پہلے چکر میں آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور دوسرے چکر میں پھر یہ سعادت حاصل کی، لیکن اس کے بعد ابھی بیس قدم بھی نہیں چلے ہوں گے کہ حطیم کی دیوار سے لگ کر بیٹھ گئے اور اسی حالت میں وفات پا گئے۔ چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ غالباً یہ موت دل فیل ہونے سے ہوئی۔ بعد از نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ حرم شریف میں ہوئی اور ساڑھے چار بجے کے قریب جنت المعلیٰ میں دفن کر دیے گئے۔

اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّآاِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

Marfat.com

حج کے اس سفر میں میری والدہ صاحبہ اور دیگر عزیز و اقارت بھی ان کے ساتھ تھے۔ سب مل کر ان کا گروپ کل دس افراد پر مشتمل تھا لیکن دوران حج مزید کئی لوگوں سے آپ کے گہرے مراسم ہو گئے۔ وفات کے وقت جناب حاجی حسن محمد میلی برجی والے اور جناب حاجی باللہ جدہ والے، اور لاہور کے ڈاکٹر محمد اقبال ان کے ساتھ تھے۔ جیسے ہی آپ کا انتقال ہوا تو حاجی باللہ دیگر ساتھیوں کے ہمراہ آپ کے جسم کو اٹھا کر حرم شریف سے باہر لے آئے اور ایمبولینس کے ذریعہ منیٰ لے آئے۔ صبح جب آپ طواف کیلئے روانہ ہوئے تھے تو میری والدہ صاحبہ نے آپ کے ساتھ جانا چاہا تھا لیکن آپ نے انہیں یہ کہہ کر روک دیا کہ میں آج اکیلے ہی جاؤں گا۔ والدہ صاحبہ بتاتی ہیں کہ اس رات آپ جاگتے رہے اور دیر تک اپنے بچوں اور دوسرے اہل خانہ کے متعلق باتیں کرتے رہے۔ صبح انہوں نے کپڑے بدلے لیکن ناشتہ کیے بغیر ہی طواف کیلئے روانہ ہو گئے۔ وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتے تھے اور روانگی کے موقع پر کہا 'آج میرا ایک ایک منٹ قیمتی ہے'۔ یہی ہوا خانہ کعبہ میں پہنچنے کے پندرہ منٹ بعد آپ کی وفات ہو گئی اور ساڑھے آٹھ بجے صبح آپ کی میت منیٰ میں پہنچ چکی تھی۔ خیمہ میں اس وقت کوئی دس ساتھی آدمی اور عورتیں تھیں جن میں قابل ذکر حاجی ڈاکٹر اقبال احمد خان لاہور والے، حاجی عبداللطیف سانگلہ ہل والے، حاجی محمد اسلم شیخوپورہ والے اور ان کی اہلیہ، حاجی تمیزالدین اسلم اور ان کی اہلیہ اور اس کے علاوہ شیخوپورہ ہی کا رہنے والا ایک اور خاندان تھا۔ ساتھیوں کا کہنا تھا کہ جیسے ہی ان کا جسم منیٰ میں رکھا گیا خیمہ میں ایک مسحور کن خوشبو پھیل گئی جس کے اثرات دیگر خیموں والوں نے بھی محسوس کیے جس پر ان کے خیمہ میں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔

16.3 روح کی خوشبو کے واقعات

17 اکتوبر میں اپنی والدہ صاحبہ کے استقبال کیلئے لاہور سے کراچی گیا۔ یہ سب لوگ 18 اکتوبر کو PK-411 صبح 4½ بجے پہنچے۔ مجھے ان کے ساتھی حاجیوں نے بتایا کہ تقریباً 9 بجے صبح جب ان کی وفات کو تقریباً 1¼ گھنٹہ گزر چکا تھا، عزیزہ سعیدہ زوجہ حاجی تمیزالدین اسلم نے نوٹ کیا کہ خیمہ میں ایک بھینی بھینی خوشبو پھیل رہی تھی، انہوں نے جب اس کا ذکر دوسروں سے کیا تو شروع میں اس کی بات پر کسی نے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن تھوڑی دیر بعد یہ خوشبو اس قدر تیز ہو گئی کہ خیمہ میں موجود سب لوگوں نے اسے محسوس کرنا شروع کیا، فوری طور پر یہ بات عام ہو گئی اور دیگر حاجی صاحبان بھی اس عجیب و غریب خوشبو کو سونگھنے کیلئے آنا شروع ہو گئے۔ اس وقت یہ خوشبو تقریباً پندرہ بیس منٹ تک رہی اور پھر ختم ہو گئی۔

مرحوم کا جسم منیٰ کے خیمہ میں تقریباً 3½ گھنٹہ رہا۔ اس دوران خوشبو آنے کا واقعہ کم از کم تین دفعہ ہوا۔ ہر بار خوشبو کے ٹھہرنے کا وقفہ دس سے پندرہ منٹ تک تھا۔ منیٰ میں خوشبو کے ان واقعات کی تصدیق کیلئے میں نے نومبر 1981ء کو ان تمام لوگوں کو خطوط لکھے جو ان کی وفات کے لمحات میں ان کے ساتھ تھے۔ ان سب نے اپنے تحریری بیانات میں خوشبو کی آمد کی تصدیق کی اور اس واقعہ کی سچائی کی گواہی دی ہے۔

یہ سوال کہ سب سے پہلے اس خوشبو کو عزیزہ سعیدہ کے علاوہ کسی اور نے کیوں محسوس نہیں کیا، میری دریافت پر سعیدہ نے خود بتایا کہ وہ خوشبوؤں کے معاملات میں انتہائی حساس ہے۔ دوسرا یہ کہ خوشبو کو سب سے پہلے میری والدہ صاحبہ نے کیوں نہ محسوس کیا، اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ

Marfat.com

اس وقت غم کی شدت سے ان کی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ بہر حال سعیدہ صاحبہ کے محسوس کرنے کے تھوڑی دیر بعد ہی خوشبو اس قدر تیز ہوگئی تھی کہ وہاں موجود سب لوگوں نے اسے اچھی طرح محسوس کیا۔

یہ سوال کہ اس خوشبو کی کیفیت کیا تھی؟ تمیز الدین اسلم جو ایک انجینئر بھی ہیں، نے بتایا کہ اس خوشبو کو ہم کسی پھول کی خوشبو سے تشبیہ نہیں دے سکتے، یہ ایک خاص قسم کی خوشبو تھی، زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پھولوں کی ملی جلی خوشبو کی مانند تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کو اسی طرح کی بھینی بھینی خوشبو کا احساس روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی ہوتا تھا لیکن وہاں یہ خوشبو لطیف ہوتی ہے، اسی طرح بعض اوقات ایسی خوشبو کا جھونکا کبھی کبھار مدینہ منورہ کی گلیوں میں بھی محسوس کیا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ کے لوگ اس کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ جب مقرب روحیں روضہ مبارک پر حاضری اور سلام کی غرض سے آتی ہیں تو اپنی آمد کا احساس خوشبو کی شکل میں چھوڑتی ہیں۔

حاجی صاحبان نے بتایا کہ والد مرحوم کو اسی دن جمعہ کی نماز کے بعد سعودی حکام نے مکہ مکرمہ لا کر جنت المعلٰی میں دفن کر دیا لیکن حاجیوں کا منیٰ میں قیام مزید ایک دن اور تھا۔ اگلے دن 10 اکتوبر کو بھی خوشبو اچانک کئی دفعہ آتی رہی اور پانچ سے دس منٹ تک ٹھہرنے کے بعد چلی جاتی لیکن ہر بار یہ اسی طرح مسحور کن اور فرحت بخش تھی۔ یہ بھی نہیں تھا کہ اسے صرف اہل خانہ ہی محسوس کرتے بلکہ خیمہ میں جو بھی موجود ہوتا سب ہی اس عجیب وغریب خوشبو کو محسوس کرتے۔

یہ سوال کہ خوشبو کہاں سے آتی ہے؟ حاجی صاحبان کو یقین تھا کہ یہ مرحوم کی روح کی خوشبو تھی جو میری والدہ صاحبہ اور دوسرے عزیزوں کی تسلی کیلئے آتی تھی اور بالواسطہ بتا رہی تھی کہ میرے لیے غم مت کھاؤ، میں زندہ ہوں اور میرا انجام نہایت اعلیٰ ہے۔

ساتھیوں کا خیال تھا کہ انہوں نے اللہ کی راہ میں جان دی ہے اس لیے انہیں شہید کا درجہ ملا ہے۔ حاجی اسلم خان نے بتایا کہ مرحوم نے اونٹ کی قربانی دی تھی اور کہتے تھے اصل قربانی تو یہ ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں اپنی جان کی قربانی دے۔ بہر حال حاجی صاحبان کا نظریہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہوں اور دوران سفر فوت ہو جائیں تو ان کو اعلیٰ درجات ملتے ہیں۔ حج کا سفر بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

> ''وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھروں کو چھوڑا، اور پھر قتل ہوگئے یا مرگئے تو اللہ ضرور انہیں رزق عطا کرے گا، اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے ، اور وہ انہیں ضرور ایسی جگہ داخل کرے گا جس پر وہ راضی ہوجائیں گے، اور بیشك اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے اور بہترین برداشت کرنیوالا ہے''۔سورۃ الحج، آیت 59-58

Marfat.com

حسب پروگرام 11 ستمبر میری والدہ صاحبہ اور دوسرے ساتھی منیٰ سے مکہ رہائش گاہ پر واپس آ گئے اور مکہ میں پندرہ اکتوبر تک رہے۔ اس دوران بھی انہوں نے محسوس کیا کہ مرحوم کی روح اسی طرح گاہے بگاہے آتی اور خوشبو بکھیرتی رہی، ان کے کمرہ کے دیگر ساتھیوں نے بتایا کہ وہاں خوشبو میں تیزی اتنی نہ تھی جتنا کہ 9 اکتوبر کو منیٰ میں ان کے خیمہ میں تھی لیکن خوشبو کا یہ سلسلہ متواتر جاری رہا تاہم روح کے قیام کی مدت پہلے سے کم ہوتی گئی مثلاً چار پانچ منٹ تک خوشبو رہتی اور اس کے بعد غائب ہو جاتی۔ والدہ صاحبہ کی حالت ابھی تک اچھی نہیں تھی لیکن خوشبو کی آمد پر قدرے پرسکون ہو جاتیں۔

15 اکتوبر کو مکہ مکرمہ سے جدہ کیلئے روانگی تھی۔ اپنے زندگی بھر کے ساتھی کو مکہ چھوڑ کر اس طرح واپس آنا میری والدہ کیلئے انتہائی صدمہ والی بات تھی جس کی وجہ سے ان کی طبیعت بہت خراب ہو گئی۔ ساتھی حاجی صاحبان نے بتایا کہ روانگی کے وقت آپ کے والد کی روح دوبارہ آئی اور اب کہ پھر یہ خوشبو نہایت تیز تھی۔ مکہ سے جدہ تک کے سفر میں بھی چند مرتبہ وہ ہمارے ساتھ ہونے کا احساس اپنی خوشبو سے دیتے رہے، اسی طرح جدہ ایئرپورٹ پر بھی ان کی روح چند مرتبہ آئی اور خوشبو پھیلاتی رہی۔ خوشبو کے آنے جانے کی وجہ سے آپ کی والدہ صاحبہ کا حوصلہ بلند رہا۔"

15.4 ذاتی مشاہدات

ابھی تک جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں میں ان میں بذات خود شریک نہیں تھا بلکہ دوسرے حاجی صاحبان کی گواہیاں تھیں لیکن یہ واقعات اس قدر عجیب وغریب تھے کہ میرا سائنسی انداز میں سوچنے والا ذہن اگرچہ حاجی صاحبان کے ان بیانات کو جھوٹ تو نہیں کہہ سکتا تھا لیکن ماننے کیلئے بھی تیار نہیں تھا۔

کراچی ایئرپورٹ پر والدہ صاحبہ کی حالت کافی خراب تھی، آپ کو بہت زیادہ نقاہت تھی۔ پچھلے کئی دنوں سے آپ نے کچھ نہیں کھایا تھا، میں نے انہیں کھانے کیلئے ہلکی پھلکی خوراک دی، فوراً ہی قے ہو گئی۔ چار بجے شام کو ہماری ٹرین لاہور کیلئے روانہ ہونا تھی، لیکن دو بجے ان کی حالت یہ تھی کہ ٹرین تک میں انہیں اٹھا کر لایا۔ گاڑی میں بھی وہ نیم بیہوشی کی حالت میں تھیں۔ ٹرین چونکہ ایئر کنڈیشنڈ تھی اس لیے بھیڑ اور گرمی سے آرام تھا۔ ہمارے ڈبہ میں صرف 20 مسافر تھے جن میں سے 12 تو وہی حاجی صاحبان تھے جو جدہ سے ہی والدہ صاحبہ کے ہم راہی تھے۔ میں اپنی والدہ کے ساتھ ابا جی کی سیٹ پر بیٹھا تھا۔

ایک طرف تو والد صاحب کا غم اور دوسری طرف والدہ صاحبہ کی یہ حالت، میں بہت زیادہ مضطرب تھا۔ ٹرین ابھی کوٹری ریلوے اسٹیشن نہیں پہنچی تھی کہ بیگم تمیز الدین اسلم جو کہ ہمارے سے اگلی سیٹ پر بیٹھی تھیں انہوں نے بتایا کہ وہ روح کی خوشبو محسوس کر رہی ہیں۔ اس وقت تو مجھے بھی بھینی بھینی خوشبو کا احساس ہوا۔ تھوڑی دیر بعد یکلخت خوشبو کا ایک تیز جھونکا آیا جو میرے ذہن میں بس گیا۔ اس کے بعد یہ خوشبو ختم ہو گئی۔ چند ہی منٹ بعد دوبارہ خوشبو کا ایک اور جھونکا آیا۔ میں نے اس طرح کی خوشبو پہلے زندگی بھر کبھی محسوس نہیں کی تھی، اسلم صاحب، تمیز صاحب اور دوسرے

Marfat.com

کئی ایک حاجی صاحبان نے بتایا کہ یہی تو وہ خوشبو ہے جو منیٰ سے ہمارے ساتھ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اب میں خود اس خوشبو کا تجربہ کر چکا تھا لیکن پھر بھی میرا ذہن اس کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھا۔ میں نے اس مسئلہ کے بہت سے پہلوؤں پر سوچنا شروع کر دیا۔ مجھے یہ بھی خیال گزرا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی کی شرارت ہو جو فضا میں کوئی سینٹ پھیلا دیتا ہو۔ چنانچہ میں نے اٹھ کر اپنی تسلی کیلئے چپکے چپکے تحقیق بھی شروع کر دی لیکن مجھے ایسی کوئی چیز نہ ملی جس پر میں شک کرتا۔

ٹرین پوری رفتار سے رواں دواں تھی، رات کے ساڑھے آٹھ بج چکے تھے مسافر حضرات ڈائیننگ کار سے کھانا منگوا کر کھا چکے تھے ہم نے اپنی سیٹوں پر ہی عشاء کی نماز پڑھی، میری والدہ صاحبہ کو بھی اب قدرے ہوش تھا دل بہلانے کے لئے میں ان سے مختلف موضوعات پر آہستہ آہستہ باتیں کرتا رہا کہ اچانک ہمارے درمیان خوشبو پھیل گئی۔ اسلم صاحب نے آواز دی کہ ماموں جان (اسلم صاحب آپ کے سگے بھانجے ہیں) کی روح تشریف فرما ہے۔ اپنے شک کو دور کرنے کیلئے میں اپنی سیٹ سے اٹھ پڑا اور تجسس کے ساتھ ریل کے ڈبہ میں ادھر ادھر اس خوشبو کے منبع کو تلاش کرنے کی بے سود کوشش کرنے لگا۔ شاید زوجہ حاجی اسلم نے میری بے تابی کو بھانپ لیا کہ انہوں نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تم جیسے سائنس پڑھے بعض دفعہ گمراہی کے بہت قریب پہنچ جاتے ہو، ہمارے کسی کے پاس پرفیوم تو کیا کوئی تیل بھی نہیں۔ میں ہنس کر اپنی خفت مٹاتا ہوا واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا، یہ پہلی دفعہ تھا کہ میں نے گھڑی سے روح کی اس خوشبو کے قیام کے وقفے کا اندازہ کرنا شروع کیا۔ اب کہ یہ ہمارے درمیان پورے سات منٹ تک رہی۔ خوشبو کی نوعیت وہی پہلے جیسے تھی۔

حاجی اسلم صاحب، والد مرحوم کے متعلق بتانے لگے کہ سات اکتوبر کو ہم سب میدان عرفات میں کھڑے تھے، حج کا خطبہ ہو رہا تھا اور 20 لاکھ سے زیادہ انسان اپنے مقصد کی تکمیل کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے، جب خطیب صاحب نے حج مبارک کا اعلان کیا تو ہماری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آگئے۔ اس روح پرور منظر پر ماموں جان فرمانے لگے کہ ''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں حج کی سعادت نصیب ہوئی اور ہمیں اس نے گناہوں سے پاک کر دیا۔ آؤ اس وقت ہم سب اپنے رب سے ایک وعدہ کریں کہ ''اے اللہ تعالیٰ! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمارے پہلے گناہ معاف کر دیے اب آئندہ کے لئے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ زندگی میں کوئی گناہ نہیں کریں گے۔'' یہ سن کر میں نے (اسلم صاحب) نے کہا کہ ''ماموں جان ہم یہ وعدہ نہیں کر سکتے بلکہ ہم تو یہ کہیں گے کہ اے اللہ ہم آج کے بعد کوشش کریں گے کہ کوئی گناہ نہ کریں۔'' جس پر انہوں نے کہا کہ ''اچھا آپ لوگوں کی مرضی، میں تو پہلے ہی اپنے رب سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اس وقت کے بعد اب میں کبھی کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کروں گا۔'' پھر میری والدہ صاحبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ''تم بھی میرے والا وعدہ کرلو۔'' لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ''میں تو ایک کمزور گنہگار شخصیت ہوں میرا وعدہ بھی اسلم صاحب والا ہی ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے وعدہ کو سچ کر دکھایا اور اس کے دوسرے ہی دن اپنے پاس بلا لیا۔

باتیں کرتے ہوئے رات کے نو بج کر پچیس منٹ ہوگئے۔ اس وقت تیسری دفعہ روح کی خوشبو ہمارے درمیان تھی لیکن اس دفعہ قابل ذکر بات یہ تھی کہ خوشبو کی آمد سے چند منٹ پہلے میں نے اس کی آرزو کی تھی۔ اب کہ خوشبو کا وقفہ تقریباً 9 منٹ تھا اور یہ مشاہدہ پہلے تجربات سے زیادہ مسحور کن تھا جس میں شک کی کسی طرح گنجائش نہ تھی۔

Marfat.com

18 اکتوبر 1981ء کی صبح ٹرین ساہیوال کے قریب پہنچ چکی تھی ہم نماز سے فارغ ہو چکے تھے، والدہ صاحبہ سے میں نے تھوڑی دیر پہلے سیٹ بدل لی اور اب میں کھڑکی کے بالکل پاس تھا۔ میرے سامنے والی سیٹ پر مسز اسلم خان اور مسز تمیز الدین بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتاً مجھے ایسا لگا کہ میرے سامنے خوشبو کا ایک گولہ آکر ٹھہر گیا ہے اور میرے دل و دماغ میں خوشبو سرائیت کر گئی ہے، میں نے محسوس کیا کہ میرا ماتھا مسحور ہوتا جا رہا ہے، خوشبو سیدھی دماغ پر اثر انداز ہو رہی تھی، اتنی تیز تھی کہ دل چاہتا تھا کہ آدمی اس میں ڈوب جائے، اس سے پہلے مجھے کئی اقسام کے پرفیوم کا تجربہ تھا لیکن یہ سب سے زیادہ مختلف تھی، اس میں گرمی نہیں بلکہ ایک ٹھنڈک اور فرحت تھی۔ یہ ایسا تجربہ تھا جو پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں اس حالت میں گم تھا کہ دوسرے ساتھیوں نے بھی مجھے روح کی خوشبو کی طرف متوجہ کیا لیکن اب میری ملاقات روح کی خوشبوؤ سے دوسروں کے بتانے سے پہلے ہو چکی تھی۔ میری والدہ صاحبہ چپ تھیں۔ جب میں نے ان سے اپنے اس مسحور کن تجربہ کا ذکر کیا تو بولیں کہ میرے پاس تو پہلے بھی کئی دفعہ وہ اسی طرح آ چکے ہیں۔ اس تجربہ کے بعد میں سو فیصد مطمئن ہو چکا تھا کہ یہ خوشبو کسی اور ذریعہ سے نہیں بلکہ واقعی میرے والد صاحب کی روح کی خوشبو تھی جو چلتی ٹرین میں بھی ہمیں ملنے آ رہی تھی۔

مورخہ 18 اکتوبر 1981ء کو صبح ½ 10 بجے ٹرین لاہور پہنچ گئی۔ ہمارے رشتہ دار اور دوست ریلوے اسٹیشن پر استقبال کے لئے آئے ہوئے تھے، یہ ایک رقت آمیز منظر تھا، چہروں پر غم کی تحریر صاف ظاہر تھی۔ وہ جن کا بیتابی سے انتظار ہو رہا تھا آج وہ ان میں نہ تھا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں کیے ہوئے ان کے وعدہ کی لاج رکھنا تھی کہ انہیں آزمائش میں ڈالنے کی بجائے اپنے پاس ہی بلا لیا۔

مورخہ 18 اکتوبر 1981ء کو مغرب کی نماز کے بعد تعزیت کیلئے آنے والے عزیزوں کے درمیان بیٹھا تھا کہ ساڑھے سات بجے لاہور میں پہلی بار ان کی روح کی خوشبو کو محسوس کیا گیا۔ اگلی صبح 19 اکتوبر 1981ء کو گھر کی بیٹھک میں مرحوم کے قریبی دوست جن میں چوہدری رحمت اللہ بھی تھے، بیٹھے تھے کہ دوبارہ ان کی روح کی خوشبو کی آمد ہوئی۔ اس پر چوہدری صاحب زار و قطار رونے لگے، اس کے تھوڑی دیر بعد اندرونِ خانہ سے اطلاع آئی کہ جس کمرے میں میری بہن نرگس بانو دوسری عورتوں کے ساتھ بیٹھی تھیں وہاں بھی خوشبو کا ظہور ہوا لیکن ان دو تین واقعات میں ایک خاص قابل غور بات یہ تھی کہ اب کے خوشبو اتنی زیادہ تیز نہیں تھی اور اس کا وقفہ بھی چند منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔

ہمارا گاؤں ضلع شیخوپورہ میں موضع لاگر ہے، والد صاحب کی زمین بھی یہیں ہے۔ 1961ء تک ہم سب وہیں رہتے تھے لیکن بعد میں بچوں کی تعلیم کی خاطر اور گاؤں کے جھگڑے فساد سے بچنے کے لئے وہ لاہور منتقل ہو گئے تھے لیکن بہر حال گاؤں کے ساتھ ان کا تعلق ہمیشہ ہی بہت مضبوط رہا اور ان کا تقریباً آدھا وقت وہیں گزرتا تھا۔ اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی تھی کہ میری بہن نرگس گاؤں ہی میں اپنے پھوپھی زاد چوہدری عبدالحمید نمبردار سے بیاہی ہوئی تھی۔ ان کا قیام ہمیشہ نرگس کے پاس ہی ہوتا تھا۔ اس نے ان کے آرام اور عبادت کیلئے ایک کمرہ مخصوص کیا ہوا تھا۔ والد صاحب گاؤں میں برادری، غیر برادری، امیر غریب، چھوٹے بڑے سب سے نہایت پیار محبت رکھتے تھے اور لوگ بھی ان کے اس خلوص کی اسی طرح قدر کرتے تھے۔

اس تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب آپ مندرجہ ذیل واقعہ پر غور فرمائیں۔ 20 اکتوبر کو چوہدری عبدالحمید کے ساتھ میں اور میرے

بھائی دن کے تقریباً ایک بجے گاؤں پہنچے کہ وہاں کے لوگ ہمارے ساتھ وہیں تعزیت کرلیں اور انہیں فرداً فرداً لاہور آنے کی زحمت نہ کرنا پڑے۔
ہم سیدھے حمید صاحب کے گھر ہی پہنچے جو ایک حویلی نما گھر ہے جس میں مردانہ حصہ زنانہ حصہ سے علیحدہ ہے۔ گھر پچھلے کئی دنوں سے بند پڑا تھا، جاتے ہی کھڑکیوں کو کھولا گیا اور مردانہ حصہ کے برآمدہ میں دریاں بچھادی گئیں۔ مسجد میں چونکہ اعلان ہو چکا تھا اس لیے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ یہ ایک بج کر پینتالیس منٹ کا وقت تھا کہ ہم برآمدہ کے اس حصہ میں بیٹھے تھے جو والد صاحب کے مخصوص کمرہ کے ساتھ ملحقہ ہے اور کمرہ اور دروازہ برآمدہ میں کھلتا ہے۔ برآمدہ میں اس وقت چوہدری عبدالغفور نمبردار، آصف علی، ظفر علی، فیروز خان، جان محمد، عبدالحمید، میر زماں اور دیگر افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے گاؤں والوں کی عادت ہوتی ہے دو تین حقے بھی چل رہے تھے۔ اس ماحول میں والد صاحب کی روح کی خوشبو ہمارے درمیان پہنچ گئی۔ خوشبو کی نوعیت بالکل وہی تھی جس کا تجربہ مجھے ٹرین اور لاہور میں کئی بار ہو چکا تھا لیکن اس دفعہ یہ پھر بڑی مسحور کن تھی اور شدت میں تیزی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ خوشبو کا گولہ لوگوں کے درمیان فرداً فرداً ہر ایک سے مل رہا ہے۔ روح کی اس ملاقات سے چوہدری عبدالغفور پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے خوشبو کی پہلی لپٹ پر وقت نوٹ کرلیا۔ اب کے یہ سلسلہ پورے 13 منٹ تک جاری رہا جو کے غیر معمولی وقفہ تھا۔

یہاں ایک قابل غور بات یہ بھی ہے کہ انسانی حواس پر عام خوشبو آنے کے تھوڑی دیر بعد اس کا احساس پھیکا پڑ جاتا ہے اور ناک بے حس ہو جاتی ہے لیکن 'روح کی خوشبو' کچھ ایسی ہے کہ اسے متواتر محسوس کرنے سے بھی ناک بے حس نہیں ہوتی اور خوشبو کا اثر ذہن کے اندر محسوس ہوتا ہے۔ میرا چھوٹا بھائی آصف علی (مرحوم) ایک شکی مزاج شخص تھا اور ان کیلئے خوشبو کا یہ تجربہ پہلا تھا لہٰذا انہوں نے ادھر ادھر کھوج لگانا شروع کردی کہ ہو نہ ہو یہ کسی مادی ذریعہ سے آرہی ہو لیکن وہاں کوئی مادی ذریعہ ہوتا تو اس کو ملتا۔ آصف علی کی تجسس کی عادت کو جانتے ہوئے چوہدری غفور خان کہنے لگے کہ "میاں! یہاں گاؤں میں خوشبو کہاں، ہاں بو جتنی چاہو مل سکتی ہے۔ یہاں تو لوگ ہفتہ ہفتہ نہاتے نہیں، اردگرد مال مویشی کے تھان ہیں، حقے چل رہے ہیں، اگر کوئی شہری گھر ہوتا تو پھر بھی شک کی کوئی گنجائش تھی کہ لوگ شہروں میں پرفیوم وغیرہ کا استعمال کرتے ہیں لیکن یہاں گاؤں میں کسی مخصوص خوشبو کا امکان ناممکن ہے۔ یہ واقعی ان کی روح کی خوشبو ہے جو ہمیں ملنے آئی ہے بلکہ یہ پیغام دے رہی ہے کہ دیکھو آدمی مرنے کے بعد ختم نہیں ہو جاتا۔"

گاؤں میں دن بھر یہی باتیں ہوتی رہیں۔ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر حیران تھے اور اس بات کا شکر بھی ادا کر رہے تھے کہ انہیں موت کے بعد زندگی کا ثبوت مل گیا ہے اور اس بات پر خوش بھی تھے کہ ان کا بھائی دوسرے جہاں سے انہیں ملنے آیا ہے۔

اسی شام ہم دوبارہ لاہور پہنچ گئے۔ کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا، تعزیت والے دور نزدیک سے آتے رہے اور یونہی اگلا دن بھی گزرنے کو تھا۔ یہ 21 اکتوبر کی اداس شام تھی، میری بہن نثار بانو جن کے میاں ان دنوں ایئرفورس میں آفیسر تھے اور پشاور میں رہتے تھے ان کی روانگی تھی، بڑا ہی رقت آمیز منظر تھا کہ اباجی مرحوم آج اپنی بیٹی کو الوداع کہنے والوں میں موجود نہیں تھے۔ میں نے ان سب کو اسٹیشن چھوڑنے کیلئے کار میں بٹھالیا، میری والدہ صاحبہ اور میری بیوی نسیم کیفی اور گھر کے دوسرے افراد کے علاوہ کچھ مہمان بھی باہر برآمدہ میں غمگین کھڑے تھے۔ جب میں بہن کو ریلوے اسٹیشن چھوڑ کر واپس آیا تو میری بیوی نے جو سائیکالوجی میں ماسٹر کی ڈگری رکھتی ہیں بتایا کہ جیسے ہی کار گیٹ سے باہر نکلی ہمارے درمیان

Marfat.com

اباجی کی روح کی خوشبو آ گئی اس کا احساس ہمیں ایک نہایت تیز خوشبو سے ہوا، جو بھی لوگ محسوس کر رہے تھے۔ خوشبو کا یہ تجربہ میری بیوی کیلئے پہلی دفعہ تھا۔ اس لیے پہلے جتنے واقعات ہوئے یہ ان کی تاویل موت پر لاشعور کے ردِّعمل سے کرتیں لیکن اس واقعہ کے بعد انہوں نے اپنی رائے بدل لی۔ ان کے خیال میں یہ خوشبو کسی اعلیٰ قسم کی اگربتی کی خوشبو سے ملتی جلتی تھی لیکن اس میں دھویں کی آمیزش نہیں اور نہ یہ آنکھوں کو چبھتی تھی اور نہ ہی دماغ پر بوجھل تھی بلکہ یہ نہایت ہی خوش کن اور اطمینان بخش خوشبو تھی۔

22 اکتوبر اسلام آباد کیلئے ہماری روانگی کا دن تھا۔ میں اور میرے بچے گھر سے باہر سب کو الوداع کہہ رہے تھے، رات والے واقعہ سے متاثر ہو کر میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اباجی ہمیں بھی الوداع کہنے آئیں گے بلکہ اباجی کی خصوصی محبت اور توجہ سے میں تو اسے اپنا حق سمجھتا تھا۔ میرے بچے بھی ان کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، لیکن وہ تشریف نہ لائے، چنانچہ ہم نے سب کو الوداع کہا اور کار میں روانہ ہو گئے۔ گھر سے ابھی پانچ منٹ ہی دور ہوں گے کہ ہمیں ایک ضروری کام کیلئے واپس آنا پڑا۔ ابھی تک تمام اہل خانہ وہیں باہر گیٹ پر ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ جیسے ہی آپ گھر سے نکلے اباجی کی روح آ گئی اور ابھی تک یہیں ہے اس لیے ہم بھی اندر نہیں گئے۔ میں نے گاڑی سے اتر کر روح کی خوشبو کے اس احساس کو اسی طرح پایا۔

22 اکتوبر سے 12 دسمبر تک جب میں روح کی خوشبو کے ان واقعات کو کتابی شکل میں لکھ رہا تھا، اسلام آباد میں بھی روح سے میری ملاقات دو تین دفعہ ہوئی۔ ان میں حیران کن واقعہ وہ ہے جب ایک دن رات کو سوتے ہوئے مجھے خواب میں ایسے لگا کہ والد صاحب میرے اوپر جھکے ہوئے ہیں اور مجھے کہہ رہے ہیں اٹھو، ان کے اس حکم پر میری آنکھ کھل گئی اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہی مسحور کن خوشبو میرے بستر پر تھی۔ میں نے ان کو السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہا اور اٹھ کر باہر لابی میں آ گیا، وہاں میرا منجھلا بیٹا احمد جو اس وقت نو سال کا تھا، پہلے سے کھڑا تھا۔ آدھی رات کو وہاں دیکھ کر پریشان ہوا اور وجہ پوچھی، جس پر احمد نے بتایا کہ اس کے دانت میں درد ہو رہا ہے۔ اب تک میرے ذہن میں یہ سوال ہے کہ اباجی کیا مجھے صرف یہ بتانے آئے تھے کہ احمد کے دانت میں تکلیف ہے یا کوئی اور وجہ تھی؟

اسی دوران دو تین دفعہ والدہ صاحبہ کو بھی ان کی روح کی خوشبو کا احساس ہوا لیکن اب یہ واقعات دو تین ہفتہ بعد ہی پیش آتے اور روح کے قیام کا وقفہ بھی پہلے کی نسبت بہت مختصر ہوتا گیا، شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارا غم ہلکا ہو رہا تھا اور ہمیں اب ان کی ذاتی تسلی و تشفی کی ضرورت نہیں تھی یا عالم برزخ میں ان کی مصروفیات بڑھتی جا رہی تھیں، بہرحال وقت کے ساتھ یہ تسلسل کم سے کم ہوتا گیا اور تین چار ماہ کے بعد تو ان کا آنا تقریباً بند ہو گیا۔

15.5 قبر کے حساب کا ایک عجیب واقعہ

والد صاحب کی روح کی خوشبو کے اس طرح کے واقعات کا سلسلہ تقریباً مارچ 1982ء تک چلتا رہا اور پھر اچانک بند ہو گیا۔ جس پر

ہماری والدہ سمیت بھائی، بہن حیران بھی تھے اور پریشان بھی کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ کوئی تین ماہ بعد لاہور میں ہمارے محلّہ میں عبدالرحمٰن نامی شخص کی بیگم صاحبہ کو والد صاحب خواب میں اس حالت میں نظر آئے کہ ان کے ہاتھوں کو ہتھ کڑی لگی ہوئی تھی اور منہ ٹیپ چپکا کر بند کیا ہوا تھا اور ان کے ساتھ دو آدمی تھے جو انہیں پکڑے ہوئے تھے۔ عبدالرحمٰن صاحب کی بیگم نے عالم خواب ہی میں گھبرا کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے؟ تو ان کے ساتھیوں نے بتایا کہ اس شخص نے تمہیں ایک بار برا بھلا کہا تھا اور یہ اسی گناہ کی پاداش میں پکڑا گیا ہے۔ عبدالرحمٰن کی بیوی بتاتی ہیں کہ میں نے پوچھا کہ انہوں نے میرا کون سا جرم کیا ہے؟ جس کے جواب میں ان دو میں سے ایک شخص نے کہا کہ تمہیں یاد نہیں کہ اس آدمی نے ایک دفعہ تمہیں برا بھلا کہا تھا۔

واقعہ یوں تھا کہ والد صاحب پنچائیت کے ذریعے لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ 1972ء کی بات ہے کہ مذکورہ عبدالرحمٰن اور ان کی بیگم اپنے کرایہ دار کے خلاف اپنا جھگڑا لے کر ان کے پاس آئے۔ اگرچہ قصور کرائے دار کا تھا لیکن والد صاحب نے وقتی مصلحت کی خاطر بیگم عبدالرحمٰن کو کہا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے اور پنچائیت میں اسے ڈانٹ دیا۔ جس پر وہ بیچاری اپنی مجبوری پر بہت پریشان ہوئی اور روتی رہی۔ اس واقعہ کے دس سال بعد جب والد صاحب کی وفات ہوئی اور قبر میں حساب کتاب ہوا تو حقوق العباد کی اس کوتاہی پر وہ پکڑے گئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں بیگم عبدالرحمٰن صاحبہ سے معافی مانگنے کی اجازت دی۔ (استغفر اللہ)

فرشتوں کی بات سن کر بیگم عبدالرحمٰن کی آنکھ کھل گئی اور دونوں میاں بیوی نے مصلّی پر اللہ تعالیٰ کے سامنے رو رو کر انہیں معاف کر دیا۔ اگلے دن وہ پھر خواب میں نظر آئے لیکن اب کے وہ آزاد اور خوش وخرم تھے۔ انہوں نے بیگم عبدالرحمٰن کا شکریہ ادا کیا اور یہ بھی کہا کہ ان کے گھر والوں کو یہ واقعہ بتائیں اور خوشخبری بھی دیں کہ "میرے رب نے مجھے معاف کر دیا ہے اور عصر کی نماز کے وقت میں گھر آؤں گا" چنانچہ والدہ صاحبہ اور باقی رشتہ دار انتظار میں اکٹھے ہوگئے۔ عین عصر کی اذان کے ساتھ گھر ان کی روح کی مخصوص خوشبو سے بھر گیا۔ اس واقعہ کے بعد خوشبو کے ذریعہ ان سے ملاقات کا سلسلہ کم سے کم تر ہوتا گیا اور پھر بالکل ختم ہوگیا۔ ایسے لگتا ہے کہ دوسرے جہاں کی مصروفیتوں میں وہ اس قدر مگن ہیں کہ اب آنے کا وقت نہیں۔

15.6 چند سوالات اور تجزیہ

میں نے والد مرحوم کی روح کے متعلق واقعات کو نہایت تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا کہ بعض اوقات چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی محقق کیلئے بہت مفید ہوسکتی ہیں مثلاً یہی بات کہ بہن یا میری روانگی کے وقت ان کی روح اس وقت پہنچی جب ہمیں گھر سے روانہ ہوئے چند منٹ ہو چکے تھے اس سے شاید یہ کہا جاسکتا ہے کہ روح کا علم بھی فوری نہیں اور اسے پہنچنے کیلئے بھی کچھ وقت چاہیے۔ روحیں بھی زمان ومکان کی پابند ہیں۔

اس معاملہ میں یہ کہنا مشکل ہے کہ روح کہاں سے آتی ہے، کیا یہ اپنی قبر والی جگہ سے چلتی ہے یا کسی اور جگہ سے جو کہ عالم بالا میں ہے؟ اور پھر اس کے پہنچنے کی رفتار کیا ہے؟ کیا یہ روشنی کی رفتار یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سے مسافت طے کرتی ہے یا اس سے کم یا زیادہ۔ بہر حال چلتی

Marfat.com

ٹرین اور ہوائی جہاز میں ان کی آمد سے یہ بات ظاہر ہے کہ اس کی رفتار ان سے کہیں زیادہ ہے۔ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ والد مرحوم کی روح کو ہماری روانگی کے وقت اور مقام کا پتا کس طرح چلتا تھا؟ کیا ان کے علم کا ذریعہ براہ راست ہے یا بلواسطہ ہے؟ یا وہ وہیں ہوتے تھے صرف اظہار کیلئے ہمارے دماغ کے خوشبو والے خلیات کو متاثر کرتے تھے؟

ان سوالات کے علاوہ سب سے زیادہ عجیب بات خوشبو کی ہے۔ اگر ہم خوشبو کی طبیعاتی ماہیت پر جائیں تو اس کا متحرک وہ کیمیکل ہوتا ہے جو خوشبودار جسم سے نکل کر ہماری ناک کے حساس حصوں کو متاثر کرتا ہے۔ خوشبو کسی پھول سے آئے، پرفیوم سے آئے یا جانور سے آئے، ہر حال میں یہ ان مالیکیول کی محتاج ہے جن کی خاصیت ناک میں خوشبو کے احساس کو پیدا کرنا ہوتا ہے۔ یہ مالیکیول ناک کے حساس پردوں سے ٹکرا کر بجلی کی لہروں کو جنم دیتے ہیں جو دماغ کے مخصوص حصوں میں پہنچ کر ہمیں خوشبو کے احساس سے آگاہ کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے خوشبو کو پیدا کرنے والے ذرائع مادی ہیں اور دماغ میں اس کا احساس اجاگر کرنے کا ذریعہ توانائی ہے۔

اگر روح کوئی مادی جسم نہیں ہے تو پھر خوشبو کا یہ احساس جو سراسر مادی احساس ہے کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ روح بلاواسطہ دماغ پر اثر کر کے خوشبو کے احساس کو پیدا کرتی ہے لیکن اس تاویل میں ایک مشکل یہ ہے کہ جب بھی والد مرحوم کی روح آتی تو ماحول بھی معطر ہو جاتا اور روح کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر تک خوشبو کا اثر رہتا تھا۔ اس سے تو یوں لگتا ہے کہ یہ روح ماحول کو بھی متاثر کرتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ روح اپنی توانائی کے اثر سے ہوا کے اجزاء کو ہی اس طرح بدل دیتی ہو کہ وہاں پر خوشبو کے اجزاء پیدا ہو جائیں لیکن بعض مشاہدات ایسے بھی ہوئے جب ان کی خوشبو گولہ کی مانند پھرتی ہوئی محسوس ہوئی جب کہ بند کمرہ میں ہوا پرسکون ہوتی تھی۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقیقت کچھ بھی نہیں تھی اور یہ سب ہمارا لاشعور کا کھیل ہے لیکن اس مسئلہ کو سائیکولاجیکل اس لیے نہیں کہا جا سکتا ہے کہ خوشبو کی حدت اکثر اوقات بہت تیز ہوتی تھی اور پھر اس کو محسوس کرنے والے گھر کے قریبی افراد کے علاوہ وہ افراد بھی تھے جن کو مرحوم کی موت سے کوئی خاص ذہنی صدمہ نہیں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ واقعہ ایک جگہ نہیں بلکہ کم و بیش بیس مختلف مقامات پر پیش آیا جن کا پھیلاؤ سعودی عرب سے لیکر پاکستان کے دیہات، شہروں، ہوائی جہاز اور ریل گاڑی کے اندر تک ہے، اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ روح کے ان واقعات کے گواہ عقل و شعور کے مالک پڑھے لکھے لوگ ہیں جو آسانی سے کسی فوق الفطری واقعہ کو ماننے کیلئے تیار نہیں تھے، اس لیے وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ روح کے یہ واقعات کسی طرح کے سائیکولاجیکل اثرات کی وجہ سے نہیں تھے بلکہ ایک زندہ حقیقت کی وجہ سے ہیں جس نے اپنے ہونے کا ثبوت بار بار دیا۔

15.7 کچھ اور لوگوں کی روحوں کی خوشبو کے واقعات

ابھی تک میرے سامنے جو شواہد پہنچے ہیں ان سے ایک بات یقینی ہے کہ روح کی خوشبو کے جو واقعات میں نے پیش کیے ہیں اگرچہ نہایت عجیب و غریب ہیں لیکن اپنی نوعیت میں بالکل منفرد بھی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے علم میں بھی ایسے کچھ واقعات آ چکے ہوں۔ والد صاحب کی

Marfat.com

وفات کے بعد جب روح کی خوشبو کی بات عام ہوئی تو کچھ دوستوں نے مجھے اسی نوع کے اور واقعات بھی بتائے۔ ذیل میں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جارہا ہے جن کے بارے میرے نزدیک شک وشبہات کی گنجائش بہت کم ہے۔

1۔ عبدالستار گل ایڈووکیٹ چک نمبر 100/ب ج اپنے نانا صاحب کی وفات کا واقعہ لکھتے ہیں کہ 'نانا مرحوم نماز وروزہ کے پابند، انتہائی سادہ اور ایماندار تھے، ساری عمر رزق حلال کیلئے تگ ودو کرتے رہے، حال یہ تھا کہ مال مویشی گاؤں سے مربعہ اور مربعہ سے گاؤں کو جب لاتے تو چھوٹے بڑے تمام جانوروں کے منہ پر چھکے چڑھا دیتے کہ غیروں کے کھیتوں سے چارے کا تنکا تک بھی نہ کھا سکیں۔ پورا گاؤں شاہد ہے کہ جب ان کی وفات ہوئی تو ان کی قبر سے خوشبو آرہی تھی'۔

2۔ دوسرا واقعہ مجھے جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب، پنجاب کالونی لاہور نے تحریر کیا جو میرے والد صاحب کے حج کے ساتھی اور خوشبو کے کچھ واقعات کے شاہد بھی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ 'میں چوہدری صاحب مرحوم کی وفات کے بعد ان کے منیٰ کے خیمہ اور پھر مکہ مکرمہ میں ان کی روح کی خوشبو کے واقعات کا گواہ ہوں اور میرے لیے روح کی خوشبو کا یہ دوسرا واقعہ ہے۔ اس سے پہلے میری ایک معصومہ عزیزہ کا انتقال اچانک ہو گیا تھا اور اس موقع پر بھی بالکل ایسی ہی خوشبو آئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ جب کسی معصوم اور نیک آدمی کی وفات اچانک ہو جائے تو بعض اوقات ان کی روحیں اپنے لواحقین کی تسلی کیلئے تشریف لاتی ہیں اور اپنی آمد کا اظہار خوشبو کے ذریعہ کرتی ہیں'۔

3۔ بیگم تمیزالدین اسلم جو خود بھی والد صاحب مرحوم کی حج کی ساتھی تھیں بتاتی ہیں کہ 'میری زندگی میں پہلے بھی چند بار اس طرح کے تجربات پیش آئے ہیں مثلاً میرے ایک عزیز رشتہ دار کا جو نہایت ہی نیک اور پرہیزگار بزرگ تھے جب فوت ہوئے تو کچھ دنوں تک ان کی خوشبو بھی آتی رہی'۔

4۔ اس طرح کے کچھ واقعات مجھے قریشی مسجد سلمان پارک، باغبان پورہ لاہور کے قاری صاحب نے بتائے۔ انہوں نے بتایا کہ 'مولانا احمد علی مرحوم ومغفور کا واقعہ بہت مشہور ہے، آپ ایک بلند پایہ عالم اور ولی اللہ تھے جنہوں نے اسلام کی تبلیغ اور اشاعت میں بڑی کوشش کی، جب مولانا احمد علی کی وفات ہوئی تو جنازہ کے وقت ماحول کسی خاص خوشبو سے معطر ہو گیا جو دنیا کی خوشبوؤں سے علیحدہ ہی نوعیت کی تھی۔ اس کے بعد ان کی قبر سے بھی خوشبو آتی تھی اور سینکڑوں لوگ جو اس واقعہ کے گواہ ہیں آج بھی لاہور میں موجود ہیں'۔ انہی قاری صاحب نے مجھے ایک بزرگ 'اللہ بندے' مرحوم کے متعلق بتایا جن کی وفات چند سال پہلے لاہور کے نواحی علاقہ قصور میں ہوئی۔ 'یہ بھی ایک نہایت نیک اور پرہیزگار ہستی تھی، ان کی قبر سے بھی خوشبو اٹھتی تھی۔ چونکہ لوگ قبر کی مٹی کو تبرک سمجھ کر لے جاتے تھے جس کی وجہ سے ان کے بیٹوں اور لواحقین کو تکلیف ہوتی تھی، چنانچہ تنگ آکر انہوں نے دعا کی کہ اللہ خوشبو کا یہ سلسلہ بند کر دے، اس کے بعد قبر کی مٹی سے خوشبو آنا بند ہو گئی'۔

Marfat.com

15.8 روح کی خوشبو ﴿احادیث میں سے واقعات﴾

روحوں کی خوشبو کے واقعات نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث اور اصحابہ کرامؓ کی روایات میں بھی ملتے ہیں۔ مندرجہ ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جارہا ہے۔ یہ واقعات میں نے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کی کتاب 'جمال الاولیاء' سے لیے ہیں۔

1۔ ابن سعد نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قبر کھودی تھی جب ہم مٹی کھودتے تھے تو ہمیں مشک جیسی خوشبو کی لپیٹیں آتی تھیں'۔

2۔ ابن کثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ 'حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیٰ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے جنگ بدر میں زخمی ہوئے اور اس زخم کی وجہ سے شہید ہوگئے بیان کیا گیا ہے کہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ کے بعد جب حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مع اصحابہؓ کے یہاں سے فروکش ہوئے تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم مشک کی خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مضائقہ ہے یہاں عبیدہ بن الحارث کی قبر ہے'۔

3۔ شیخ علوان حموی نے اپنی کتاب 'نعمات الاسحار' میں لکھا ہے کہ 'جب حجاج بن یوسف نے حضرت عبداللہ بن زبیر کو سولی دے کر شہید کیا تو لوگ مشک کی خوشبو محسوس کرتے تھے اور اہل شام میں اس کی وجہ سے ایک فتنہ کھڑا ہوگیا تھا'۔

غرضیکہ وفات کے بعد روح کی خوشبو کے واقعات ہمیشہ سے مسلمانوں کے مشاہدہ میں آتے رہے ہیں اور اس لحاظ سے والد صاحب مرحوم کی روح کا واقعہ اپنی نوعیت کا کوئی خاص واقعہ نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں نے بحیثیت ایک سائنسدان اور انجینئر کے اپنے طور پر اس کے تمام پہلوؤں پر غور کیا اور مشاہدات تحقیقی نظر سے تجزیہ کیا اور گواہین تک باقاعدہ رسائی کی، ان سے زبانی اور تحریری بیانات حاصل کیے تاکہ ایسے غیر معمولی واقعہ کیلئے ٹھوس شواہد موجود ہوں۔ اسی طرح والد صاحب مرحوم کی روح کے آنے جانے اور خوشبو کے احساس کو ایک ٹھوس سائنسی تجربہ کی حیثیت سے مطالعہ کیا اور لوگوں کے سامنے ایک مذہبی فریضہ سمجھ کر 1982ء میں کتاب 'روح کی خوشبو' لکھ کر پیش کردیا۔

باب نمبر 17

خوش بخت نفوس اور بد بخت بھوت

17.1 موت کے بعد نفوس کے مقامات

ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ مرنے کے بعد روحیں ایک پردہ کے پیچھے چلی جاتی ہیں جسے قرآن کریم میں برزخ کا نام دیا گیا ہے لیکن یہ مقام کوئی دور نہیں بلکہ یہیں کہیں ہے یعنی اگر زندگی دن ہے تو موت رات ہے بس شخصیت کی دو حالتیں ہیں۔ پہلی زندگی کی جسمانی حالت ہے اور دوسری اس کی روحانی حالت ہے۔ جیسے پانی کبھی مائع ہوتا ہے اور کبھی بھاپ، کبھی پتھر کی طرح سخت لیکن ہر صورت میں وہ ہوتا پانی ہی ہے۔ اپنی مائع حالت میں وہ ضرور کسی نہ کسی برتن کا مقید ہوتا ہے۔ گیس کی حالت میں وہ آزاد ہے جہاں چاہے نکل جائے جب کہ ٹھوس حالت میں وہ برتن کے بغیر بھی مقید ہے۔ موت کے بعد نفس کا مقام اور اس کی اڑان کا انحصار دنیاوی حیات میں اس کی کیفیت پر ہے کہ اس نے کیا کیا، کیا سوچا، ہر چیز ہی اس کی نشو ونما کو متاثر کرتی ہے۔ جیسے ہماری غذا ہمارے جسم کی نشو ونما کرتی ہے اسی طرح ہمارے اعمال اور خیالات سے ہمارے نفوس کی نشو ونما ہوتی ہے۔ صحیح ایمان اور عمل نفس کو علیین کی بلندیوں تک لے جاتا ہے جب کہ باطل اعمال اور سفلی خواہشات کے بوجھ سے نفس اٹھنے چلنے کے قابل بھی نہیں رہتا اور موت کے بعد زمین پر مایوس سرگرداں رہتا ہے۔ ایسے ہی سرگرداں نفوس کو بھوت کہا جاتا ہے۔ ان میں اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی ہے۔ شاید روحوں کے بلانے کے واقعات کا تعلق بھی بھوتوں ہی سے ہوتا ہو۔ (واللہ اعلم اصواب)

جیسا کہ اگلے صفحات کی تفصیلات سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم سے پتا چلتا ہے کہ موت کے بعد لوگ مندرجہ ذیل کیفیات میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔

1۔ وہ جو براہ راست جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

2۔ وہ جو عالم برزخ میں کائنات کی سیر کے مزے لیتے ہیں۔

3۔ وہ جن پر قیامت تک نیند طاری ہو جاتی ہے۔

4۔ وہ بد قسمت جو اسی زمین پر حسرت اور مایوسی کے عالم میں بھوت بن کر پریشان اور گرفتار ہیں۔

5۔ سیدھے دوزخی نفوس

قیامت سے پہلے نفوس کی ان کیفیات کے بارے میں عمومی قانون سورۃ البقرۃ کی آیتِ مبارک 286 میں درج ہے۔فرمایا:۔

"اللّٰہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، اس کیلئے وہ جو اس نے کمایا اور اس پر وہی (اثرات) ہیں جو اس نے کمایا"۔
سورۃ البقرۃ،آیت286

اس آیہ مبارک کی تشریح میں تفسیر رفاعی کے مفسر حافظ سعید احمد رفاعی لکھتے ہیں کہ "انسان جو عمل بھی کرتا ہے اس کے اچھے برے اثرات اس کے باطن پر اس طرح مرتب ہوجاتے ہیں جس طرح غذا کے اثرات جسم پر مرتب ہوجاتے ہیں جب انسان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے اور جسم فنا ہوجاتا ہے اور روح مجرد عن المادہ ہوتی ہے اس وقت برے اثرات اسے اذیت پہنچاتے ہیں"۔

یوں انسان پر قیامت سے پہلے دو دور آتے ہیں ایک دنیاوی زندگی کی مدت اور دوسرے عالم برزخ کی مدت۔ان کے متعلق سورۃ الانعام کی آیت 2 میں ارشاد ہے کہ:۔

"وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تمہارے لیے زندگی کی ایک مدت مقرر کردی، اور اس کے بعد ایک دوسری مدت بھی ہے، جو اس کے ہاں طے شدہ ہے، مگر تم لوگ جوکہ شک میں پڑے ہوئے ہو"۔ سورۃ الانعام، آیت2

زندگی کی مدت گزرنے کے بعد جس دوسری مدت کا ذکر فرمایا گیا ہے یہ عالم برزخ کی زندگی ہے۔واقعی اس کے متعلق انسان شک میں پڑا ہوا ہے۔اس کے بعد قیامت ہے اور پھر یوم الدین اور پھر جزا یا سزا کا دور ہے۔اس مضمون میں ہمارے زیر بحث مسئلہ موت کے بعد برزخی زندگی ہے۔قرآن کریم، احادیث طیبہ اور سائنسی اور غیر سائنسی مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد اپنی برزخی حالت میں نفس مندرجہ ذیل صورتوں میں زندہ رہتا ہے۔

17.2 نفس مطمئنہ

یہ اعلیٰ ترین حالت ہے یہ وہ نفوس ہیں جو دنیاوی حیات کے دوران اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ "وہ اس سے راضی اور وہ اس سے راضی"۔یہ ان کا معاملہ ہوتا ہے۔مرنے کے فوری بعد ان کے نفوس کیلئے جنت کا فیصلہ ہوجاتا ہے۔ ان میں نبیین، صدیقین، صالحین اور شہداء

شامل ہیں۔ان خوش قسمت لوگوں کو جنت کیلئے یوم الدین کا انتظار نہیں کرنا پڑتا بلکہ موت ان کیلئے جنت کا دروازہ ہے۔ایسے نفوس کی موت کے وقت فرشتے اس کو خوشخبری سناتے ہیں۔

''اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف واپس ہوجا، تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی ہے، (اللّٰہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میرے خاص بندوں میں داخل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ سورۃ الفجر، آیات 30-26

ایسے ہی ایک نفس مطمئنہ کا واقعہ سورۃ یٰسین میں بیان فرمایا گیا ہے۔اس عظیم انسان کو کافروں نے حق کی گواہی دینے پر شہید کردیا لیکن وہ اپنی شہادت کے بعد بھی اپنی کافر قوم کا خیر خواہ ہے۔ان لمحات کی کہانی قرآن کریم مندرجہ ذیل الفاظ میں دیتا ہے:۔

''جنت میں داخل ہوجائو اس نے کہا! کاش میری قوم جانتی کہ ، میرے رب نے میری کیسے مغفرت کی ، اور مجھے عزت والوں میں سے کیا"۔

سورۃ یٰسین، آیات 27-25

دراصل اللہ تعالیٰ اپنے تمام نیک بندوں کو ایسا ہی انعام عطا فرماتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور جنہیں موت کے وقت فرشتے وصول کرلیتے ہیں، وہ پاک باز بھی ہوں، وہ ان سے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر، داخل ہوجائو جنت میں اس وجہ سے جو تم نیک اعمال کرتے تھے''۔سورۃ النحل، آیت 32

17.3 سیدھے دوزخی نفوس

نفوس مطمئنہ کے مقابلہ میں انتہائی بدنصیب وہ نفوس ہیں جن کو موت کے فوری بعد سزا کا حکم سنا دیا جاتا ہے اور ان پر دوزخ کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔قرآن کریم میں ان کی مثال فرعون اور آلِ فرعون سے دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے باغی تھے۔ایسے لوگوں کی قبریں ہی ان کا عقوبت خانہ بن جاتی ہیں جہاں انہیں صبح شام دوزخ دکھائی جاتی ہے ان کے بارے میں سورۃ المومن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

Marfat.com

"ان کے اوپر صبح شام آگ لائی جاتی ہے ، اور جب قیامت کا دن قائم ہوگا اس وقت حکم ہوگا ، آل فرعون کو شدید تر عذاب کے سپرد کردیا جائے"۔

سورۃ المومن، آیت 46

بدکار لوگوں کیلئے عمومی حکم ہے کہ:۔

"کاش تم دیکھ سکو کہ کیسے فرشتے موت کے وقت ان کے نفوس کو وصول کرتے ہیں؟ وہ ان کے چہروں پر مارتے ہیں اور ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اب آگ کے عذاب کو چکھنے کیلئے تیار ہوجائو، اور یہ عذاب تمہارے بد اعمال کی وجہ سے ہے، جو تم نے اپنے ہاتھوں سے کیے تھے، ورنہ اللّٰہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں"۔ سورۃ الانفال، آیات 51-50

17.4 شہداء کی خصوصی زندگی

برزخ میں جانے والوں میں ایک قابل رشک زندگی شہداء کی ہے۔ یہ وہ خوش بخت نفوس ہیں جو مکمل طور پر آزاد ہوتے ہیں۔ ان کے بارے میں قرآن کریم بڑے واضح طریقہ سے بتاتا ہے کہ وہ اپنی دنیاوی موت کے بعد زندہ ہیں، آزادی سے کائنات میں جدھر چاہیں اڑتے پھرتے ہیں جو چاہیں وہ کھاتے پیتے ہیں اور اپنی اس حالت سے وہ بہت خوش ہیں۔ وہ اپنے نئے مقامات میں دنیا میں پیچھے رہ جانے والے دوستوں کو بھی یاد رکھتے ہیں اور انہیں مل کر خوشخبری دیتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

"اور یہ ہرگز گمان نہ کرنا کہ جو اللّٰہ کی راہ میں قتل ہوگئے ہیں وہ مردہ ہیں ، بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں، اور خوش ہیں اس پر جو اللّٰہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا، اور خوشخبری دیتے ہیں اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو ، جو ابھی ان سے نہیں ملے، ان پر نہ کوئی ڈر ہے اور نہ کوئی غم، وہ اللّٰہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے باعث بہت خوش ہیں، اور اللّٰہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا"۔ سورۃ آلِ عمران، آیت 171-169

Marfat.com

17.5 سوئے ہوئے نفوس

انتہائی خوش نصیب اور انتہائی بدنصیب نفوس کے درمیان اکثریت ان نفوس کی ہے جنہیں ابتدائی حساب کتاب کے بعد سلا دیا جاتا ہے۔اس حالت میں ان پر وقت گزرنے کا احساس نہیں ہوتا بس ایک حالت خواب ہے جس میں اعمال اور اعتقاد کے مطابق خواب برے بھی ہوسکتے ہیں اور اچھے بھی۔ایسے نفوس کے بارے میں قرآن کریم کی سورۃ یٰسین میں ارشاد ہے کہ جب قیامت کو وہ اٹھائے جائیں گے تو انہیں اپنی نیند سے اٹھنا ناگوار ہوگا ان نفوس میں مسلمان اور غیر مسلم سبھی شامل ہوسکتے ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"اور جب پھونکا جائے گا صور تو وہ ناگہاں اپنی قبروں سے ، اپنے رب کی طرف دوڑتے آئیں گے (کہیں گے) اے وائے افسوس! کس نے ہمیں اٹھادیا ہے، ہمارے خواب گاہ سے پھر جلد ہی ان پر وارد ہوجائے گاکہ، یہ تو وہ وعدہ ہے اللّٰہ تعالیٰ کا اور اللّٰہ تعالیٰ کے رسولوں نے سچ ہی بتایا تھا"۔

سورۃ یٰسین، آیات 52-51

یہاں تک یہ بات کہ مرنے کے بعد روح کا جسم سے تعلق رہتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو اٹھارہویں صدی کے ممتاز عالم دین حضرت شاہ ولی اللہ کے بیٹے ہیں اپنے ملفوظات میں لکھتے ہیں کہ اگر چہ مرنے کے بعد جسم خاکستر ہوچکا ہوتا ہے، روح کا تعلق مع الجسم ہر آدمی کیلئے ہے اور یہ تعلق وہاں زیادہ ہوتا ہے جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ تعلق کم ہوتا جاتا ہے۔عموماً تیس سال بعد یہ تعلق بہت کم ہوجاتا ہے مگر اولیاء کرام جن کیلئے خدا تعالیٰ کا فیضان رحمت منظور ہوتا ہے یہ تعلق زیادہ دیر تک باقی رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جگہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے دفن ہوتے ہیں وہاں ان کا فیض بھی جاری رہتا ہے۔(حوالہ محمد موسیٰ "اللہ کی محبت کا نصب العین"۔پبلشر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ حیدرآباد)

17.6 رجال الغیب

اوپر ہم نے دیکھا ہے کہ مرنے والے نفوس میں کچھ ایسے ہیں جو سلا دیے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو عذاب میں ڈال دیے جاتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو سیدھے جنت میں مرجاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو عالمین میں اللہ تعالیٰ کی آیات دیکھنے کیلئے آزاد ہوتے ہیں اور کائنات کے زمان ومکاں کی مختلف جہتوں میں حسب مرضی سیر کرتے ہیں۔

قرآن کریم اور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نفوس میں کچھ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کچھ فرائض سونپ دیتا ہے اور یوں وہ تکوینی امور کی بجا آوری میں فرشتوں کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ شاید انہی روحوں کے بارے میں سورۃ القدر میں فرمایا گیا ہے:۔

"فرشتے اور روح اترتے ہیں اپنے رب کی اجازت سے ہر امر کی طرف"۔ 97(4)

انہی عظیم ہستیوں میں رجال الغیب بھی شامل ہیں جن کی قرآن کریم میں ایک مثال حضرت خضر علیہ السلام کے حوالہ سے دی گئی ہے۔ (حوالہ آیات سورۃ کہف)

17.7 بھوت (Ghosts)

نفوس میں ایک قسم ان بدبختوں کی ہے جو باغی تو نہیں ہوتے لیکن دنیا کی حرص میں اس قدر الجھے ہوتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی ان کو دنیا نہیں چھوڑتی۔ اس لیے انہیں عالم برزخ میں نیند بھی نہیں آتی اور دنیا کی حرص کی وجہ سے وہ اپنی محبت کی جگہوں کے باسی بن کر موت کے بعد بھی وہاں بھٹکتے رہتے ہیں، (سورۃ الاعراف آئت نمبر 176)۔

بھوت بننے والے نفوس کے متعلق قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ مرنے کے بعد بھی اپنی حرص کے تابع زمین کے باسی بن جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"اور اے حبیب! ان کو اس شخص کے احوال سنائو جسے ہم نے اپنی آیات دیں، لیکن وہ ان سے دور نکل گیا پس اس کے پیچھے شیطان لگ گیا، پھر وہ گمراہوں میں سے ہوگیا، اگر ہم چاہتے تو اسے اپنی طرف اٹھالیتے، لیکن وہ تو زمین کا باسی بن گیا اور اپنی حرص کا تابع ہوا"۔ سورۃ الاعراف، آیت 176

آیت مبارکہ کے آخری مصرع پر غور کریں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نہیں اٹھایا بلکہ وہ اپنی حرص اور خواہشات کے تابع ہو کر زمین کے باسی بن گئے انہیں ہی بھوت (Ghost) کہا جاتا ہے۔

ایسے نفوس کی حسرت ناک حالت اور ان کی روحانی کشمکش کا اشارہ سورۃ البقرۃ کی آیت 167-166 سے ملتا ہے۔ اپنی اس حالت میں وہ ان لوگوں سے بھی بیزار ہوتے ہیں جن کی خوشی کیلئے وہ زندہ رہتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

Marfat.com

”وہ لوگ جو تابعداری کرتے تھے (کفر کی) وہ کہیں گے ،”کاش کہ ہم دوبارہ زندگی میں لوٹ جائیں ، تاکہ ہم بھی ان سے اسی طرح بیزار ہوں، جیسے آج یہ ہم سے بیزار ہیں“۔ایسے ہی اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال دکھائے گا ،اور وہ یاس و حسرت میں رہیں گے وہ اس آگ سے نکلنے والے نہیں“۔

سورۃ البقرۃ، آیات 167-166

بھوتوں میں اکثریت سودخور نفوس ہیں جن کی برزخی حیات پاگل مخبوط الحواس لوگوں کی سی ہوتی ہے۔ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ:۔

”وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں وہ اٹھ نہیں سکتے مگر ایسے میں جیسے اٹھتا ہے وہ جسے شیطان نے چھوکر مخبوط الحواس کردیا ہو، یہ اس لیے کہ وہ سود کو بھی بیع کی طرح کہتے تھے“۔سورۃ البقرۃ، آیت275

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ بھوت عام طور پر وہ نفوس ہیں جو دنیا کی حرص اور لالچ میں گرفتار غلط کام کرتے تھے۔ان میں زیادہ تر سودخور کنجوس اور حریص لوگ شامل ہیں جو مرنے کے بعد بھی دنیا کی حرص سے نکل نہیں پاتے۔انہی میں وہ مایوس ذہن بھی ہیں جو خودکشی کر کے اپنی زندگی اپنے ہاتھوں ختم کر لیتے ہیں تب معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ انتہائی غلط کام کیا تھا۔یوں بھٹکنے والے نفوس کے اعمال کی بدی، خواہشات کی بہتات، دنیا سے بہت زیادہ محبت ان کا مرکر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی اور وہ اپنی بے اطمینانی کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔انہیں دنیا کی حرص نے اتنا پاگل کردیا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد بھی انہیں اپنی موت کا یقین نہیں آتا۔یہ نفوس اپنی خواہشات اور مایوسیوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس اتنی سکت بھی نہیں ہوتی کہ وہ کائنات کی سیر کو نکل پائیں نتیجتاً وہ بھوت، چڑیل یا گھوسٹ (Ghost) بن کر زمین پر ہی سرگرداں چکر کاٹتے رہتے ہیں۔یوں اس دنیا میں ہر طرح کے بھوت ہیں۔سود کھانے والے بھوت، خودکشی کرنے والے بھوت، دنیا کے حریص بھوت، ظالموں کے بھوت، گناہ کرتے ہوئے مرنے والوں کے بھوت، غرض بیشمار قسم کے بھوت، قبرستانوں، گھروں، گلیوں، سڑکوں، ہسپتالوں، مارکیٹوں اور ہوٹلوں کے اردگرد حسرتوں میں ڈوبے پریشان حال بھٹکتے رہتے ہیں۔وہ سب کو دیکھتے ہیں لیکن انہیں کوئی نہیں پہچانتا اور یوں شدید تنہائی اور دنیا کھو جانے کے غم کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔

17.8 بھوتوں کے کچھ واقعات اور ان پر جدید تحقیقات

بھوت پریت کو اگرچہ انسان شروع ہی سے مانتا ہے اور بیشمار لوگ ہر سال ان کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، ان کی عجیب عجیب حرکات کو دیکھ

Marfat.com

کر ڈرتے بھی ہیں لیکن ان پر سنجیدہ سائنسی تحقیقات کا آغاز ابھی حال ہی میں ہوا ہے اور اس میں بھی امریکی سائنسدانوں کا کام صفِ اول کی حیثیت رکھتا ہے جس کی کچھ جھلکیاں آئندہ صفحات میں دی جا رہی ہیں۔

ہمارے اپنے ملک پاکستان میں مشہور سول سرونٹ اور دانشور قدرت اللہ شہاب (مرحوم) غالباً وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے بھوتوں کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات تفصیل سے اپنی آپ بیتی "شہاب نامہ" میں لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے رجال الغیب میں سے اللہ تعالیٰ کے کسی برگزیدہ بندے کا بھی ذکر کیا ہے جن کا نام صرف (Ninety) نوے تھا۔ نائنٹی کے ساتھ ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ گزرا۔ وہ ایک طرح سے ان کے غیبی مرشد بھی تھے۔

بھوتوں کے متعلق قدرت اللہ شہاب صاحب کے بتائے گئے واقعات میں سے ایک سے ایک واقعہ حیران کن ہے مثلاً ایک دفعہ جب وہ ڈپٹی کمشنر تھے تو جو گھر انہیں الاٹ ہوا وہاں چیزیں غائب ہو جاتیں، اوپر سے پتھر بھی گرتے، طرح طرح کی خوفناک آوازیں سنائی دیتیں، بجلی کے سوئچ بند کر دیے جاتے، غرض کئی طریقوں سے بھوت ان سے مذاق کرنے کی کوشش کرتے۔ ایک دفعہ رات کو گھنٹی بجی پھر ان کے کمرہ کا دروازہ کھٹکنے لگا، جب وہ باہر آئے تو دروازہ پر انسانی ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ کھڑا تھا، جس کے ہاتھ میں ان کیلئے کچھ ڈاک تھی، جسے وہ انہیں تھما کر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد بعض مقامات پر انہوں نے رات کو کمرے کے اندر پتھر گرنے کے واقعات بھی دیکھے۔ یہ واقعات بڑے خوفناک ہوتے تھے لیکن جب وہ کلمہ طیبہ پڑھتے تو پتھر گرنا بند ہو جاتے۔

قدرت اللہ شہاب صاحب (مرحوم) کے بھوت پریت کے متعلق یہ مشاہدات ان کی طرف سے ایک ٹھوس گواہی ہے۔ ہمارے ملک میں ایسے واقعات بیشمار دوسرے لوگوں کے مشاہدہ میں بھی آتے رہتے ہیں لیکن وہ نہ ہی ان کی اچھی جانچ پڑتال کرتے ہیں اور نہ ہی انہیں سائنسی انداز میں رپورٹ کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں میرے اپنے مشاہدہ میں مندرجہ ذیل واقعات آئے ہیں۔ 1964ء کی بات ہے کہ میں مانچسٹر یونیورسٹی U.K. کا طالب علم تھا۔ اس زمانہ میں BBC ٹیلیویژن پر ایک ایسے گھر کو دکھایا گیا جس میں بھوتوں کا بسیرا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس گھر کی چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ خود بخود چلی جاتی ہیں، چنانچہ پولیس نے BBC کے تعاون سے وہاں TV کیمرے فٹ کر دیے۔ میں نے اپنے TV پر دیکھا کہ کیسے ایک کرسی فضا میں اٹھتی ہے اور دوسرے کمرے میں پہنچا دی جاتی ہے اس طرح ایک بستر کے تکیے فضا میں تیرتے دیکھے گئے۔ بھوت خود تو نظر نہیں آتے تھے لیکن جن چیزوں کو وہ اٹھا کر ادھر اُدھر کرتے تھے وہ ضرور نظر آتی تھیں۔

بھوتوں کا ایک اور واقعہ میرے ایک عزیز دوست کے ساتھ پیش آیا۔ 72-1971ء میں ہم راولپنڈی سیٹلائٹ ٹاؤن، اے بلاک کے ایک گھر میں رہتے تھے۔ ہمارے ہوتے ہوئے تو اس مکان میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہیں آیا تھا لیکن ہمارے بعد جو میرے دوست وہاں آئے وہ سیکولر (Secular) ذہن رکھتے تھے۔ گھر میں تیز میوزک اور کچھ آوازیں بھی لگاتے، وہیں ان کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا جس کے تھوڑے دنوں بعد ہی ان کے گھر میں عجیب و غریب واقعات ہونا شروع ہو گئے مثلاً رات کو میوزک خود بخود چلنے لگ جاتا، کبھی کبھی بچے کے اوپر پانی کے چھینٹے پڑے ہوئے ہوتے۔ لیکن ایک دن ایسا واقعہ ہوا جس نے انہیں واقعی بہت پریشان کر دیا۔ اس وقت صاحب دفتر میں تھے بیگم صاحبہ بچے کو سوتا چھوڑ کر

باورچی خانہ میں کام کر رہی تھیں۔ فارغ ہوکر جب وہ بچے کے پاس آئیں تو ان کی چیخیں نکل گئیں کہ اسے کسی نا معلوم جوان عورت نے اٹھایا ہوا تھا جس کے بال کھلے تھے جیسے ابھی ابھی نہا کر آئی ہو۔ وہ عورت کچھ کہے بغیر بچے کو بیڈ پر لٹا کر نظروں سے غائب ہوگئی۔ میرے دوست نے جب اس واقعہ کا مجھ سے ذکر کیا تو میں نے انہیں عاملوں سے رجوع کرنے کو کہا۔ عاملوں نے معائنہ اور عمل کے بعد بتایا کہ وہاں ایک ہندو عورت کا بھوت ہے جو تقریباً دو سو سال قبل اپنے آشنا کے ساتھ بھاگ گئی تھی اس وقت وہ حاملہ بھی تھی۔ اس جگہ جہاں اب مکان ہے وہ دونوں چھپ گئے لیکن عورت کے وارثوں نے آ کر انہیں قتل کر دیا۔ اس عورت کا تعلق گانے بجانے والے خاندان سے تھا۔ چونکہ صاحب میوزک کے دلدادہ تھے اکثر تو سارا سارا دن میوزک لگا رہتا اس لیے اس عورت کا بھوت بیدار ہوگیا۔ جب اس نے بچہ کو دیکھا تو اس کی اپنی ممتا بھی جاگ اُٹھی۔ عاملوں نے جب اس کے بھوت کو سمجھایا بجھایا تو اس نے بچہ کو تنگ نہ کرنے کا وعدہ دے دیا لیکن ہمارے دوست نے اسی میں خیریت سمجھی کہ اس گھر کو چھوڑ دیا جائے۔

17.9 امریکی تحقیق

بھوتوں کے سلسلہ میں جو محققانہ کام امریکہ میں ہوا ہے اس سے بہتر کوئی ریکارڈ میرے علم میں نہیں آیا۔ یہ کام پروفیسر ہینز ہالزر (Prof. Hans Holzer Ph-D) کا ہے جو ایک پیراسائیکالوجسٹ ہیں۔ اپریل 1994ء میں ان کے مشاہدات اور تجربات کے نچوڑ پر مشتمل ان کی کتاب "بھوت کہاں ہیں؟" (Where the Ghosts Are?) کیرل پبلیشنگ گروپ USA نے چھاپی ہے۔ کتاب 231 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں امریکہ اور برطانیہ کی 60 ایسی عمارات کا ذکر ہے جہاں بھوت رہتے ہیں۔ پروفیسر کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے بذات خود ان عمارات کا سروے کیا ہے، عاملوں کے ساتھ مل کر تحقیقات کی ہیں، بھوتوں کی حرکات کو نوٹ کیا ہے اور فوٹو گرافی کی ہے۔ یوں وہ بلاشک وشبہ کہہ سکتے ہیں کہ بھوت ایک حقیقت ہے۔ انہی بھوتوں میں امریکہ کے مشہور صدر ابراہم لنکن کا بھوت بھی ہے جسے بیشمار لوگوں نے دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے۔

17.10 بھوت کیا ہیں؟

سب سے پہلے اس سوال کہ "بھوت کیا ہیں؟" ڈاکٹر ہالزر اپنا نظریہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:۔

"What exactly is a Ghost? "In terms of psychic research, as I have defined them, a ghost appears to be surviving emotional memory of some one who has died traumatically and usually tragically but is unaware of his death. Ghosts, then, in the over whelming majority, do not realize that they are dead. --------

When death occurs unexpectedly or unacceptable, or when a person has lived in a place

Marfat.com

for a very long time, acquiring certain habits and becoming very attached to the premises, sudden, unexpected death may come as a shock. Unwilling to part with the physical world, such human personalities then continue to stay on in the very spot, where their tradedy or there emotional attachment had existed prior to their physical death." --------- (Page 5-6)

یعنی یہ سوال کہ "بھوتوں کی حقیقت کیا ہے؟" کے جواب میں سائیکک ریسرچ کے حوالہ سے بھوتوں کے متعلق میری تعریف یہ ہے کہ یہ ان مرے ہوئے آدمیوں کی جذباتی شخصیت یادداشت اور عکس ہیں جو انتہائی خوفناک اور دردناک حالات میں اچانک مرتے ہیں۔ انہیں اپنی موت کا خود بھی علم نہیں ہوتا۔ ایک آدمی جو کسی جگہ بہت دل لگا کر عرصہ سے رہ رہا ہو اور وہاں سے علیحدہ ہونے کا تصور نہیں کر سکتا جب اس کی اچانک اور غیر متوقع موت واقع ہو جاتی ہے تو یہ اس کیلئے انتہائی حسرت کا باعث بنتا ہے۔ وہ دنیا سے جانا نہیں چاہتا، چنانچہ وہ بھوت بن کر اپنی جگہ ہی سے چمٹے رہتے ہیں۔

آگے جا کر پروفیسر موصوف لکھتے ہیں کہ بعض اوقات یہ گناہ اور انتقامی جذبہ ہے جو کسی کو بھوت بنا دیتا ہے۔

"Sometimes the Ghost may be too strongly attached to feeling of guilt or revenge to 'Let go'. They are kept in place in time and space by their emotionalities to the spot." ---------

مطلب یہ کہ کبھی کبھی مرنے والے میں گناہ اور انتقام کا شدید جذبہ ہوتا ہے جو اسے کہیں نہیں جانے دیتا۔ وہ زمان ومکان میں اپنے جذبات یا حسرتوں اور مایوسیوں کی وجہ سے بھوت بن کر ایک ہی جگہ پر جکڑے رہتے ہیں"۔ آگے جا کر وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"Ghost have never harmed anyone except through fear found in other, the witness of his own doing and because of his own ignorance as to what ghosts represent." ---------

مطلب یہ کہ بھوتوں نے کبھی کسی کو ماسوائے خوف زدہ کرنے کے کوئی نقصان نہیں پہنچایا اور یہ بھی اکثر مشاہدہ کرنے والے کا اپنے اندر کا خوف ہوتا ہے جس کی وجہ عموماً یہ ہے کہ اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ بھوت کیا ہیں؟

پروفیسر موصوف نے بھوتوں کی فوٹوگرافی بھی کی جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:۔

As for the photographs of actual ghosts, I have published them in "America's Restless Ghosts", and others elsewhere have also come forward with photographs taken in the so-called haunted houses. ------------

اپنی تحقیق کے نتیجہ میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"Ghosts continue to appear frequently all over the world, to young and old, rich and poor, in old houses and in new houses, in airports and streets and wherever tragedy strikes man. For ghosts are indeed nothing more or nothing less than human beings trapped by special circumstances in this world while already being of the next. Or, to put it another way, human beings whose spirits are unable to leave the earthly surroundings because of unfinished business or emotional entanglements". ----------- "Ghosts are then, very real, and the range of those who may at one time or another observe them is wide indeed".

مطلب یہ کہ " بھوت ساری دنیا میں دیکھے جاتے ہیں، چھوٹے بڑے، امیر غریب، کبھی انہیں دیکھتے ہیں، کبھی وہ پرانے گھروں میں کبھی نئے گھروں میں، کبھی ہوائی اڈوں میں غرض ہر جگہ دیکھے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بھوت ہر صورت میں وہ بدقسمت انسان ہیں جو اپنے حالات اور واقعات کی وجہ سے مرنے کے بعد بھی اس دنیا کو چھوڑ نہیں سکے اور سکون نہیں پا سکے۔ یہ نفوس اپنی جذباتی وابستگیوں اور نامکمل منصوبوں کی وجہ سے مرتے وقت زمین کو چھوڑ نہیں سکے اور بے سکونی میں اسی جگہ کے ہو کر رہ گئے ہیں لیکن وہ ایک حقیقت ہیں ----- اور انہیں دیکھنے والوں میں ہر طرح کے لوگ شامل ہیں "۔

17.11 بھوتوں کی طبیعی ساخت۔ زندگی اور موت میں فرق

بھوتوں کی طبیعاتی حقیقت کے بارے میں پروفیسر موصوف کا خیال ہے کہ ان کا وجود برقی توانائی کی شکل میں ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

In terms of physics, ghosts are electromagnetic fields originally encased in an outer layer called the physical body. At the time of death, that outer layer is dissolved, leaving the inner self free also referred to as "The Soul" by the church ---------- will drift out into non physical world where it is able to move forward or backward in time and space, being motivated by the thought and possession of earth memories fully intact. Such a free spirit is indeed a development upward and as rational being as her or she was on earth.

آگے وہ زندگی موت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کے خیال میں اس کی مشابہت نیند اور خواب دیکھنے کی بات سے ہے۔

I also noticed an amazing analogy between certain sleep and dream states and death as reported by those claiming to be surviving entities speaking though entranced mediums. The seat of personality seems encased within a temporary frame called the physical body. Under certain conditions, the personality (a soul) can have out of body

Marfat.com

experiences. There the separation is temporary, under the control of the sleeper. At death the separation is permanent.

In case of the ghost individual, the electromagnetic field is unable to move into the wider reaches of the non-physical earthy emotional entanglements. Nevertheless, it is of exactly the same nature as the personality field of those who do not have such problems. It can, therefore he photographed, measured as an existing charge in the atmosphere, and otherwise dealt with by scientific means. Science has long realized that all life energies are electric in nature. In my view, human personality is also made up of such individual energy particles (photons). Electrical impulses are capable of being recorded and measured. The 'presence' of ghosts has already been proven with equipment designed along Geiger - Counter Lines. (Page-6)

In his final analysis, Professor Hans Holzer concludes.

"Remember in case of ghosts, you are dealing with very human fellow-people, not monsters, devils or demons-just folks like you who got into emotional turmoil on passing from the level of existence to the next, and therefore could not quite make it across". ----- i.e. "Cannot leave the place of his or her traumatic, final experience on the physical level. So they are hanging, on barely aware of the passing of time". (Page-6)

مطلب یہ کہ بھوتوں کی طبیعاتی اور ماہیت کے بارے میں پروفیسر ہالزر کی تحقیق یہ ہے ک وہ مقناطیسی اور برقی قوتوں کے امتزاج سے جنم لیتے ہیں۔ زندگی میں یہ جسم کے خول کے اندر رہوتا ہے۔ موت کے ساتھ ہی انسان کی برقی مقناطیسی شخصیت جسم سے علیحدہ ہوجاتی ہے۔
پروفیسر موصوف اپنی تحقیق میں قرآن کریم کی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ نیند کی حالت میں بھی نفس جسم کو عارضی طور پر چھوڑ دیتا ہے لیکن تعلق ٹوٹتا نہیں۔ موت اس تعلق کو بالکل توڑ دیتی ہے اس لیے اس کے بعد موت اور نفس کا ملاپ ختم ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرلیتا ہے، اور جو ابھی مرا نہیں اس کی روح نیند میں قبض کرلیتا ہے، پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذکرتا ہے اسے روک لیتا ہے، اور دوسروں کی روحیں ایک وقت مقرر کیلئے واپس بھیج دیتا ہے، اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غوروفکرکرنے والے ہیں"۔سورۃ الذمر، آیت 42

Marfat.com

پروفیسر ہالزر کی تحقیق کے مطابق عالم برزخ میں بعض لوگوں کا نفس آزاد ہوتا ہے اور زمان و مکان میں آگے پیچھے ادھر اُدھر گھوم پھر سکتا ہے۔یہی بات آج سے 1000سال پہلے امام غزالیؒ نے اپنی کتاب "رسائل" میں لکھی تھی اور امام مالکؒ نے ان سے بھی پہلے کہی تھی۔لیکن بھوت آزاد نہیں ہوتا۔اس کی برقی مقناطیسی شخصیت اپنی جگہ ہی میں مقید ہوتی ہے جس کی بڑی وجہ موت سے پہلے ان کے اعمال، جذبات اور احساسات ہوتے ہیں۔پروفیسر ہالزر کا کہنا ہے کہ انہوں نے بھوتوں کی فوٹوگرافی بھی کی ہے۔انہیں سائنسی طریقوں سے ماپا بھی جاسکتا ہے۔اسی ضمن میں نارمل نفس اور بھوت میں فرق صرف یہ ہے کہ نارمل نفس موت کے بعد عالم برزخ میں پہنچ جاتا ہے اور زمان و مکان میں آگے پیچھے جانے کیلئے آزاد ہوتا ہے لیکن بھوت دنیا کو چھوڑ نہیں سکتا وہ اپنی جگہ پر بے سکونی کی حالت میں مقید ہو جاتا ہے۔

پروفیسر ہالزر کے مطابق "عرصہ دراز سے سائنس جانتی ہے کہ زندگی برقی مقناطیسی قوتوں کا نتیجہ ہے اور انسان کی اپنی شخصیت بھی دراصل انہی برقی مقناطیسی ذرات پر مشتمل ہے۔ان کو ہم ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں اور ماپ بھی سکتے ہیں۔اس سلسلہ میں پہلے ہی بھوتوں کے نفوس کی کامیاب فوٹوگرافی ہو چکی ہے اور گیگر کونٹر کے اصول پر بنے ہوئے آلات کی مدد سے ان کو دیکھا بھی جاچکا ہے"۔

اپنے فائنل تجزیہ میں پروفیسر موصوف نصیحت کرتے ہیں کہ "یاد رکھیں بھوت ہماری اور آپ کی طرح انسان ہیں وہ کوئی جن، دیو یا بلا نہیں۔یہ وہ قابل ہمدردی لوگ ہیں جو اپنے احساسات کی پریشانی کی وجہ سے روحوں کی دنیا میں جانے کے قابل نہیں رہے۔اس لیے وہ ادھر ہی دھکے کھاتے رہتے ہیں اور انہیں وقت گزرنے کا بھی احساس نہیں ہوتا۔(جیسے قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ قیامت کو جب کافر لوگ اٹھیں گے تو کہیں گے کہ شاید ہم ایک دن یا اس سے کم عرصہ دنیا میں رہے ہیں)۔

اوپر دی گئی بھوتوں کے بارے امریکی تحقیق سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سائنس اب مادی دنیا سے آگے روحانی دنیا میں بھی داخل ہو رہی ہے۔اس ضمن میں مذاہب تو ہمیشہ ہی سے بھوتوں کے متعلق بتاتے رہے ہیں کہ وہ پریشان نفوس ہیں جو اپنے گناہوں میں لدے ہونے کی وجہ سے اگلی دنیا کی وسعت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے بلکہ ادھر زمین پر ہی اپنی خواہشات کے گھر، کارخانے یا کاروبار کی جگہ پریشانی کے عالم میں بھٹکتے رہتے ہیں اور قیامت تک یونہی حسرت کی زندگی گزار دیں گے۔خوشی کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس بھی اب انہی نتائج پر پہنچ رہی ہے جو اسلام نے بہت پہلے انسان کو بتائے تھے یعنی ہمارا مرنا صرف جسم کا خاتمہ ہے لیکن اصل انسان زندہ رہتا ہے۔بھوت انہی میں سے کچھ لوگ ہیں جو اپنے کیے کی سزا زمین پر بھگت رہے ہیں۔

بھوتوں کے سلسلہ میں ایک دلچسپ کتاب ایک برٹش پادری جیلوائن رابرٹ Jaelwgn Robert کی ہے۔کتاب کا نام "کل کے لوگ" "Yesterday's People" ہے۔جس میں مرجانے والے لوگوں کے نفوس کے متعلق بہت سے مشاہدات دیے گئے ہیں۔یہ کتاب 1997 میں ایلیمنٹ بکس لمیٹڈ نے یوکے میں چھاپی ہے۔وہ 36 سال تک آسیب زدہ لوگوں اور آسیب زدہ جگہوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ان کے مطابق مرنے کے بعد تمام لوگوں کی روحیں بھوتوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور وہ اپنے پرانے ماحول میں پرانی یادداشتوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں۔کبھی کبھی وہ لوگوں کو اپنے موجود ہونے کا احساس بھی دلاتے ہیں۔ان کی اس تحقیق کو اگر اسلامی نگاہ سے دیکھا جائے تو ان کا خیال کہ مر کر لوگ

Marfat.com

بھوت بن جاتے ہیں اس لحاظ سے ٹھیک ہے کہ وہ یہ بات اپنے ماحول کے متعلق لکھتے ہیں۔ جن میں اکثر بگڑے ہوئے عیسائی یالا مذہب دنیا کے حریص ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیں کہ وہ ہمیں اس طرح کے انجام سے بچائے اور وہ ذات پاک ہمیں جنتی نفوس مطمئنہ میں شامل فرمائے۔ اس لیے دنیا میں زیادہ دل نہ لگانے کی کوشش کریں۔ نہ ہی دنیا کی چیزوں کیلئے زیادہ حریص بنیں اس لئے کہ حرص کی کثرت انسان کو اپنے اصل مقصد حیات سے غافل کر دیتی ہے تو پھر کچھ بھی نہیں ہوسکتا (سورۃ التکاثر)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور اپنے محبوب خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ذریعہ جنت کے حصول کا جو ہدایت نامہ دیا ہے اس کے مطابق ایک نیک پاک، راہ راست والی زندگی گزاریں تا کہ موت کے بعد ہم سیدھے جنت میں جائیں اور خوف اور غم سے آزادی عطا ہو اور بھوت بننے سے بچ جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

’’اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہہ دو کہ پاک اور ناپاک ہر حال میں یکساں نہیں، خواہ ناپاک کی حالتِ تمہیں کتنا ہی فریفتہ کرنے والی ہو، پس اے لوگو! جو عقل رکھتے ہو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتے رہو، امید ہے کہ تمہیں فلاح نصیب ہوگی‘‘۔سورۃ المائدہ، آیت100

’’وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ، ہم انہیں اور ایمان والوں اور نیک عمل کرنیوالوں کو ایک جیسا کردیں گے، کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہوجائے، بہت برے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں‘‘۔ سورۃ الجاثیۃ، آیت 21

باب نمبر 18

بھوت پریت، جنات وغیرہ کا چڑھنا اوران سے نجات کے طریقے

اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں جو عوام کو اکثر پریشان کیے رکھتا ہے۔ یہ جنات اور بھوت پریت کا چڑھ جانا اور اتارنا ہے۔ جدید ذہن ان باتوں کو محض دقیانوسی کہہ کر رد کر دیتے ہیں لیکن ضعیف الاعتقاد لوگ ساری عمر انہی کے خیالات میں غلطاں رہتے ہیں۔ فی الواقع بھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک متاثرہ آدمی نارمل نہیں رہتا، وہ عجیب عجیب باتیں کرنے لگتا ہے، کبھی کبھی وہ بہت تیز (Hyper) ہو جاتے ہیں، تیز تیز باتیں کرتے ہیں، بعض اوقات ایسے انداز میں بات کرتے ہیں جس کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے، بعض دفعہ متاثرہ لوگ کسی غیر زبان میں بولتے ہیں، غائب کی خبریں بتاتے ہیں اور اپنے ماحول سے باہر کے حالات بیان کرنے لگتے ہیں، بعض دفعہ متاثرہ آدمی کام کاج چھوڑ کر بالکل چپ سادھ لیتا ہے، ہواؤں میں گھورتا رہتا ہے، بعض لوگ بڑے مذہبی بن جاتے ہیں اور بعض دنیا اور مذہب کے خلاف باتیں کرتے ہیں، بعض فوری اشتعال کی حالت میں آجاتے ہیں، بعض مختلف قسم کی ذہنی بیماریوں کا شکار لگتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال متاثرہ شخص کے عادات واطوار اور معاملات میں غیر معمولی تبدیلی اس کے تمام متعلقین کو پریشان کر کے رکھ دیتی ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جنات، ارواح، بھوتوں اور پریوں وغیرہ کی وجہ سے ہے۔ کوئی اسے جادو چڑھنے کا نام دیتا ہے، بعض اسے بھوت پریت کا سایہ کہتے ہیں لیکن اکثر سائیکالوجسٹ اسے ذہنی بیماری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا دماغ الٹ گیا ہے غرض ہر آدمی اپنے اپنے عقل اور تجربہ کے مطابق مختلف توضیحات پیش کرتا ہے۔ اصل حقیقت کیا ہے اس پر ابھی تک غبار چھایا ہوا ہے۔

18.1 بھوت چڑھنا اور مسئلہ آواگون

ایسے ہی ماورائی واقعات میں کبھی کبھی ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ کوئی بچہ کہیں پیدا ہوتا ہے اور جب کچھ بڑا ہوتا ہے تو اچانک ایسی باتیں کرنے لگتا ہے جیسے وہ وہاں کا نہیں بلکہ کسی دوسری جگہ سے آیا ہو۔ اپنے ماں باپ کا بچہ نہیں بلکہ کسی دوسرے گھر، علاقہ اور ماں باپ کا بیٹا یا بیٹی ہے لیکن پیدا ادھر ہو گیا اور حیران کن بات یہ ہے کہ کبھی کبھی تحقیق سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ واقعی بعض خبریں سچ ہیں، غرض مجموعی طور پر یہی تاثر ملتا ہے کہ بچہ کسی اور جگہ سے آیا ہے۔ مسئلہ آواگون (Reincarnation) پر یقین رکھنے والے ایسے واقعات کو اپنے اعتقاد کو صحیح ثابت کرنے کیلئے پیش کرتے ہیں۔

Marfat.com

اس لیے اصل حقیقت کی طرف پیش رفت سے پہلے مسئلہ آواگون جس کا آج کل امریکہ میں بھی بڑا چرچا ہے اسے سمجھنا ضروری ہے مسئلہ آواگوں جسے انگریزی میں Reincarnation کہتے ہیں ان کے مطابق روحیں بار بار دنیا میں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور ہر نیا جنم ان کے پہلے اعمال کی جزا یا سزا کے مطابق ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی آدمی بہت برا ہے تو ہوسکتا ہے بداعمالی کے نتیجے میں وہ اپنے نئے جنم میں سوٴر، بندر یا سانپ وغیرہ بن جائے۔ حتیٰ کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ وہ نباتات کی شکل میں بھی پیدا ہوتے ہیں جس کو کاٹا جاتا ہے اور پھر ایندھن کے طور پر جلایا جاتا ہے۔ اس کے برعکس جنہوں نے زندگی میں اچھے اعمال کیے تھے وہ نئے جنم میں پہلے سے بہتر حیثیت کے آدمی کی شکل میں پیدا ہوتے ہیں اور اگر مسلسل بہتر عمل کرتے جائیں تو آخر کار وہ کائناتی روح (ان کے نزدیک اللہ) میں شامل ہوجاتے ہیں۔ ایسی روح کو وہ مہاتما یعنی عظیم روح کہتے ہیں۔

یہودیت، عیسائی مذہب اور اسلام کے نزدیک آواگون یعنی جنم در جنم کا یہ نظریہ روحانی اور مادی لحاظ سے غلط نظریہ ہے۔ سائیکالوجی کے امریکی پروفیسر ہارڈنگ کے نزدیک بھی آواگون کی جنم در جنم روح کی تھیوری کئی وجوہات کی بنا پر نا قابل قبول ہے مثلاً یہی کہ اگر کوئی بدروح اگلے جنم میں سوٴر بن گئی ہے تو سوٴر پھر کون سے اعمال کرے گا کہ وہ اگلے جنم میں گھوڑا، ہاتھی، بندر یا آدمی بن سکے، یا درخت بننے والی روح کس طرح کے اعمال کرے گی کہ وہ اگلے جنم میں وہاں سے اٹھ کر آدمی بن جائے۔ پروفیسر ڈی۔ ہارڈنگ اپنی کتاب "Where are Ghosts?" پبلشر آرکانا لندن (Arcana London) میں لکھتے ہیں کہ "اگرچہ اس بات کے شواہد تو بہت سے ہیں کہ بعض دفعہ کوئی ایسا بچہ بھی پیدا ہوتا ہے جو اپنی کسی نام نہاد پہلے والی زندگی کی باتیں بتاتا ہے لیکن اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو کہ ٹیلی پیتھی (Telepathy) یا (Clairvoyance) کے اصول پر نہ سمجھی جاسکے، آواگون کوئی حقیقت نہیں اور کروڑوں لوگ صرف زبانی جمع خرچ کے طور پر اس کا نام لیتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی اس کی اصلیت کو نہیں جانتے"۔ (صفحہ 87)۔ سائنسی اور مادی لحاظ سے آواگون کے نظریہ کے لئے سب سے بڑی مشکل دنیا میں انسانوں کی ہر روز بڑھتی ہوئی آبادی ہے۔ یہ کون سے آواگون کے مطابق ہے؟ مثلاً آج سے چار ہزار سال پہلے دنیا کی آبادی تقریباً دو تین ملین لوگوں پر مشتمل تھی اب یہ 5000 ملین ہے، تو اتنے بہت سے انسان کہاں سے آگئے۔ یہ پہلے کہاں تھے، کیا جانور اچھے عمل کر کے انسان بنتے جا رہے ہیں اور انسان جانور بنتے جاتے ہیں، اسی ضمن میں ہو بہو جڑواں (Idenatical Twins) کا ہے۔ ایک ہی آواگائی روح سے دو بچے کیسے پیدا ہوگئے؟

18.2 غیر مرئی مخلوقات کا چڑھنا

مسئلہ آواگون (Reincarnation) کو ماننے والے عجیب الخلق بچوں کے واقعات کو ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں لیکن پروفیسر ہارڈنگ کے مطابق بچہ کی یہ یاداشت کسی جن یا بھوت کے چڑھنے کی وجہ سے بھی ہوسکتی ہے جو پہلے کسی دوسرے بچے پر تھے اب آکر اس پر چڑھ گئے ہیں۔ یوں وہ اپنے پہلے جنم کی نہیں بلکہ اپنے اوپر چڑھی ہوئی ماورائی مخلوق کی بات اپنے منہ سے نکال رہا ہوتا ہے۔ اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ کچھ عرصہ بعد یہ بچے بالکل نارمل بھی ہوجاتے ہیں یعنی جب وہ ماورائی مخلوق ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو وہ عجیب وغریب باتیں کرنا بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔

Marfat.com

جہاں تک غیر مرئی قوتوں یا مخلوق کی بات ہے ان کی حقیقت پُر حسرت روحوں کا بھوت بن کر دنیا پر زندہ رہنا بھی جیلوین رابرٹس Jaelwyn Roberts کی کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے (نام کتاب "Yesterday's People" پبلشر Element Dorset UK) ۔ہم پہلے ہی ان پر سیر حاصل بحث کر چکے ہیں اور مزید تفصیلات آپ ہماری کتاب ''حیات بعدالموت'' میں دیکھ سکتے ہیں۔ اب تک ان موضوعات پر جو سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ خالص توانائی کے وجود ہیں جو مادی جسم کے بغیر زندہ ہوتے ہیں اور اسی فضا میں رہتے ہیں۔ یہ وجود اپنی لطافت کی بنا پر نہایت سرعت سے سفر کر سکتے ہیں حتیٰ کہ ٹھوس چیزوں کے آر پار بھی آسانی سے گزر سکتے ہیں۔(Ref. Hazar-A.D., "Who are Ghosts") لیکن اپنے مادی اظہار کیلئے انہیں بھی کسی مادی جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے بعض اوقات وہ کسی انسان پر چڑھ جاتے ہیں اور اپنے توانائی شعور کی بنا پر انسان کے اعصاب پر اثر انداز ہوتے ہیں جس کی وجہ سے متاثرہ آدمی نارمل سے ہٹ کر باتیں اور حرکات کرنے لگتا ہے جو متعلقہ لوگوں کیلئے پریشان کن ہو سکتی ہیں۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ روح، جن، بھوت آدمی کے دماغ کے حواس سنٹر (Sense Centres) پر اپنی بجلی کی لہروں سے براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں جس سے آدمی یہ محسوس کرتا ہے وہ سامنے مجسم شکل میں کھڑے ہیں اور ان سے مختلف اعمال سرزد ہوتے ہیں جیسے خواب کا منظر ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کو وہ نظر نہیں آتے۔ اس لئے کہ انہوں نے دوسرے لوگوں کے اذہان کو متاثر نہیں کیا ہوتا۔ اس طرح ارواح، جن، بھوت کا مجسم شکل میں نظر آنا کوئی عجیب بات نہیں۔ عام زندگی میں بھی ہم جس چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں بالآخر وہ بھی ذہن کے حساس مراکز پر بجلی کی لہروں کے اثرات کی وجہ سے ہی ہوتے ہیں۔

18.3 جنات اور بھوت وغیرہ چڑھنے کے اثرات

متاثرہ شخص پر اثرات کا انحصار اس ماورائی مخلوق پر ہے جو اس پر سوار ہوتی ہے۔ چڑھنے والی مخلوق کسی مردہ کا بھوت یا کوئی جن بھی ہو سکتا ہے مثلاً اگر چڑھنے والا کوئی مسلمان جن ہو تو متاثرہ آدمی اسلام کی باتیں کرتا ہے، جنت، دوزخ اور قبر کے حالات بیان کرتا ہے اگر وہ حافظ قرآن ہے تو شاید متاثرہ شخص قرآن کریم سنانے لگے۔ اس کے برعکس اگر جن کا تعلق شیاطین سے ہے تو متاثرہ شخص گندگی کو پسند کرے گا، اول فول بکے گا، غضبناک ہو جائے گا، اس میں دوسرے لوگوں کو خواہ مخواہ نقصان پہنچانے کا رجحان ہوگا۔ اگر یہ کوئی مایوس بھوت ہے تو متاثرہ شخص پریشانی (Depression) کا شکار ہو جائے گا، بلاوجہ رونے لگے گا، بہت زیادہ سوئے گا اور کھائے گا۔

خصوصاً نیند میں جب اس کی روح سے جسم سے دور نکل جاتی ہے، اس وقت کوئی بھوت یا جن وغیرہ اس پر آ کر مختلف قسم کے خواب دکھاتا ہے یا بعض اوقات نیند کی حالت میں متاثرہ آدمی پہلے چل کر کہیں جاتا ہے اور کوئی خاص کام کر کے واپس آ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اس حالت میں دوسروں کو گزند تک پہنچا کر آ جاتے ہیں۔ چیزیں گم کر آتے ہیں جو کہ اصل میں ان پر اس وقت چڑھے ہوئے بھوت یا جن کی کارستانی ہوتی

Marfat.com

ہے۔غرض بھوت اور جنات جب کسی آدمی پر چڑھ جاتے ہیں تو اپنی فطرت کے مطابق اس کے ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں اور آدمی کا عمل، آواز، زبان، خیالات چڑھنے والی مخلوق کی فطرت کے زیر اثر ہو جاتے ہیں لیکن مجموعی اظہار میں اس آدمی کے اپنے ذاتی خیالات بھی شامل ہوتے ہیں، اگر آدمی مضبوط اعصاب کا مالک ہو تو ہو سکتا ہے وہ چڑھنے والی غیر مرئی مخلوق سے بہت کم اثرات قبول کرے، اس لئے مضبوط اعصاب لوگوں پر جنات کا اثر کم ہوتا ہے اور حملہ آور مخلوق مایوس ہو کر چند ہی دنوں میں اسے چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔اس کے برعکس کمزور اعصاب والے لوگوں پر بھوت اور جنات کے اثرات زیادہ دیرپا اور شدید ثابت ہوتے ہیں۔

18.4 جنات یا بھوت وغیرہ کیوں چڑھتے ہیں؟

یہ سوال کہ جنات وغیرہ کیوں چڑھتے ہیں؟ اس کے متعلق ہم پہلے بھی بحث کر چکے ہیں کہ بھوتوں اور جنوں وغیرہ کے چڑھنے کو مشرق یا مغرب ہر طرح کے معاشرہ میں اسے ایک حقیقت تسلیم کیا جاتا ہے۔البتہ جن معاشروں میں جنات کو زیادہ مانا جاتا ہے اور انہیں روزمرہ کی زندگی میں خواہ مخواہ اہمیت دی جاتی ہے یا جو لوگ ان سے ڈرتے ہیں ایسے لوگوں میں یہ واقعات زیادہ ہوتے ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی باشعور ہستی وہاں رہنا پسند کرے گی جہاں اس کی قدر اور عزت ہوتی ہے۔اس لئے ان سے بچنے اور علاج کے لئے اہم ترین بات یہ ہے کہ انہیں اہمیت نہ دی جائے۔

18.5 جنات

مسلمان جنات کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ہے۔مذہب کے معاملہ میں یہ انسانوں کی اتباع کرتے ہیں۔ بعض مسلمان ہیں اور بعض دوسرے مذہب کے پیروکار ہوتے ہیں۔دراصل یہ ایک دوسرے درجہ کی مخلوق ہے جب کہ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لیے انسان کیلئے یہ مناسب نہیں کہ وہ جنات سے ڈرے یا ان کی پناہ میں آئے۔افسوس کہ انسانوں میں بعض جہلاء اس کمتر مخلوق کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور ظاہر ہے جہاں کہیں ایسا ہوگا وہاں کے جنات ان پر چڑھ دوڑیں گے۔اس کی مثال اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سورۃ جن میں دیتے ہیں۔

"اور یہ کہ آدمیوں میں کچھ لوگ جنات کی پناہ لیاکرتے تھے، جس کی وجہ سے وہ تکبر میں بڑھتے گئے ، اور یہ کہ انہوں نے گمان کیا جیسا تم کرتے تھے، کہ اللہ ہرگز کسی رسول کو نہیں بھیجے گا"۔ سورۃ جن، آیت 7-6

Marfat.com

اس آیت مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ جاہل لوگ جنات کا دماغ خراب کردیتے ہیں۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ جنات میں مذہبی اور غیر مذہبی ہر طرح کے ہیں۔ ان میں وہ بھی ہیں جو اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر جنات کی ایک جماعت کا ایمان لانے کا واقعہ مندرجہ ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے۔

''تم فرمائو! مجھے وحی ہوئی کہ کچھ جنات نے میرا قرآن پڑھا، سنا، تو بولے ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کی راہ بتاتا ہے، پھر ہم اس پر ایمان لائے، اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے''۔سورۃ جن، آیت 2-1

قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیاطین بھی جنات میں سے ہیں۔ ان کے سردار کا نام ابلیس ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں گمراہ کیا تھا اس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:۔

''اور یادکرو! جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو، تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے وہ جنات میں سے تھا''۔سورۃ الکہف، آیت 50

چنانچہ جنات میں اچھے بھی ہیں اور برے بھی، مسلمان بھی ہیں اور کافر بھی۔ ان میں سے جو اچھے ہیں وہ لوگوں کو بہت کم تنگ کرتے ہیں۔ زیادہ تر شیاطین جنات ہی انسانوں کو اپنا مسکن بناتے ہیں اور انہیں برائی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض اوقات لوگوں پر ڈیرہ جما کر انہیں طرح طرح کے طریقوں سے تنگ بھی کرتے ہیں لیکن آدمی پر ان کے اثرات کا انحصار اس کی اپنی مستقل مزاجی، سمجھ اور شخصیت کی طاقت پر ہے۔

جنات کے سلسلہ میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اگرچہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے یہ ایک بہت بڑی قوم تھے لیکن اس وقت سے اب تک ان کی آبادی کم ہوتی جارہی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا بھی ان سے آمنا سامنا صرف چند مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوا۔ فی زمانہ ان کی آبادی بہت کم رہ گئی ہے اور جو ہیں وہ بھی انسانی آبادیوں سے دور رہتے ہیں البتہ مسلمان جنات جو دین کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ مدرسوں اور مساجد میں حاضری دیتے ہیں اور دین کے مسائل سیکھتے ہیں۔ ایسے طالب علم جنات کے بارے میں کئی ایک قصے مشہور ہیں۔

18.6 بھوت اور جنّات کا اتارنا

اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں کہ اگر کسی پر جنات یا بھوت چڑھ جائیں تو ان سے کیسے نجات پائی جاسکتی ہے۔ اس کیلئے مندرجہ

Marfat.com

ذیل طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔

1۔ روحانی طریقے 2۔ سائیکالوجیکل طریقے

روحانی طریقوں میں ضروری ہے کہ عامل براہ راست چڑھی ہوئی ماورائی شخصیت سے معاملہ طے کرتے ہیں جس میں گفت وشنید، دلائل، خوف اور لالچ سبھی شامل ہیں۔

بات چیت کے ذریعہ ماورائی شخصیت کو قائل کرنے میں کامیابی کا انحصار عامل کی اپنی شخصیت پر ہے۔ ایک مضبوط شخصیت والا باعمل صالح اور عالم شخص بھوتوں اور جنات کو بھگانے میں زیادہ کامیاب ہوگا وہ ماورائی مخلوق کو اللہ کے احکامات اور دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کرے گا کہ کسی کو یوں تنگ کرنا ٹھیک نہیں۔ یہ گناہ کا کام ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اسے دوزخ کے عذاب سے ڈرائے گا اور یوں اسلام کے حوالہ سے وہ حملہ آور ماورائی مخلوق کو چلے جانے پر قائل کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں اگر بھوت یا جن مسلمان ہے تو اس پر خصوصاً قرآن کریم کی آیات پڑھنے کا خاطر خواہ اثر ہوتا ہے۔ یہ شرط ہے کہ عالم کا اعتقاد صحیح ہو اور وہ صاحب نظر بزرگ ہو۔ اگر متاثرہ شخص خود بھی یہ سورتیں پڑھے تو مفید رہے گا۔

شیاطین بھوت اور جنات کی سرشت میں چونکہ کفر بھرا ہوتا ہے اس لیے وہ کلام اللہ سے ڈر کر شاید نہ جائیں، اس لیے انہیں ڈر اور خوف کے ذریعہ بھگایا جاتا ہے۔ پورے اعتماد کے ساتھ دھمکی دی جاتی ہے کہ ان کو آگ میں جلا دیا جائے گا، سخت سے سخت سزا دی جائے گی۔ یہ حربہ اکثر کامیاب ثابت ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ دھمکی کو زیادہ پراثر بنانے کیلئے عامل مریض کو مارنے کا ڈرامہ بھی کرے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس عمل سے غیر مرئی مہمان بھاگ جاتے ہیں۔

ان عوامل کے برعکس سائیکالوجسٹ جو جنات اور غیر مرئی طاقتوں کے وجود کو نہیں مانتے وہ مریض کے غیر معمولی حالات کو ذہنی فتور سمجھتے ہیں اور اکثر علاج نیند آور گولیوں سے کرتے ہیں۔ چونکہ بعض اوقات یہ طریقہ کامیاب رہتا ہے اور مریض ٹھیک ہو جاتا ہے اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ جنات وغیرہ کا کوئی وجود نہیں۔ ایک ذہنی مرض تھا جو دوائیوں سے ٹھیک ہو گیا۔ لیکن یہ سوچ غلط تاویل کا نتیجہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ نشہ آور دوائی کے زیر اثر مریض سوتا رہتا ہے اور یوں ماورائی مخلوق کے حسب مرضی عمل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ چنانچہ اس مسلسل بے قدری کی بنا پر بالآخر وہ اچاٹ (Bore) ہو جاتے ہیں اور متاثرہ شخص کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور یوں متاثرہ شخص ٹھیک ہو جاتا ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس طرح کے علاج پر ماورائی مخلوق مریض پر ردعمل کرے۔ اس کی بھوک ختم کر دے اور اس کی حالت مزید خراب ہو جائے جس کا آخری نتیجہ موت ہے۔

18.7 بھوت کو دوڑانے کا طریقہ

اگر جن کی بجائے کسی آدمی پر بھوت چڑھ جاتا ہے یا کسی جگہ پر وہ اپنا بسیرا کر لیتا ہے تو اسے دوڑانے کے طریقے بھی وہی ہیں جو اوپر جنات کے بارے میں دیے گئے ہیں یعنی اسے چھوڑنے پر قائل کرو۔ ڈراؤ، دھمکاؤ، اللہ تعالیٰ کا خوف دلاؤ۔ اس سلسلہ میں کتاب " بھوت کہاں

ہیں؟"Where are The Ghosts?" کا مصنف امریکی ڈاکٹر ہارزر(Harzer) لکھتا ہے کہ بھوتوں کے ساتھ مہربانی سے معاملہ کرو چونکہ وہ بھی انسانی روحیں ہیں اگر انہیں مناسب طریقہ سے سمجھادیا جائے خصوصاً انہیں باور کروایا جائے کہ وہ مرچکے ہیں اور جلد ہی ان کی اللہ کے سامنے پیشی ہوگی تو ہوسکتا ہے وہ آسانی سے اپنے شکار کا پیچھا چھوڑ دیں۔

18.8 جادو کے اثرات

جادو بھی ایک ماورائی علم ہے جو ہمیشہ سے ساری دنیا میں کیا جاتا ہے اور زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ انسان نے یہ علم فرشتوں سے سیکھا لیکن شیطانی اثرات کے زیر اثر دوسروں کو نقصان پہنچانے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جادوگر عموماً ہڈیوں، بالوں، گوشت، کپڑوں وغیرہ پر کچھ عجیب الفاظ پڑھ کر یا لکھ کر متعلقہ اشیاء کا ٹونہ بنا کر کسی جگہ دفن کرتے ہیں یا کسی کنویں وغیرہ میں ڈال دیتے ہیں۔ بعض اوقات جادو شدہ مواد سے جس شخص کو نقصان پہنچانا مطلوب ہو اس کو کھلا دیتے ہیں یا اس کے گھر میں چھپا دیتے ہیں۔ بہر حال کئی طریقے ہیں لیکن ہر ایک کے پیچھے مقصد یہی ہوتا ہے کہ جادو کے زور سے متعلقہ شخص کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس وجہ سے جادو کا علم سیکھنا اور جادو کرنا حرام ہے اور جادوگر کی آخرت خراب ہوتی ہے۔

جہاں تک کہ جادو کیسے اثر انداز ہوتا ہے اس کی وجہ وہ شیاطین جنات ہیں جو جادوگر کے اثر میں ہوتے ہیں اور جادو کے الفاظ اور ٹونوں کو سمجھتے ہیں اور جادوگر کی ہدایات کے مطابق متعلقہ شخص کے ذہن پر حملہ آور ہو کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ اکثر کا ہدف لڑائی جھگڑا کروانا، ذہنی دباؤ، ذہنی الجھنیں اور ذہنی بیماریوں کے ذریعہ مریض کو تنگ کرنا ہوتا ہے جس کی وجہ سے اس کا مالی، جسمانی نقصان ہوتا ہے۔

جادو کا توڑ وہ روحانی علاج ہے جس کی طاقت سے جادوگر کے شیاطین بھاگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی آیات سے بھی علاج کیا جاتا ہے لیکن مریض کا تعاون ہونا بہت ضروری ہے۔ قرآن کریم کی آخری تینوں سورتیں جادو کے اثرات دور کرنے کیلئے خصوصی طور پر فائدہ مند ہیں۔ اسم **اللہ** کا ورد اور آیۃ الکرسی بھی جادو دور کرنے میں بہت مفید پائے گئے ہیں۔

جادو کے علاوہ دوسرے لوگوں کے اذہان کو خیال کو قوت سے بھی متاثر کیا جاسکتا ہے۔ اسی نوع میں نظر اور حسد کے اثرات ہیں۔ قرآن کریم کی آخری صورت **والناس** میں انہیں **واسواس الخناس** کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے محرک جنات اور انسان دونوں ہوسکتے ہیں۔ آج کل کچھ سپائی ایجنسیاں (Spy Agencies) بھی ان کے ذریعہ دوسرے لوگوں کے خیالات کو متاثر کرنے کے لئے باقاعدہ سائیکی حملے کرتے ہیں۔ ان کی تفصیلات پہلے دی جاچکی ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 19

مر کر زندہ ہونے والوں کے مشاہدات اور عالم برزخ کی کیفیات کا اسلامی تجزیہ

19.1 اسلامی تجزیہ کیوں ضروری ہے؟

اس کتاب میں آپ کئی ایک مر کر زندہ ہونے والے اشخاص کے مشاہدات کی روداد پڑھ چکے ہیں۔ یہ واقعات اس تواتر سے ہیں اور ان کی چھان بین کرنے والے لوگ ایسے مانے ہوئے بزرگ، سائنسدان اور محقق ہیں کہ ان کی صحت کے بارے میں شک کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔ تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ کبھی کبھار موت کی وادی سے گزر کر لوگ واپس بھی آجاتے ہیں اور بعض اوقات مرے ہوئے لوگ اپنی موجودگی کا احساس خوابوں میں، خوشبو سے اور دوسرے طریقوں سے دیتے رہتے ہیں۔ یہ تحقیقات اور ان کے علاوہ پیرا سائیکی، ماورائی طریقوں سے پیغام رسانی اور سراغرسانی میں ترقی بھی ثابت کرتی ہے کہ انسان محض جسم نہیں بلکہ وہ ایک ماورائی شخصیت ہے جسے موت نہیں۔ قرآن پاک کی زبان میں اسے نفس کہا گیا ہے۔ اسی کو روح، سپرٹ، مائنڈ (Mind)، سائیکی وغیرہ کے نام بھی دیے جاتے ہیں۔ یہ تحقیقات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جو لوگ حیات بعد الموت کو نہیں مانتے وہ سخت غلطی پر ہیں اور یہ خیال کہ ہماری زندگی بس یہی زندگی ہے، یہیں ہمارا مرنا اور جینا ہے اور گردش ایام کے سوا کوئی چیز نہیں۔ ایک فرسودہ نظریہ ہے جس کی جدید سائنس بھی نفی کر رہی ہے۔ ایسے غلط عقیدے کے لوگ اس وقت بھی تھے جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور آج بھی ہیں۔ ان سب کو ایک ہی قرآنی جواب ہی کافی ہے کہ "یہ محض گمان کی باتیں کرتے ہیں"۔ (سورۃ الجاثیۃ آیت 24) لیکن جو لوگ انسانی نفس کی بقا کو مانتے ہیں ان کے لیے بھی حیات بعد الموت کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ جب روح کی تفصیلات اور تجزیہ کا موقع آتا ہے تو اکثر ان میں اپنے اپنے مذہب اور عقائد میں جکڑے معلوم ہوتے ہیں۔ قابل تشویش بات یہ ہے کہ امریکہ میں جو محقق اس موضوع پر سائنسی تحقیقات کر رہے ہیں وہ عیسائیت، بدھ مت اور ہندو مت وغیرہ سے متاثر ہیں ان میں کئی ایک روحوں کو آوا گون (Reincarnation) کے نظریہ کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی اگرچہ حیات بعد الموت کے قائل ہیں لیکن حساب کتاب، جزا اور سزا کے متعلق ان کی سوچ اسلام سے بہت دور ہے اور ان کی مذہبی کتابوں میں بھی اس مسئلہ کو سمجھنے کیلئے بہت کم مدد ملتی ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ حیات بعد الموت کے ایک ایک پہلو کو واضح کرتا ہے لیکن افسوس کہ اس کے خلاف مغربی دانشور بہت سی غلط فہمیوں، تعصبات اور ذہنی تحفظات کا شکار ہیں جن سے نجات پائے بغیر وہ حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان علماء زندگی، موت کے بارے میں اسلامی تجزیہ پیش کریں۔ مندرجہ ذیل مضمون اس سلسلہ ہی کی ایک کڑی ہے جس کی تحقیق کے دوران قرآن کریم اور احادیث طیبہ کے علاوہ بہت سے اسلامی علمی

Marfat.com

ماخذوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے انہی میں ایک نومسلم انگریز خاتون محترمہ رقیہ وارث مقصود کی انگلش میں لکھی گئی کتاب "موت کے بعد زندگی" (After Death Life!) جو طہٰ پبلیکیشن اردو بازار لاہور نے پبلش کی ہے شامل ہے۔ اس کے علاوہ جناب عبدالرحمان عاجز صاحب کی کتاب "عالم برزخ" (پبلیشر رحمانیہ دارالکتب فیصل آباد) سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

19.2 محافظ فرشتے

مغربی ممالک میں مرکر زندہ ہونے والوں کے واقعات میں محافظ ارواح کا ذکر آتا ہے جو مردہ کی روح کو اگلے جہان میں لے کر جاتی ہیں۔ قرآن کریم بھی ہمیں بتاتا ہے کہ دنیاوی حیات میں ہر انسان مرد ہو یا عورت اس پر اللہ تعالیٰ نے دو محافظ فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں، جو زندگی میں انہیں شیاطین کے شر سے بچاتے ہیں، اچھے کاموں کی طرف ابھارتے ہیں اور ساتھ ساتھ اعمال کو بھی لکھتے جاتے ہیں۔ ہمارے اعمال کا یہ ریکارڈ آخرت میں ہمارے اوپر گواہی کے طور پر پیش ہوگا۔ اس میں انسانی زندگی کی ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات ریکارڈ ہے۔ جب موت کا حکم آجاتا ہے تو یہ محافظ فرشتے نفس کو اگلے جہان میں لے کر چلتے ہیں۔ یوں ان کا اور ہمارا ساتھ قیامت تک ہے۔ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے محافظ فرشتے ہمارے بہترین ساتھی ہیں، وہ ہماری بہتری کیلئے اللہ تعالیٰ سے دعائیں بھی کرتے ہیں، برائی کے خلاف ہماری ضمیر کی آواز بن کر سامنے آتے ہیں، جب ہم نیکی کا ارادہ کرتے ہیں تو فوری لکھ لیتے ہیں لیکن گناہ لکھنے میں اس وقت تک انتظار کرتے ہیں جب تک ہم اصل میں اسے سرانجام نہیں کردیتے۔

قرآن کریم میں اکثر ان فرشتوں کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل آیات قابل غور ہیں۔

"اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی موت آتی ہے، تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کے نفس کو وصول کرلیتے ہیں، اور وہ اپنا فرض اداکرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے"۔ سورۃ انعام، آیت 61

سورۃ السجدہ آیت 11 میں ارشاد ہے کہ:۔

ان سے کہو، "موت کا وہ فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے، تم کو پورا پورا اپنے قبضے میں لے لے گا، اور پھر تم اپنے رب کی طرف پلٹائے جاؤ گے"۔

سورۃ السجدہ، آیت 11

ایسی آیات کریمہ میں آسانی سے دیکھا جاسکتا ہے کہ مرکر زندہ ہونے والوں پر مغرب میں جو تحقیقات ہوئی ہیں ان میں جن ساتھی فرشتوں کا ذکر آتا ہے وہ ہمارے ساتھ پہلے ہی موجود ہیں۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل حدیث مبارکہ بتاتی ہے کہ اگر مرنے والا نیک صالح ہے تو اس کے ساتھی فرشتے اسے نہایت ادب واحترام سے لے کر اگلے جہاں کو جاتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جب ان کے والد صاحبؒ شہید ہوئے تو کافروں نے ان کے جسم کو بری طرح خراب کردیا، اس لیے ان پر ایک چادر ڈال دی گئی کہ گھر والے دیکھ نہ پائیں لیکن اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حکم دیا کہ چادر ہٹادو کہ قریبی عزیز جسم کو دیکھ سکیں۔ دیکھنے کے بعد جب میری بہن بہت زیادہ رونے لگی تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا "تم کیوں رورہی ہو، جابر پر تو اللہ کے فرشتے سایہ کیے ہوئے ہیں اور وہ اسے اٹھاکر جنت کی طرف جارہے ہیں"۔

19.3 عارضی موت کے بعد روح کی واپسی

مرکر زندہ ہونے والوں کے متعلق تمام سائنسی مشاہدات عارضی موت کے واقعات ہیں لیکن یہ سوال کہ کیا اسلام بھی عارضی موت کو مانتا ہے؟ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ قرآن کریم تو ہمیں روزانہ مرنے اور زندہ ہونے کی خبر دیتا ہے اس کے نزدیک جب کوئی آدمی سوجاتا ہے تو اس وقت اس کا نفس اس کے جسم سے علیحدہ ہوجاتا ہے اگرچہ زندگی باقی ہوتی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ روح زندہ انسان کے جسم سے علیحدہ ہوسکتی ہے اور پھر واپس بھی آسکتی ہے۔اس سلسلے میں سورۃ انعام کی مندرجہ ذیل آیت نہایت قابل غور ہے۔

> "اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے ، اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کرتے ہو، پھر تمہیں دن میں اٹھاتا ہے تاکہ مقرر میعاد پوری ہو، پھر اس کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتادے گاجو کچھ تم کرتے ہو"۔
>
> سورۃ انعام، آیت 60

مندرجہ ذیل آیت مبارک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عارضی موت کوئی عجیب چیز نہیں ہے فرمایا کہ:۔

> "وہ اللہ ہی ہے جوموت کے وقت نفوس کو قبض کرلیتا ہے ، اور جو ابھی نہیں

Marfat.com

مرا اس کی روح نیند میں قبض کرلیتا ہے، پھر جس پر موت کا فیصلہ نافذکرتا ہے اسے روک لیتا ہے، اور دوسروں کی روحیں ایک مقرروقت کیلئے واپس بھیج دیتا ہے، اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو غوروفکر کرتے ہیں"۔ سورۃ الزمرتیه، آیت 11

ایسی آیات مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ نیند کی حالت یا بیہوشی کی حالت بھی ایک طرح کی عارضی موت ہے جس میں نفس جسم کو چھوڑ دیتا ہے۔ اپنی استطاعت اور قابلیت کے مطابق زمان ومکان میں ادھر ادھر نکل جاتا ہے اور وہاں جو کچھ دیکھتا ہے اس کی یادداشت کو ہم خواب کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہ حالت نیند میں نفس بہت کچھ دیکھتا ہے اور پھر ذہن میں پہلے سے محفوظ شدہ خیالات وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے جاگتے وقت تک یہ مشاہدات دوسرے خیالات اور مشاہدات سے مل کر کچھ کے کچھ ہوجاتے ہیں۔ بہت سے مشاہدات تو جاگنے سے پہلے ہی بھول جاتے ہیں یا ذہنی خیالات اور پریشانیوں کے ساتھ مل کرنا قابل فہم تاثرات میں بدل جاتے ہیں۔

بہرحال آیت مبارک سے ثابت ہوتا ہے کہ عارضی موت کوئی عجیب بات نہیں۔ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی اور دوسرے محققین کے مشاہدہ میں جو واقعات آتے ہیں وہ گہری نیند یا بے ہوشی سے بھی آگے کے واقعات ہیں جہاں روح اتنی دور نکل جاتی ہے کہ جسم کے احساسات بھی ختم ہوجاتے ہیں لیکن اس حالت میں بھی جسم مادی طور پر مرتا نہیں بلکہ اس میں ایک خفیف سی زندگی کی لہر چلتی رہتی ہے اور نفس کا رشتہ بھی اس سے برقرار رہتا ہے۔ اس لیے موڈی وغیرہ جس حالت کو Clinical Death کہتے ہیں وہ حقیقی موت نہیں بلکہ گہری نیند یا بے ہوشی سے ملتی جلتی حالت کا نام ہے۔ اس حالت میں بھی جسم کی زندگی پوری طرح ختم نہیں ہوتی صرف روح یا شعور (Consiouness) دور نکل جاتا ہے جو اپنے اردگرد ہونے والے واقعات کو دیکھتا ہے اور بعض اوقات یاد بھی رکھتا ہے لیکن یہ خوابوں جیسا ہی معاملہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عارضی موت کے بعد اٹھنے والوں کی اکثر گڈمڈ رپورٹ ہوتی ہے جس کا ڈاکٹر ریمنڈ موڈی بھی اعتراف کرتے ہیں۔

محققین کیلئے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم متعدد بار ایسے لوگوں کے زندہ ہونے کے متعلق بھی بتاتا ہے جو ایک دوسال نہیں بلکہ سینکڑوں سالوں بعد دوبارہ زندہ ہوگئے۔ اس کے بعد وہ مدت تک دنیا میں عام انسانوں کی طرح زندہ رہے اور پھر دوبارہ فوت ہوئے۔ اس سلسلہ میں اصحاب کہف کا قصہ ایک مثال ہے وہ تین سو سال سے زیادہ عرصہ عارضی موت کی حالت میں رہنے کے بعد اٹھ پڑے۔ (سورۃ کہف آیات 8 تا 26) اس کے علاوہ قرآن کریم ایک ایسے واقعہ کا پھر ذکر کرتا ہے جس میں ایک پورے کا پورا گاؤں مدتوں سے تباہ ہوچکا تھا۔ اسے زندہ کردیا گیا (سورۃ یٰسین) نہ صرف انسانوں کا عارضی موت کے بعد زندہ ہونا بلکہ قرآن کریم حیوانوں کے متعلق بھی بتاتا ہے جو دوبارہ زندہ ہوئے۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کے زندہ ہونے کا واقعہ بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ غرض وحی الٰہی عارضی موت کی نہ صرف تصدیق کرتی ہے بلکہ کئی ایک واقعات بھی بیان کرتی ہے۔

Marfat.com

19.4 روح کے احساسات

موت کے بارے قرآن کریم سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح ثابت ہوتی ہے کہ یہ انسان کا مٹ جانا نہیں بلکہ محض اس کے جسم کی موت ہے۔ایسے ہی جیسے آپریشن سے ناکارہ اعضاء کاٹ کر پھینک دیے جاتے ہیں لیکن انسان باقی رہتا ہے۔موت کے بعد ہمارا سارے کا سارا جسم بیکار ہوجاتا ہے لیکن آدمی کی شخصیت اس کے بعد بھی زندہ رہتی ہے اوراس کے احساسات ختم نہیں ہوتے۔یہ وہ اساسی مشاہدات ہیں جن کی تصدیق عارضی مرنے کے بعد زندہ ہونے والے بار بار کرتے ہیں۔یہی بات قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مستقل موت کے بعد شعور زندہ رہتا ہے، انسان کی یادداشت اس کے ساتھ رہتی ہے اور وہ اپنے پیچھے رہنے والوں کو نہیں بھولتا۔مندرجہ ذیل آیت خاص طور پر شہداء کے متعلق ہے ارشاد ہے کہ:۔

"مت سوچو کہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہوئے وہ مرگئے ہیں، نہیں وہ زندہ ہیں، انہیں ان کے رب کے ہاں سے رزق دیاجاتا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے رزق پاکر بہت خوش ہوتے ہیں، اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ ، ان کے اوپر نہ کوئی غم ہے نہ خوف"۔ سورۃ آلِ عمران، آیت 156

اسی طرح قرآن کریم کی کئی دوسری آیات اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام نیک لوگ موت کے بعد اپنے اپنے مقام میں خوش ہوتے ہیں اور اپنے پیچھے رہنے والوں کے متعلق ان کی فکر ہوتی ہے کہ وہ بھی راہ راست پر چلیں تاکہ جب وہ اپنے نئے جہاں میں آئیں تو خوش رہیں۔جدید محققین کے مشاہدات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والوں کی یادداشت قائم رہتی ہے انہیں گردوپیش میں ہونے والے حالات وواقعات کا بھی شعور ہوتا ہے۔اس ضمن میں قرآن کریم حیات بعد الموت پر تحقیق کرنے والے سائنسدانوں کو بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد زندگی کا شعور مزید کھل کر سامنے آجاتا ہے اور حقیقت کے ادراک کی صلاحیت بھی بہت بڑھ جاتی ہے۔فرمایا:۔

"تمہیں غافل رکھتی ہے کثرت کی حرص یہاں تک کہ تم قبروں کو جا پہنچو گے، اس کے بعد تم جان لوگے (کہ حقیقت کیا ہے؟) پھر سن لو تمہیں حقیقت کا پتہ چل جائے گا، ہرگز نہیں، بلکہ تم یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھو گے"۔

سورۃ التکاثر، آیات 1-5

Marfat.com

19.5 مردوں کے سننے، دیکھنے اور جواب دینے کی صلاحیت

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ موت کے بعد انسان کی باطنی آنکھ کھل جاتی ہے اور انسان حقیقت کو حقیقت کے رنگ میں دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ اپنی اس نئی حالت میں وہ پہلے سے مرے ہوئے لوگوں کے نفوس، فرشتوں اور جنات کو دیکھ سکتا ہے۔ اپنے ماحول سے آگاہ ہوتا ہے اور لوگوں کی باتوں کو سنتا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اپنی بات کسی کو نہیں سنا سکتا۔

حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث مبارک بھی تصدیق کرتی ہیں کہ انسان کا شعور یادداشت اور ماحول سے آگاہی موت کے بعد بدستور زندہ رہتیں ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ جنگ بدر کے بعد حضور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اس کنویں کے پاس گئے جس میں کفار کی لاشیں ڈالی گئیں تھیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ایک ایک کافر کا نام لے کر پکارتے تھے اور پوچھتے کہ " کیا تم نے دیکھ لیا کہ حق کیا ہے؟" جب حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ " حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کیا مردہ بھی سن سکتے ہیں؟" تو آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا "ہاں، البتہ زندہ انسان ان کی بات نہیں سن سکتے"۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا، " جب لوگ قبروں میں رکھے جاتے ہیں تو وہ پاس کھڑے لوگوں کے قدموں کی چاپ تک کو سنتے ہیں لیکن ہم ان کی چیخ وپکار کو نہیں سنتے "۔ (مسلم۔ابوداؤد)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے یہ بھی مروی ہے کہ " مرنے کے بعد انسان کا نفس فرشتوں کی معیت میں جنازے کے ساتھ ساتھ جا رہا ہوتا ہے، اگر وہ نیک ہے تو کہتا ہے جلدی کرو، اگر بد ہے تو خوف کے مارے چاہتا ہے کہ اسے دفن نہ کیا جائے۔"

حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ خبر بھی دی کہ "جب نفس جسم کو چھوڑ دیتا ہے اس وقت وہ سب کچھ دیکھتا ہے اپنی لاش کے اردگرد موجود لوگوں کو پکارتا ہے۔ ان کے ذہن میں آنے والے خیالات تک سمجھ رہا ہوتا ہے لیکن اتنا مجبور ہوتا ہے کہ اپنی بات کسی کو سمجھا نہیں سکتا۔ قبر کے حالات کے سلسلہ میں بتایا گیا ہے کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر مٹی ڈال دی جاتی ہے تو نفس کو بٹھا لیا جاتا ہے اور دو فرشتے وہاں آتے ہیں اور اس سے اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر وہ صحیح جواب دے تو اس کیلئے جنت سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا باغی تھا تو جہنم کی کھول دی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم برزخ محسوسات کا عالم ہے اور نفوس اپنے اپنے اعمال کے مطابق وہاں رہتے ہیں۔

19.6 پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات

اسلامی روایات سے یہ بات بھی ثابت شدہ ہے کہ موت کے وقت فرشتوں کے علاوہ مرنے والے کے پہلے سے مرے ہوئے عزیزوں اور دوستوں کی ارواح بھی آتی ہیں تا کہ آنے والے اجنبی حالات میں اس کا دل بہل جائے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت محمد بن وصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

Marfat.com

وفات کے وقت حضرت ابن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود تھے۔اس وقت محمد بن وصیؓ نے فرمایا کہ "اے میرے رب کے فرشتو خوش آمدید"۔ (حوالہ "موت کے بعد کی زندگی"، مصنفہ محترمہ رقیہ وارث مقصود) مصنفہ موصوفہ اپنا ایک ذاتی واقعہ لکھتی ہیں کہ "جب میری دادی صاحبہ انتقال کررہی تھیں میں نے ان کے بستر کے پاس ایک موہوم سایہ دیکھا جو مجھے ان کی والدہ معلوم ہوئیں۔اتنے میں دادی صاحبہ نے کہا" کیا ماں اب میں آسکتی ہوں؟"اور پھر وہ فوت ہوگئیں۔یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی والدہ کی روح ان کی تسلی کی خاطر وہاں آئی ہوئی تھی اور مرنے والی سے باتیں بھی کررہی تھی"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک آدمی جو تھوڑی دیر پہلے ہی فوت ہوا تھا کے متعلق فرمایا کہ "وہ اپنے مومن بھائی بندوں کے ساتھ بہت خوش ہے "۔ ابوہریرہؓ ہی سے ابونسائی میں روایت ہے کہ "جب ایک مومن فوت ہوجاتا ہے اس وقت فرشتے کپڑے کی ایک سفید چادر کے ساتھ آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اچھے نفس آئو، اللّٰہ تعالیٰ آپ سے راضی ہے اور تم اللّٰہ تعالیٰ سے راضی۔ اپنے رب کی طرف آؤ پھر حکم ہوتا ہے اس کے بندوں میں داخل ہو جاؤ۔ میری جنت میں داخل ہو جاؤ''۔ فرشتے اس کو لے کر چلتے ہیں اور خوش آمدید کرتے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ جنت کے دروازہ پر پہنچ جاتا ہے وہاں کے فرشتے کہتے ہیں کیا خوبصورت دلفریب خوشبو تم زمین سے لے کر آئے ہو۔ وہ اسے وہاں پہلے سے موجود مومنوں کی روحوں سے ملاقات کیلئے لے جاتے ہیں جو اسے مل کر بہت خوش ہوتے ہیں، ایسے ہی جیسے انسان دنیا میں مدت کے بعد اپنے کسی بچھڑے عزیز سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔ (النسائی)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جو کہ ایک مشہور اور نامور صوفی عالم بزرگ گزرے ہیں، انہوں نے اپنے والد محترم حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (متوفی 1763ء) کے واقعات حالات اور ان کے بزرگوں کے حوالہ سے یادداشتوں پر مشتمل کتاب "ملفوظات شاہ عبدالعزیز" کے نام سے لکھی ہے جس کی تلخیص محمد موسیٰ بھٹو نے اپنی کتاب "اللہ کی محبت کا نصب العین" مطبوعہ سندھ نیشنل اکیڈمی B-400 لطیف آباد حیدرآباد نے کی ہے۔شاہ عبدالعزیز موت کے وقت خصوصی لوگوں سے ملاقات اور بخشش کی خوشخبری کے متعلق ایک ذاتی مشاہدہ اپنی کتاب کے صفحہ 56 پر لکھتے ہیں کہ "جس وقت میں پرانی دہلی میں رہتا تھا، ایک سید صاحب کے گھر میں ایک جاہل پوربن باندی کو دیکھا، میرے خیال میں اس نے عمر بھر کبھی نماز نہ پڑھی ہوگی، لیکن چونکہ بڑھیا تھی اور بزرگ کے صاحبزادوں کی پرورش اس نے کی تھی، اس لیے وہ اس کی بہت خاطر مدارت کرتے تھے۔جب اس باندی کی موت کا وقت قریب آیا، ایک آواز اس کے منہ سے مشرقی لہجہ کے انداز پر نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی مگر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی، تمام حکیموں کو بلا کر پوچھا، کسی نے نہ سمجھا، سب سے آخر میں میرے چچا جن کا نام شاہ اہل اللہ تھا کو بلایا گیا، انہوں نے آ کر معلوم کیا کہ یہ کہتی ہے کہ

"لاتخافی ولاتحزنی" یعنی "اے عورت تو کچھ خوف نہ کراور غمگین نہ ہو"۔لوگوں نے شاہ صاحب سے کہا کہ آپ اس سے یہ پوچھیں کہ وہ ایسا کیوں کہتی ہے؟اس نے شاہ صاحب کو بتایا "ایک جماعت کھڑی میرے سامنے یہی کہہ رہی ہے"۔پھر پوچھا،اس کے کیا معنی ہیں؟ کہا معنی نہیں جانتی ہوں، اتنا معلوم ہے کہ اس جماعت کے لوگ میری تسلی کیلئے یہ کلمے کہتے ہیں"۔اس خاتون سے پھر پوچھا گیا کہ ان جماعت والوں سے پوچھ کہ کون سے عمل کی وجہ سے یہ تیری تسلی کرتے ہیں؟ بہت دیر کے بعد کہا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ تونے کچھ نماز، روزہ وغیرہ نیک کام تو نہیں کیا ہے،مگر ایک دن جاڑے کے موسم میں بازار سے تیل لینے کیلئے گئی تھی، اس تیل میں سے ایک روپیہ نکلا، اول تو نے یہ چاہا کہ چپ چاپ اپنے کام میں لے آؤں اس لیے کہ کسی کو خبر تو ہے ہی نہیں، پھر غور کیا کہ نہیں، اللہ تعالیٰ تو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے وہ روپیہ، روپیہ والے کو واپس کر دیا، صرف یہ کام تیرا اللہ کو پسند آیا ہے، اسی کے بدلہ میں ہم تجھ کو خوشخبری دیتے ہیں کہ تو کچھ خوف مت کر اور کچھ غمگین نہ ہو"۔(صفحہ 56)

19.7 روح نکالنے میں غلطی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے ذاتی مشاہدات سے ایک اور حیرت انگیز واقعہ کسی ہندو کے مرکر زندہ ہونے کا لکھتے ہیں۔جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بعض اوقات روح نکالنے والے فرشتوں کو غلطی بھی ہوسکتی ہے لیکن جب روح کو بڑے فرشتہ یعنی عزرائیل علیہ السلام کے سامنے پیش کرتے ہیں تو وہ ان کی غلطی پکڑ کر واپس لوٹانے کا حکم دیتے ہیں۔لکھتے ہیں کہ "ایک طبیب نے آکر عرض کیا کہ آج ایک عجیب واقعہ ہوا۔نواب نوازش علی خان کے چپڑاسی نے اپنے والد کی علالت کی خبر پا کر رخصت حاصل کی تھی۔چپڑاسی کے پہنچنے کے دوتین دن کے بعد اس کے والد کا انتقال ہوگیا۔جب اس کو آگ میں جلانے لگے وہ زندہ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا کہ وہ مجھے ننگے پاؤں کانٹوں پر لے جارہے تھے، مجھے نقیب (فرشتہ) کے پاس لے گئے تو ان بزرگ نے فرمایا کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے جسے میں نے طلب کیا تھا، پس مجھے رہا کر دیا گیا۔" یہ واقعہ بتانے کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بتایا کہ اس معاملہ میں فرشتوں کو روح قبض کرنے میں مغالطہ ہوا تھا۔اس حکیم نے عرض کیا کہ کیا ایسا ہوتا ہے؟ فرمایا کہ بہت موقعوں پر میں نے ایسا سنا ہے۔فرشتوں کو روح نکالنے میں غلطی ہوسکتی ہے" لیکن یہ کیوں ہوتی ہے میں نہیں جانتا۔(حوالہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

شاہ عبدالعزیز صاحب ہی اپنے والد صاحب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (صفحہ 120۔محمد موسیٰ۔اللہ کی محبت کا نصب العین) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ حضرت والد ماجد کے متوسلین میں سے ایک عورت تھی، جس کا نام لاڈلی خانم تھا۔ہم بچوں سے اس کو بڑی انسیت تھی۔ہم بھی اس سے فارسی قصوں کی فرمائش کرتے تھے اور فارسی گوئی اس مغلانی سے ہم نے سیکھی تھی۔الغرض دوسری عورتوں کی طرح وہ مغلانی بھی حضرت قطب صاحب کی زیارت کو گئی، وہاں وہ بے ہوش ہوگئی اور علامات موت اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔جب اس کو دفنایا جارہا تھا تو حضرت صاحب نے دیکھا کہ اس نے آنکھیں کھول دیں اور زندہ ہوگئی، دوتین دن بعد اس کو دہلی لائے اور اس سے واقعہ دریافت کیا، اس نے کہا کہ "میرے پاؤں کے انگوٹھے میں ایک سرسری معلوم ہوئی اور میں بے ہوش ہوگئی اور مجھے ایک جگہ لے جایا گیا، وہاں ایک بزرگ نے لے جانے والوں سے کہا کہ اس لاڈلی خانم کو ہم نے طلب نہیں کیا تھا بلکہ لاڈلی خانم بنت فلاں کو طلب کیا تھا، پھر مجھے رہا کر دیا گیا"۔جب تحقیق کی گئی تو اسی وقت دوسری لاڈلی خانم

Marfat.com

کی وفات ہوئی۔اس لاڈلی خانم کی قوت حواس جاتے رہے تھے، کھانے اور پھلوں کے ذائقہ تک بھول چکی تھی۔ گویا اب وہ لاڈلی خانم اپنی قدیم خصوصیات کے ساتھ نہیں تھی اور ترش چیزیں زیادہ کھاتی تھی۔ اگر چہ دو تین سال تک زندہ رہی لیکن ہمارے خیال سے جا چکی تھی، کیونکہ اس کی تمام حرکات وسکنات خوش لہجہ اور فطانت وسخن فہمی وغیرہ صفات اب اس میں باقی نہ تھے۔اس واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض اوقات نکالنے والے فرشتوں کو مغالطہ لگ سکتا ہے۔(صفحہ 120۔محمد موسیٰ۔اللہ کی محبت کا نصب العین)

19.8 جسم اور روح کا تعلق

مندرجہ ذیل میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب اپنے مشاہدات سے بتاتے ہیں کہ مرنے کے بعد روحوں کا اپنے جسم کے ساتھ کچھ عرصہ کیلئے تعلق قائم رہتا ہے۔اس سلسلہ میں ان کا مندرجہ ذیل بیان نہایت قابل غور ہے۔

"ایک مرید نے پوچھا کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا نہیں۔اگر چہ جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے یہ تعلق روح مع الجسم ہر آدمی کیلئے ہے یا خاص کر اولیاء کی خصوصیت ہے؟"۔ارشاد فرمایا کہ "جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے وہاں تعلق روح کا ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تیس سال کے بعد روح کا تعلق کم ہو جاتا ہے، مگر بعض اولیاء جن کیلئے خدا تعالیٰ کو فیضان معرفت منظور ہوتا ہے زیادہ مدت تک یہ تعلق روح باقی رہتا ہے"۔(صفحہ 134۔محمد موسیٰ۔اللہ کی محبت کا نصب العین)

جہاں تک موت کے بعد پہلے سے مرے ہوئے لوگوں سے ملاقات کا تعلق ہے اس کے بارے میں یوم الدین کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس دن زمان ومکان میں ہر جگہ کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا۔ارشاد ہے کہ:۔

> "ایک دن وہ ذات پاک سب کو اکٹھا کرنے والی ہے، اس وقت انہیں ایسا معلوم ہوگا جیسے انہوں نے ، ایک گھڑی سے بھی کم عرصہ انتظار کیا ہے، اور وہ سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہوں گے"۔ 10(45)

جیسا کہ ہم کئی بار پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ عالم برزخ اور یوم آخرت کی خوشیاں سب کیلئے یکساں نہیں ہیں۔جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور مخلوقات کو تکلیف پہنچائی اپنے بد اعمال کی وجہ سے ان کیلئے مرنے کے بعد کی زندگی نہایت خوفناک ہو سکتی ہے۔سائنسی تجربات میں بھی یہی بات سامنے آئی ہے کہ کئی ایک مرنے والے وہاں بہت زیادہ خوف زدہ تھے۔اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:۔

> "اگر کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اس کا احسن بدلہ ملے گا، جو برائی کرتا ہے اس

Marfat.com

کیلئے برائی کے مطابق سزا ہے"۔ (84)28

یہ ہے مومن کی موت کی شان۔ گھر والے اس کے جانے کی وجہ سے پریشان ہوتے ہیں لیکن وہ وہاں خوش ہوتا ہے۔ پرانے ساتھیوں سے ملتا ہے۔ دوسرے نیک لوگوں سے ملتا ہے، فرشتے اس کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ کسی مرنے والے نیک مرد یا عورت کو اگر کوئی پریشانی ہوتی ہے تو وہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماں، باپ، بھائی، بہن یا اولاد کے غم کو دیکھ کر غمزدہ ہو جاتا ہے، ورنہ اس کیلئے وہ زندگی ایسی ہے کہ وہ وہاں سے کبھی واپس نہیں آنا چاہتا۔ سائنسی تجربات سے بھی یہی ثابت ہوئی ہے کہ بعض ارواح مرنے کے بعد دوبارہ اپنے جسم کی دنیا میں آنا نہیں چاہتیں۔

19.9 مردوں کا خوابوں میں ملنا

یہ سوال کہ کیا مستقل طور پر مرنے والے واپس آ کر دنیا کے لوگوں کو مل سکتے ہیں، اسلامی روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ مردے خوابوں میں آ کر اپنے عزیزوں کو ملتے رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب خلیفہ حضرت عبدالعزیز بن سلیمان فوت ہوئے تو اپنے ایک دوست کو خواب میں ملے، جنہوں نے ان سے موت کے بعد کے حالات پوچھے۔ عبدالعزیز نے بتایا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں معاف فرما دیا۔ اس کی رحمت نے ہمارے سارے گناہ چھپا لیے۔ صرف ہمیں اس کی مہربانی ہی مہربانی ملی ہے"۔ **(L.Mabrouk. "Soul Journey After Death" - Daral-Taqwa-PSO)**

اوپر دی گئی بحث سے آپ نے دیکھا ہے کہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں مر کر زندہ ہونے والے لوگوں کے حوالہ سے ارواح پر تحقیقات سے جو باتیں سامنے آئیں ہیں وہ بڑی حد تک قرآن کریم اور نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث میں دی گئی خبروں سے مطابقت رکھتی ہیں۔ یوں جدید تحقیقات اور مشاہدات کو دراصل اللہ تعالیٰ کی کتاب اور صاحب کتاب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرمودات کی مزید تشریح اور تصدیق کہا جا سکتا ہے۔ یہ سب قطعی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ آدمی کے نفس کو موت نہیں اور قیامت کے بعد یوم الدین کو ہمارے جسمانی اجزاء بھی دوبارہ زندگی پائیں گے۔ اگرچہ یہ بکھر کر ایٹم ایٹم ہی کیوں نہ ہو گیا ہو اور تمام کائنات میں گم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایک ایٹم کو اکٹھا کرے گا اور پھر سے وہی جسم پیدا کر دیا جائے گا جس کو ہم نے کبھی چھوڑا تھا۔ 1990ء کے بعد فزکس میں ہونے والی دریافتوں سے بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ ہر ذرے کا ایک یادداشت سسٹم ہے، اگرچہ وہ اربوں میل علیحدہ علیحدہ بھی ہو جائیں تب بھی ایک دوسرے کے حالات سے واقف رہتے ہیں۔ اس کے متعلق حکم ربی ہے کہ:۔

"کیا یہ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم ان کی ہڈیوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرسکتے؟
یہ توکوئی بات ہی نہیں، ہم تو ان کے انگلیوں کے نشانات تک کو بحال

کریں گے"۔(4-3)75

اس آیہ مبارک میں انگلیوں کے نشانات (Finger Prints) والی بات پر غور فرمائیے۔ جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا انسان نے ان نشانات کی اہمیت کے بارے میں کبھی سوچا تک بھی نہیں تھا۔ ان کی انفرادیت اور پیچیدگی ایسی ہے کہ دنیا میں کوئی سے دو انسانوں کی انگلیوں کے نشانات ایک سے نہیں ہو سکتے۔ سبحان اللہ، جب ہمارے اجسام دوبارہ وجود میں لائے جائیں گے تو ہماری دراصل کے ہو بہو مطابق ہوں گے حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات تک بھی وہی ہوں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ کرنے کے قابل ہے ہمیں اس کی رحمت پر یقین رکھنا چاہیے اور موت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیک روحیں جسم سے علیحدہ ہو کر ایسے سکون محسوس کرتی ہیں جیسے کوئی قیدی جیل سے رہائی پا کر خوش ہوتا ہے۔ البتہ جو لوگ جان بوجھ کر کافر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کر رہے ہیں ان کیلئے ڈرنے کی بات ضرور ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "مومن کے لئے یہ دنیا مانند جیل ہے اور گنہگار کے لئے وہ دنیا۔"

19.10 برزخ سے روحوں کا خواب میں آ کر ملنا اور پیغام دینا

عالم برزخ سے آ کر ارواح کا اپنے اوپر گزرنے والے حالات کا بذریعہ خواب بتانا بھی ثابت شدہ بات ہے۔ جو لوگ نفس مطمئنہ رکھتے ہیں چونکہ وہ شر اور گمراہی سے مبرا ہوتے ہیں اس لیے ان کا شعور اور ذہن بھی پاک ہوتا ہے۔ ایسے بزرگوں کو جب خوابوں میں مردہ افراد کی روحیں ملتی ہیں اور کوئی پیغام دیتی ہیں تو وہ احوال کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کے برعکس نفس امارہ والے لوگ جن کی اکثریت ہے، ان کا شعور دنیاوی خیالات سے پراگندہ ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے خوابوں میں ان کے ذہن کی طرف سے کئی طرح کے وسوسوں کی ملاوٹ ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ صبح ہونے تک ان کے خواب پراگندہ ہوتے ہیں۔

بہر حال روحوں کا خوابوں میں آ کر ملنا ایک حقیقت ہے اور اسلامی بزرگوں کے مشاہدات کا ایک خاص حصہ ہے۔ مندرجہ ذیل میں ہم حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات پر مشتمل کتاب فوائد الفوائد ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو صفحہ 342 سے ایسا ہی ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ "فرزوق نامی ایک شاعر تھا، ایک مرتبہ وہ حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر تھے، اس وقت کسی نے زور سے پکار کر کہا کہ لوگوں میں سے ایک بہترین آدمی اور لوگوں میں سے ایک بدترین شخص اس مجمع میں موجود ہیں۔ فرزوق شاعر نے یہ سنتے ہی حضرت بصریؒ سے کہا کہ آپ نے اس شخص کی آواز سنی، خواجہ حسن بصریؒ نے ایجاب کیا اور ارشاد فرمایا کہ واللہ اعلم۔ اس مجمع میں اچھا اور برا کون ہے؟ فرزوق نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس مجمع میں بدترین مرد میں ہوں۔ جب فرزوق کا انتقال ہوا، کسی نے خواب میں ان کو دیکھا۔ پوچھا اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا، فرزوق نے کہا جب مجھے قاضی قضا کے روبرو لے گئے تو میں ڈرنے لگا۔ اسی وقت فرمانا ہوا کہ "ہم نے تمہیں اس روز بخش دیا تھا جس روز تو نے خود کو بدترین مرد سمجھا تھا"۔

Marfat.com

19.11 مسئلہ آواگون اور برزخ

جہاں تک یہ سوال کہ مرنے کے بعد روح یا نفس کہاں رہتا ہے، قرآن کریم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام مرنے والوں کی روحیں ایک پردہ کے پیچھے ہیں جسے برزخ کہا گیا ہے۔ ایک دفعہ جو وہاں پہنچ گیا پھر دنیا میں وہ کسی اور جسم میں واپس نہیں آسکتا (اِلاّ ماشاء اللہ)۔ البتہ برزخ ایک بہت بڑی دنیا ہے جس میں تمام روحیں اپنے اپنے اعمال کے مطابق مختلف حالات اور درجات کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔ ان میں بہت سی روحوں کو اللہ تعالیٰ آزادی دیتا ہے اور بہت سی مقید بھی ہوتی ہیں۔ بہت سی بھوت بن کر اسی زمین پر سرگرداں ہیں، لیکن ایک دفعہ مرنے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا ممکن نہیں، اس کے بارے مندرجہ ذیل قرآنی آیت بین ثبوت ہے:۔

”یہاں تک کہ جب ان (کافروں) میں سے کسی کو موت آتی ہے تو کہتا ہے، اے میرے رب! مجھے واپس بھیج دیجئے، تاکہ میں نیک عمل کروں اس میں جسے میں چھوڑ آیا ہوں، جواب ہوگا، ہرگز نہیں، یہ تو بس ایک بات ہے، جو وہ فضول کہہ رہے ہیں اب ان کے پیچھے ایک برزخ حائل ہے، وہ اس میں قیامت کو اٹھنے تک رہیں گے“۔ سورۃ المومنون، آیت 99-100

اس آیت مبارکہ سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ اسلام مسئلہ آواگون کو نہیں مانتا کہ روحیں واپس اجسام میں ایک جنم سے دوسرے جنم میں آتی ہیں اور یوں بہتر اعمال کر کے نروان حاصل کرسکتی ہیں۔ یہ سب دھوکہ ہے، اگر کہیں ایسا واقع نظر بھی آتا ہے تو یہ بھوتوں اور جنات کی وجہ سے ہوسکتا ہے۔ دنیا میں انسان کیلئے صرف ایک ہی پیدا ہونا ہے اور یہی ایک زندگی ہے جتنی چاہے اور جو چاہے کمائی کر لے۔ یہاں پر نیا دن اس کے لئے نئے مواقع لے کر نکلتا ہے۔ چاہے تو اسے برائی میں گذار دے چاہے اچھائی میں، لیکن پھر بھی مرتے دم تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اس کے بعد آخرت کا گھر ہے۔ یوم حشر کو انسان اور جنات، زمان و مکان کے کونے کونے سے مقرر مقام کی طرف خود بخود دوڑتے آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

”اے نبی (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) ان لوگوں سے کہو، یقینا اگلے اور پچھلے سب ایک دن ضرور جمع کیے جانے والے ہیں، جس کا وقت مقرر کیا جاچکا ہے“۔ سورۃ الواقعہ، آیت 50

Marfat.com

مناسب معلوم یہ ہوتا ہے کہ مسئلہ آواگون کی حقیقت کو بھی دوبارہ مختصراً واضح کردیا جائے۔ یہ ہندو اور بدھ مت کے عقائد کا حصہ ہے اور انسان کیلئے بار بار کی موت اور بار بار کی زندگی بتاتا ہے مثلاً ایک آدمی نے اگر زندگی میں اچھے اعمال کیے ہیں تو اپنے دوسرے جنم میں انعام کے طور پر وہ کسی ایسے گھر میں پیدا ہوگا جہاں زندگی کے پہلے سے بہتر مواقع میسر ہوں گے، اس کے برعکس اگر وہ ایک برا آدمی تھا تو بدقسمتی کے حالات میں پیدا ہوگا، اگر بہت ہی برا تھا تو اگلے جنم میں سزا کے طور پر کتا، بلا، سور غرض کوئی بھی ذلیل مخلوق بن کر اپنے گناہوں کی سزا بھگتے گا یوں آواگون کے مطابق انسان بار بار پیدا اور مرتا رہتا ہے۔ اگر کئی زندگیوں میں مسلسل اچھے اعمال کرتے جائے گا تو آخر کار نروان پالے گا یعنی خدا کی ذات کا حصہ بن کر ہمیشہ کے لئے سکون پالے گا۔

قرآن کریم سے ثابت ہوتا ہے کہ آواگون کا یہ نظریہ غلط ہے۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہ ہیں۔

آواگون کے مطابق قیامت اور جزا سزا کے دن کی ضرورت نہیں۔ دنیا یونہی چلتی رہتی ہے اور لوگ اپنے کیے کا بدلہ اپنے جنم کی صورت میں پاتے رہتے ہیں۔ یہ ہندوؤں کے اس نظریہ کے مطابق ہے کہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، کوئی قیامت نہیں ہوگی۔ حالانکہ ہمیشہ سے ہمیشہ والی کائنات کا نظریہ سائنسی بگ بینگ (Big Bang) تھیوری نے بھی غلط ثابت کردیا ہے۔ اگر کائنات ہمیشہ سے نہیں تو آواگون ہمیشہ سے کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر کبھی روح ایک ہی تھی تو پھر آواگون کے پھندے میں پھنسنے والی آج کی 6000 ملین روحیں کہاں سے آگئیں؟

سائنسی طور پر بھی یہ ایک مضحکہ خیز تھیوری ہے مثلاً اگر کوئی آدمی کتا یا بلا بن کر پیدا ہوتا ہے تو اسے کتے والی زندگی سے نکلنے کا سبب کیا ہوگا؟ اس کے لئے اس کتے کو اچھے اعمال کرنا چاہئے۔ کتے کے اچھے اعمال کیا ہوں گے؟ جو کتا بن گیا اب وہ ہمیشہ کتا ہی رہے گا، جو درخت کی روح میں پیدا ہوا وہ درخت ہی رہے گا۔ اس لیے روحوں کا بار بار نئی حالتوں میں جنم لینا ناممکن ہے۔ اسی طرح اگر ایک اعلیٰ اعمال کا آدمی اعلیٰ تر مخلوق کی شکل میں پیدا ہوتا ہے تو وہ کون سی مخلوق ہوگی؟ اگر آدمی ہی پیدا ہونا تھا تو اپنی آدمیت میں تو تمام لوگ برابر ہیں۔

مسئلہ آواگون کے رد میں ایک دلیل دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی ہے، اگر آواگون صحیح ہوتا تو دنیا کی آبادی کو یکساں رہنا چاہیے بلکہ بڑھتی ہوئی برائی کے پیش نظر کم ہوتا جانا چاہیے۔ چنانچہ آواگون کا مسئلہ ایک غیر سائنسی نظریہ ہے لیکن افسوس کہ پھر بھی کچھ لوگ گمراہ فلاسفروں کے زیر اثر اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

بعض دفعہ اس کے ثبوت میں یہ تاویل دی جاتی ہے کہ کبھی کبھی ایسے بچے پیدا ہوئے ہیں جو اپنے پہلے جنم کی باتیں بتاتے ہیں لیکن اس کی اصل وجہ جنات اور بھوت بھی ہوسکتے ہیں جو بچے پر چڑھ جاتے ہیں اور کسی دوسرے ماحول کی خبریں دیتے ہیں جن میں سے وہ پہلے رہتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب عامل ان بھوتوں کو اتار دیتا ہے تو بچہ نارمل ہوجاتا ہے۔

19.12 برزخ اور برزخی حیات

اب برزخی حیات کے بارے میں کچھ بیان کرنا ضروری ہے۔ جیسے کہ سورۃ المومنون کی آیت مبارکہ 100 میں بیان کیا جاچکا ہے، برزخ

Marfat.com

ایک پردہ (Barrier) کا نام ہے۔قرآن پاک کی سورۃ الرحمٰن میں سمندروں میں میٹھے اور کھارے پانی کے درمیان رکاوٹ کو بھی برزخ کا نام دیا گیا ہے۔فرمایا:۔

''اس نے دو سمندر بنائے کہ ایک دوسرے سے ملتے ہیں، نہ کھارا میٹھے میں ملتا ہے، نہ میٹھا پانی کھارے میں ملتا ہے، ان کے درمیان برزخ ہے کہ ایک دوسرے پر چڑھ نہیں دوڑتے''۔ سورۃ الرحمن، آیت 20-18

اوپر دی گئی آیات سے یہ بات عیاں ہے کہ برزخ موجودہ زمان و مکان سے باہر کسی دوسرے مقام کا نام نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی بے آباد جزیرہ یا پہاڑ ہے بلکہ زمان و مکان کی کوئی اور سمت (Dimension) ہے جس کا دروازہ آدمی پر موت کے وقت کھل جاتا ہے۔قرآن کریم میں اس کی مثال رات اور دن سے بھی دی گئی ہے۔دونوں الگ الگ حالتیں ہیں اور اگر فضا کے اوپر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے جیسے یہ دونوں ایک دوسرے کے آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں لیکن یہ ناممکن ہے کہ اپنے درمیانی پردہ کو پھاڑ کر ان میں سے کوئی دوسرے پر چڑھ جائے۔سائنسی تحقیقات کے مطابق ہماری چار سمتی دنیا کے علاوہ کائنات میں زیادہ سمتوں والی دنیائیں بھی موجود ہوسکتی ہیں کوئی پتہ نہیں کہ انسان کب برزخ کو عبور کر کے ان دنیاؤں میں پہنچنے کا علم بھی حاصل کر لے۔

19.13 برزخی حیات میں داخلہ

اسلامی تعلیمات کے مطابق مرنے والے عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں۔زندہ انسانوں کیلئے جسمانی کثافت کی وجہ سے اسے عبور کرنا مشکل ہے البتہ نیند کے عالم میں جب نفس اپنے جسم کو چھوڑ دیتا ہے تو اپنی استطاعت کے مطابق برزخ میں بھی جھانک لیتا ہے۔لیکن جسم سے باندھی زنجیر کی وجہ سے زیادہ دور نہیں جاسکتا۔اس کی مثال ایک گھوڑے کی سی ہے جو ایک رسی سے مضبوط کھونٹے سے باندھا گیا ہو، یہ صرف اپنی رسی کی درازی کی حد تک ہی کھونٹے سے دور جاسکتا ہے تاوقتیکہ رسی ٹوٹ جائے اور یہ کھونٹے سے آزاد ہوجائے۔

مغربی محققین کے مشاہدہ میں آنے والے قریب المرگ اور عارضی طور پر مرنے والوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی رسی دراز کردی گئی اور وہ یوں برزخ میں تھوڑی دور نکل گئے تھے چونکہ رسی ابھی ٹوٹی نہیں تھی اس لیے واپس آگئے، ایسے لوگوں کو برزخی حیات کا مشاہدہ تو ضرور ہوتا ہے لیکن اس میں شمولیت کا موقع نہیں ملتا۔یہ موقع اصل موت کے بعد ہی ملتا ہے جب واپسی کے دروازے بند ہوجاتے ہیں۔ہوش و حواس میں رہتے ہوئے اگر کسی ہستی نے پورے عالم برزخ کی سیر کی ہے تو وہ ذات پاک صرف حضور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جس کی تفصیلات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں ماضی اور مستقبل دونوں طرف گئے اور لوگوں کے حالات ملاحظہ فرمائے۔تمام گزرے ہوئے نبیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات ہوئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ

Marfat.com

سلم نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرشتوں اور ارواح سے بھی بلاواسطہ ملاقات ہوئی اور رب العالمین کے دیدار کی نعمت بھی پائی۔

19.14 برزخی حیات کی تنظیم

احادیث اور مسلمان بزرگوں کے مشاہدات اور تحقیق کی بنا پر برزخ کی جو مجموعی تصویر بنتی ہے وہ کچھ یوں ہے۔

برزخ مرنے والوں کی دنیا ہے جس کی آبادی بڑھتی ہی جارہی ہے، وہاں بھی بڑی رونقیں ہیں، بے شمار مقامات اور درجات ہیں، کچھ میں جنت کے حالات ہیں اور کچھ میں دوزخ کے، مرنے والے وہاں اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا یا سزا کے احساس میں رہتے ہیں لیکن جیسے دنیاوی حیات میں بیماری یا تکلیف آدمی کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے، یوم الدین سے پہلے برزخی زندگی کی تکالیف بھی دراصل آدمی کیلئے نعمت ثابت ہوتی ہیں اور اس کے بہت سے گناہوں کا کفارہ ثابت ہوں گی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں برزخی حیات میں عذاب کی آیات کے بعد ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" اگر ان کی وجہ سے انسان کے گناہ دھل جاتے ہیں تو یقیناً یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اس کی مثال ہسپتال میں مریض کے آپریشن سے دی جاسکتی ہے اگرچہ یہ تکلیف دہ ہے لیکن مریض کی اسی میں خیر خواہی ہے۔

نفوس کی استطاعت کے مطابق برزخی حیات میں لوگوں کو ادھر اُدھر جانے کی اجازت ہے۔ وہاں کے رہنے والے آپس میں بات چیت، میل جول بھی رکھتے ہیں۔ دنیا کے حالات سے بھی باخبر رہتے ہیں۔ ایک خطے سے دوسرے خطے تک آجاسکتے ہیں۔ عالم برزخ میں اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام علیہ السلام کے مدارج سب سے اعلیٰ ہیں۔ ان کے بعد صدیقین، شہداء، اور صالحین اور ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے مقامات ہیں جو اپنی دنیاوی حیات میں عقل وشعور سے اللہ تعالیٰ کی گواہی (شہادت) دیتے ہیں اور اس کی راہ میں اپنی جان تک بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ ایسے خوش نصیبوں کی برزخی حیات بڑی بھرپور ہے اور وہ وہاں بہت خوش ہیں۔ ان میں شہداء کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

> "جو لوگ اللّٰہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس سے رزق پارہے ہیں، جو کچھ اللّٰہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اس پر خوش وخرم ہیں، اور مطمئن ہیں اس بات پر کہ جو اہل ایمان، ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں، ان کیلئے بھی کوئی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے، وہ وہاں اللّٰہ تعالیٰ کے انعام واکرام پر شاداں فرحاں ہیں، اور وہ جانتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا"۔ سورۃ آل عمران، آیت 171-167

Marfat.com

ان آیات کریم سے مندرجہ ذیل نکات صاف ظاہر ہیں۔

1۔ موت کے بعد نفس زندہ رہتا ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والے عالم برزخ میں آزاد ہیں اور اللہ تعالیٰ سے انعام و اکرام حاصل کرتے ہیں۔

3۔ عالم برزخ میں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔

4۔ وہاں وہ بہت خوش ہیں، آپس میں روابط رکھتے ہیں اور ان کی وہاں ایک سوشل لائف ہے۔

5۔ وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑے ہوئے ساتھیوں کو بھولے نہیں بلکہ وہ ان کا موضوع سخن ہیں۔

6۔ عالم برزخ میں ان پر عالم الغیب کے حقائق کھل جاتے ہیں اور انہیں عین الیقین اور حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔

19.15 عالم برزخ مقام اصلاح اور شفاء

اسلامی روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عالم برزخ میں لوگوں کی زندگی کوئی بیکار کی زندگی نہیں بلکہ دنیاوی حیات ہی کی طرح وہاں بھی مختلف لوگوں کے مختلف مشاغل ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یوم الدین سے پہلے پہلے یہ گنہگاروں کے گناہ دھونے اور نیک لوگوں کے لئے رب العالمین کی رحمتوں کا مقام ہے۔

انعام یافتہ آزاد ہیں اور ان کی روحیں کائنات میں گھومتی پھرتی ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی روحیں بند ہیں جنہیں وہاں صبح شام دوزخ کی آگ دکھائی جاتی ہے۔ (قرآن کریم میں فرعون اور ان کے ساتھیوں کے متعلق یہ فرمایا گیا ہے کہ ان پر صبح شام دوزخ کھولا جاتا ہے۔ سورۃ جن، آیت 46)۔ ایک تیسری طرح کی روحیں بھی ہیں جنہیں قیامت تک سلا دیا جاتا ہے۔ اس دوران ان پر باہر سے کوئی سزا نہیں لیکن ان کے اپنے اعمال خواب بن کر خوش یا تنگ کرتے رہتے ہیں۔ ان تین اقسام کے علاوہ روحوں کی ایک چوتھی قسم بھی ہے جو ارضی دنیا کے ساتھ حسرت کے عالم میں چمٹی رہتی ہیں جنہیں ہم بدروحیں، بھوت (Ghosts) وغیرہ کا نام دیتے ہیں۔ ان کی تفصیلات بھی اس کتاب میں بیان کر دی گئی ہیں۔

گنہگاروں کیلئے مشہور عالم دین مولانا سلمان ندویؒ (حوالہ سید سلمان ندویؒ۔ سیرت النبی۔ جلد 5) کے مطابق عالم برزخ کی مثال ایک شفاخانہ کی ہے۔ وہاں پر بیمار نفوس کے گناہوں کا علاج ہوتا ہے۔ وہاں کی سزا ایسے ہی ہے جیسے شفاخانہ میں کڑی کسیلی دوائیں کھلائی جاتی ہیں اور بعض کے جسم کو آپریشن کے ذریعہ چیر پھاڑ بھی دیا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد صرف مریض کی بھلائی ہوتا ہے۔ برزخ کو ہم حوالات سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ سے پہلے کا وقفہ ہے جج جب فیصلہ دیتا ہے تو اس عرصہ کا احسن بدلہ دیتا ہے۔

Marfat.com

19.16 برزخ کی آزادی

یہ سوال کہ روحیں برزخ میں آزاد ہیں یا قید، اس کے بارے میں کچھ وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے مطابق اپنی برزخی حیات میں روحیں آزاد ہوتی ہیں اور جدھر چاہیں آ جاسکتی ہیں۔ (حوالہ کتاب عالم برزخ، صفحہ 93، مصنف عبدالرحمٰن ماہر کوٹلی)۔ امام غزالیؒ کا بھی یہی نظریہ ہے بلکہ وہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ روحیں ایک آسمان سے دوسرے آسمان میں بھی جاسکتی ہیں۔ (حوالہ رسائل امام غزالیؒ)۔ البتہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے روحوں کی آزادی کا انحصار ان کے اعمال پر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کے باغیوں کی روحیں قید کی حالت میں ہیں جہاں ان کو صبح شام دوزخ کا نظارہ کرایا جاتا ہے۔

19.17 روحوں کی ڈیوٹیاں

اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ عالم برزخ میں ارواح کیا کرتی ہیں؟ جیسے ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ بعض نفوس رب کائنات کی تخلیقات کے نظارے دیکھنے کے لئے نکل جاتی ہیں۔ بعض روایات سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ برزخی حیات میں نیک لوگوں کی ڈیوٹیاں بھی لگتی ہیں ''اترتے فرشتے اور روح ہر امر کی طرف اپنے رب کے اذن سے'' (سورۃ القدر) میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ مثلاً وہ رجال الغیب کے طور پر آ کر مصیبت میں لوگوں کی مختلف طریقوں سے امداد کرتے ہیں۔ اپنے ساتھی بزرگوں کے سالانہ عرسوں میں بھی شامل ہوتے ہیں۔ رجال الغیب کے سلسلہ میں سب سے نامور بزرگ حضرت خضر علیہ السلام ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں بھی آتا ہے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تکوینی امور بجالاتے ہیں۔ یوں ایسی روحیں انسانی جسم کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

عالم برزخ میں جیسا کہ مغربی محققین کے مشاہدہ میں آنے والے عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والے بعض لوگوں نے بتایا کہ وہ ارواح جو سزا میں مبتلا نہیں وہ علمی مباحث اور درس و تدریس میں لگی رہتی ہیں۔ اس طرح اسلامی روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی ارواح قرآن حکیم کی تعلیم حاصل کرتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے ظاہر اور باطنی معنوں کو سمجھنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ انسان کی برزخی حیات کے ضمن میں قرآن کریم کی سورۃ الواقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی موت کے بعد جس کو چاہے جیسی چاہے شکل اور جسم عطا کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

> ''ہم نے تمہارے درمیان موت مقرر کی ہے، اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ ہم تمہارے جیسے اور بدل دیں، اور تمہیں ایسی صورت میں پیداکردیں جس کی تمہیں کوئی خبر نہیں، بیشك تم جان چکے ہو پہلی بار اٹھنے کو پھرکیاتم نے

Marfat.com

اس پر غور نہیں کیا"۔ سورۃ الواقعہ، آیت 63-60

ان آیات سے ہم یہ بات اخذ کرتے ہیں کہ مرے ہوئے لوگ مختلف مادی ذرائع یا مادی اشکال میں اپنے ہونے کا احساس دے سکتے ہیں۔ میرے والد مرحوم کی روح کی خوشبو کا واقعہ جو بیان کیا جا چکا ہے ان کی آمد کا مادی اظہار تھا۔ اس نوع میں بعض اوقات اسلامی جنگوں میں پہلے مرے ہوئے مجاہدین کی شمولیت کی روایات بھی پائی جاتی ہیں۔ ابنِ بطوطہ اپنے سفرنامے میں بعض فوت ہوئے اولیاء کرام سے ان کی جسمانی حالت میں ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ ایسی روایات عالم برزخ کے مکینوں کے حالات کو سمجھنے کیلئے نہایت سبق آموز ہیں۔

اسی نوع میں خوابوں میں روحوں سے ملاقات اور روحوں کے بھوت دیکھنے کے واقعات بھی ہر ملک اور ہر قوم میں قدیم زمانہ سے چلے آتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے ممکنات سے انکار کرنا مشکل ہے۔ اسی ضمن میں امریکی سائیکالوجسٹ ہانز ہالزر (Hans Halzar) کی کتاب "بھوت کیا ہیں؟" ۔(Where are the Ghosts?) بھوتوں کے وجود کو ثابت کرنے کی طرف اہم پیش رفت ہے۔ ان کی تفصیلات اس کتاب میں دی جا چکی ہیں۔

عالم برزخ میں ڈیوٹیوں کا لگنا اسلام کے بزرگوں کے نزدیک ایک ثابت شدہ امر ہے نہ صرف یہ کہ جو فوت ہو جاتے ہیں ان کی ڈیوٹیاں لگتی ہیں بلکہ بعض اوقات ابھی پیدا ہونے والی ارواح کی بھی ڈیوٹیاں لگتی ہیں۔ اس ضمن میں اسلام کے قابل اور ولی العصر فرزند حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے مکتوبات میں (ترجمہ محمد موسیٰ بھٹو، "اللہ کی محبت کا نصب العین")، خط بنام محمد تقی صاحب لکھتے ہیں کہ "اس عالم شہادت میں آنے سے پہلے بعض اکابر سلسلہ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض اولیاء اللہ کی روح سے خدا نے وہ کام لیے ہیں جو عالم شہادت میں آنے کے بعد آدمی کرتا ہے۔ روح بلا جسم وہ کام کر سکتی ہے جنہیں جسم کیساتھ کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے"۔

مزید فرماتے ہیں کہ "اکثر اولیاء اللہ کے یہ واقعات معلوم ہوئے ہیں کہ ایک ہی وقت میں کئی جگہ اسی شکل میں یا بصورت دیگر ظاہر ہوئے ہیں۔ یہ شکلیں حقیقتاً لطائف کی شکلیں ہوتی ہیں جو عالم شہادت میں عالم مثال میں ظاہر ہوتی ہیں لیکن ان واقعات سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ حال مسئلہ تناسخ سے مناسبت رکھتا ہے۔ چنانچہ فقیر (حضرت سید احمد سرہندی) کو لوگوں نے مکہ معظمہ میں دیکھا اور بعض نے بغداد اور روم وغیرہ میں بھی، لیکن فقیر کہیں نہیں گیا۔ اسی طرح حاجت مند لوگ زندہ اور مردہ بزرگوں سے مصیبت میں مدد طلب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی روحانی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا اور ان بزرگوں کو ان بلا کے دفع کرنے کی کبھی اطلاع ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہزاروں آدمی ایک ہی وقت بشکل مختلف دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں، یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات ولطائف کی مثالی صورتیں ہیں"۔ (مکتوب 371۔ بنام محمد تقی)۔ سورۃ القدر میں جو ارشاد ہے کہ "اترتے ہیں فرشتے اور روح اپنے رب کی اجازت سے ہر امر کی طرف "اسی طرف اشارہ کرتا معلوم ہوتا ہے۔" (حوالہ محمد موسیٰ بھٹو۔ اللہ کی محبت کا نصب العین)

باب نمبر 20

بعدالموت کی شعوری حالت اور شہداء کے اجسام کا محفوظ رہنا

"نہایت بزرگ وبرتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنیوالا ہے اور وہ زبردست بھی ہے اور درگزر فرمانے والا بھی"۔سورۃ الملک، آیت 1-2

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیت مبارک یہ باور کراتی ہے کہ جس طرح زندگی ایک تخلیق ہے موت بھی بالکل اسی طرح ایک تخلیقی امر ہے۔ اگر یہ ہونا ہے تو وہ بھی ہونا ہے۔ یہ ایک ہی چیز کی دو حالتوں کا نام ہے اس لیے وحی الٰہی کی ایسی ہدایات اور مزید برآں جدید اور قدیم سائنسی تجربات، مشاہدات کی بنیاد پر اس بات میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ حیات بعدالموت ایک زندہ حقیقت ہے اور ارواح کا عالم برزخ سے عالم شہود آنا جانا کوئی انہونی بات نہیں یعنی مرنے کے بعد انسان کا نفس (Spirit) زندہ رہتا ہے، موت کے بعد والی حالت روح کیلئے ایک طرح کی شعوری حالت ہے جس میں خوشی ناخوشی، اطمینان اور یاس وحسرت سبھی کچھ ہے جس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس فرد نے دنیاوی زندگی کیسے گزاری تھی۔ جو یہاں عقل کے اندھے ہیں وہ وہاں بھی اندھے ہی رہتے ہیں ماسوائے یہ کہ ان پر حیات بعدالموت کی حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہو جاتی ہے اور یہی بات ان کی ہمیشگی کی یاس وحسرت کا باعث بن جاتی ہے۔

ذیل میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی احادیث اور قرآن کریم کی آیات کریمہ کے حوالہ سے ہم برزخی حیات کے کچھ مزید پہلوؤں کو واضح کریں گے۔ اسی ضمن میں ایک نہایت اہم بات ان لوگوں کی ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دے دیتے ہیں۔ قرآن کریم ان کو مردہ کہنا بھی گوارہ نہیں کرتا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مٹی اور اس میں رہنے والے کیڑے بھی ان کے اجسام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ بیشمار مشاہدات ثابت کرتے ہیں کہ قبروں میں ان کے اجسام خراب نہیں ہوتے اور صدیوں بعد بھی وہ تروتازہ حالت میں پائے گئے ہیں۔

آیئے سب سے پہلے خصوصاً شہدا کی شعوری حالت کے بارے میں احادیث کی کتابوں میں دیے گئے واقعات کو دیکھتے ہیں۔

Marfat.com

20.1 شہداء کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا

بخاری شریف کی حدیث ہے کہ سید دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "شہید کیلئے ایک جسم نہایت خوبصورت اترتا ہے اور محافظ فرشتے اس کے نفس کو کہتے ہیں کہ وہ اس میں داخل ہو جائے۔ اس وقت وہ اپنے پہلے بدن کو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ ان کی باتیں سنتا ہے اور کلام کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ وہ اس کی باتیں سنتے ہیں۔ اور گمان کرتا ہے کہ لوگ بھی اسے دیکھتے ہیں حالانکہ ان کے احساس خمسہ سے وہ اوجھل ہوتا ہے یہاں تک کہ جنت سے اُس کی بیبیاں اسے آ کر لے جاتی ہیں"۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.2 عالم برزخ میں آزادی

امام احمد بن حنبل اپنی مسند اور طبرانی مجم کبیر میں روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "بیشک دنیا کافر کی جنت اور مسلمان کی زندان ہے اور مومن کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی پرندہ ہے جو پنجرہ سے آزاد کر دیا گیا ہو کہ زمین پر بافراط چلتا پھرتا اڑتا ہے جہاں چاہے سیر کرے۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.3 موت کے بعد شعور

ابن ابی الدنیا 'کتاب القبور' اور امام عبدالحق 'کتاب العاقبہ' میں ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت قبر کو جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے میت کا دل اس سے بہلتا ہے اور جب بات کرتا ہے مردہ اس کا جواب دیتا ہے"۔ (بحوالہ کتاب الروح)

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد نفس اور روح قائم ودائم رہتے ہیں اور آزادی سے کائنات میں گھومتے پھرتے ہیں۔ اپنے جسم کے ذرات (Atoms of Molecules) خواہ وہ پانی میں گھل جائیں، مٹی میں مل جائیں، آگ میں راکھ ہو جائیں، جانوروں کی غذا بن جائیں سے رابطہ استوار رکھتے ہیں۔ جدید سائنس کی بھی یہ دریافت ہے کہ عناصر اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات کی یادداشت رکھتے ہیں۔ مثلاً فرانسیسی سائنسدانوں نے 1990ء میں دریافت کیا کہ روشنی کے ذرات (Protons) اپنے منبع سے علیحدہ ہو کر بھی ایک دوسرے کو نہیں بھولتے۔ چیزوں کی ہیئت بدل سکتی ہے لیکن یادداشت (Memory) ویسے ہی رہتی ہے۔ انسانی روح اور اس کے جسم کے ذرات کا بھی یہی حال ہے۔

Marfat.com

20.4 مردہ کا زندہ کو سننا اور حساب و کتاب

مردہ کا قبر کے باہر لوگوں کو دیکھنا اور ان کی باتیں سننا مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی ثابت ہوتا ہے جو صحیح مسلم شریف کی روایت ہے۔
حضرت عمرو بن العاص ؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ ؓ سے جو کہ صحابی بھی ہیں، فرمایا کہ " جب مجھے دفن کر چکو تو مجھ پر تھم تھم کر، آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو، یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لو کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دیتا ہوں "۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.5 مردوں کی روحوں کا زندہ لوگوں سے ملنا

ابن ابی الدنیا بیہقی اور حضرت سعید بن میسب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرے سے کہا کہ اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا۔ ان کی یہ بات سنتے ہوئے ایک دوسرے صحابی نے پوچھا کہ کیا زندہ اور مردہ آپس میں ملتے ہیں، فرمایا کہ ہاں! مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں اور انہیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.6 قبور میں مردوں کا زندہ لوگوں کو پہچاننا اور سلام کا جواب دینا

ابن ابی الدنیا بیہقی و ابن عساکر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " جب آدمی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اسے سلام کرتا ہے تو میت سلام کا جواب دیتی ہے اور اسے پہچانتی ہے "۔ (بحوالہ کتاب الروح)

20.7 موت کے بعد روح جنازہ کے ساتھ ساتھ جاتی ہے

امام ابن ماجہ حضرت بسکہ بن عبداللہ مزنی ؓ سے راوی ہیں مجھے حدیث پہنچی ہے کہ " جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ لوگ اسے غسل و کفن دیتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں لیکن ان سے بول نہیں سکتا کہ انہیں شور و فریاد سے منع کرے۔ جب جنازہ لے کر چلتے ہیں تو روح جنازے کے ساتھ چلتی ہے اور فرشتہ اس سے کہتا ہے کہ سن تیرے حق میں لوگ کیا کہتے ہیں "۔ (بحوالہ کتاب الروح)

Marfat.com

20.8 نیک آدمی کی روح کا خوشبودار لباس

حضرت ابوہریرہؓ مسلم شریف میں روایت کرتے ہیں کہ:۔

''جب مومن کی روح جسم سے جداہوتی ہے تو محافظ فرشتے اسے مقام علین کی طرف لے کر چل پڑتے ہیں۔ وہ اسے رحمت کے لباس میں لپیٹ لیتے ہین جس سے خوشبوئیں پھوٹ کر نکلتی ہیں۔ یہاں تک کہ فرشتے ہاتھوں ہاتھ لیے اور مبارک مبارک کہتے آسمان کے دروازہ تک لے جاتے ہیں، وہاں آسمان کے فرشتے ان سے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کی مبارک روح ہے جو اس قدر خوشبودار ہے۔ اس طرح وہ جہاں جہاں جاتے ہیں اس کا ایسے ہی استقبال کیاجاتا ہے۔ جہاں تک کہ وہ اسے مومنین کی روحوں کے پاس لے آتے ہیں اور وہ اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، جس طرح سفر سے جب کوئی واپس آتا ہے تو اس کے گھر والے خوش ہوتے ہیں۔ وہ روحیں اس نئی آنے والی روح سے عالم شوق میں پوچھتی ہیں کہ فلاں شخص کا کیا حال ہے؟ فلاں کا کیا حال ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں ابھی اس کو چھوڑو کہ اسے دنیا کے غم سے نجات مل جائے۔پھر نئی آنے والی روح ان روحوں سے کہتی ہے کہ وہ تو مرچکا ہے کیا وہ تمہارے پاس نہیں پہنچا۔ تو وہ روحیں جواب دیتی ہیں پھر تو وہ جہنم میں چلاگیا اور اس پر افسوس کرتی ہیں۔ ''(بحوالہ مسلم۔ المعتدرک اللحاکم)

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جنگ بدر کے چند سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفرا کے مقام سے گزر رہے تھے۔تمام صحابی حیران ہوگئے کہ ماحول میں خوشبو ہی خوشبو چھا گئی ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم یہ خوشبو کیسی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شہید جناب عبیدہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح ہم سب کو خوش آمدید کہہ رہی ہے کہ جناب عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہیں دفن ہیں۔

20.9 دیگر بزرگوں کے مشاہدات

موت کے بعد روحانی حیات کے اوپر دیے گئے چند واقعات کا تعلق حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اصحابہ اکرامؓ سے ہے لیکن ان کے بعد بھی مسلمان بزرگوں نے تواتر کے ساتھ اس مضمون کے حقائق پر بہت کچھ لکھا ہے۔

اس سلسلہ میں مولانا احمد رضا خان بریلوی کا کام بڑا اہم اور جامع ہے انہوں نے اپنی کتاب 'روحوں کی دنیا' میں عالم برزخ کی کئی سعی

Marfat.com

روحوں کے حالات لکھے ہیں۔ حضرت گنج بخش علی ہجویری کی کتاب 'کشف المحجوب' میں بھی عالم برزخ میں کئی ایک اولیاء کرام کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ مشہور زمانہ سیاح ابن بطوطہ نے چودہویں صدی عیسوی میں اپنے سفر نامہ میں بھی کچھ بزرگوں کی روحوں کے بڑے حیرت انگیز واقعات بیان کئے ہیں۔ وہ نہ صرف ان سے ملے بلکہ ان سے فیض بھی حاصل کیا اور بعض نے تو ان کی انتہائی مشکل حالات میں مدد بھی فرمائی۔

پاکستان کے معروف بیوروکریٹ اور مصنف مرحوم قدرت اللہ شہاب صاحب کی خود نوشت 'شہاب نامہ' میں بھی مردہ نفوس کے متعلق بعض حیرت انگیز واقعات درج ہیں جو پڑھنے کے قابل ہیں جن میں سے بعض بھوتوں کے متعلق ہیں جو زمین پر حسرت و یاس میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔

20.10 شہداء کے اجسام کی حفاظت

اب ہم اس موضوع کی طرف آتے ہیں جس نے سائنسدانوں کو حیران کر دیا ہے۔ روسیوں اور امریکیوں نے افغانستان میں دورانِ جنگ دیکھا کہ مسلم شہداء میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جن کے اجسام ہفتوں کیا مہینوں اور سالوں بھی خراب نہیں ہوتے جبکہ ان کے اپنے مرنے والے فوجیوں کی لاشیں بڑی جلد بو چھوڑ جاتی تھیں۔ یہ ان کی سائنسی حس کیلئے نہایت حیرت انگیز بات تھی اور اب وہ مادیات کی دنیا میں رہتے ہوئے ان واقعات پر تحقیقات کر رہے ہیں۔

میڈیکل مشاہدہ کے مطابق عام طور پر موت کے بعد میت کا جسم چند دنوں میں خراب ہو جاتا ہے۔ گرمی ہو تو ایک دن کے اندر اندر بو چھوڑ دیتا ہے، سردیوں میں چند دنوں کے بعد یہی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ قبر میں دفنانے کے بعد گلنے سڑنے کا عمل اور بھی تیز ہو جاتا ہے۔ چند دنوں میں پیٹ پھول کر پھٹ جاتا ہے، دماغ کا مواد ناک اور کانوں کے راستے بہنا شروع ہو جاتا ہے، آنکھیں ابل جاتی ہیں اور ہفتہ بھر میں سارے جسم میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور دو مہینوں تک جسم کا گوشت یا تو کیڑوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے یا مٹی کے مرکبات کے ساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے۔ بقیہ کاربن ڈائی آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ، ہائیڈروجن سلفائیڈ اور پانی کے بخارات بن کر مٹی اور ہوا میں گم ہو جاتا ہے۔ تین ماہ کے بعد انسانی جسم میں سے صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہتا ہے۔ کچھ سالوں میں مٹی کے مرکبات اسے بھی کھا جاتے ہیں۔ یوں آدمی کی مٹی زمین کی مٹی سے مل کر غائب ہو جاتی ہے۔ غرض وہ جسم جس پر انسان اس قدر نازاں ہے، جس کی خوبصورتی اور بناوٹ پر فخر کرتا ہے اور جس کی بالیدگی کیلئے ساری زندگی خرچ کر دیتا ہے مرنے کے چند دن بعد وہ اس حالت میں ہوتا ہے کہ اگر کہیں خود وہ اپنے اس حال کو دیکھ لے تو بو کے مارے قریب نہ جائے اور کراہت سے بچنے کیلئے اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔

ان حالات کے برخلاف شہداء کے اجسام کے بارے مشاہدات بالکل مختلف ہیں۔ صدیوں بعد بھی وہ محفوظ دیکھے گئے ہیں۔ سائنس کے لئے یہ بات چیلنج ہے کہ ان کے اجسام میں وہ کون سی چیز ہے اور وہ کون سی طاقت ہے جو انہیں صدیوں خراب نہیں ہونے دیتی۔ مغربی سائنس

Marfat.com

اس بات سے تو واقف ہے کہ کیمیکل دوائیوں کے ذریعہ سے جسم کو کچھ سالوں تک محفوظ کیا جاسکتا ہے۔ مصر میں ملنے والی ممیات کے حنوط شدہ اجسام سے سائنس اس بات کی قائل بھی ہے کہ دوائیاں لگا کر خشک حالت میں ہزاروں سالوں تک جسم محفوظ کیے جاسکتے ہیں لیکن شہداء کا معاملہ تو بالکل ہی جدا ہے مثلاً جہاد افغانستان کے پہلے دور میں روسی حیران تھے کہ مجاہدین کے جسم موت کے بعد خراب کیوں نہیں ہوتے اور دوسرے دور میں امریکی اسی طرح پریشان تھے۔ وہ بیچارے یہ نہیں جانتے کہ اسلام کی تو پوری تاریخ گواہ ہے کہ ایسے مشاہدات لاتعداد ہیں کہ مہینے سال تو کیا سینکڑوں بلکہ ہزاروں سالوں کے بعد بھی سعید روحوں کے جسم تروتازہ پائے گئے ہیں مثلاً 1950ء کی بات ہے کہ اس وقت عراق کا حکمران شاہ فیصل اول تھا اور وزیر اعظم نوری السعید تھا۔ انہیں خواب میں دکھایا گیا کہ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دو صحابہؓ جن کی اس وقت قبریں دریا کے کنارے واقع تھیں ان میں طغیانی سے پانی چلا گیا ہے جس سے صحابہ کرامؓ کو ناگواری ہوئی ہے۔ جب تین دفعہ متواتر یہی خواب آیا تو علماء کے مشورہ سے قبریں کھود کر جگہ بدلنے کا پروگرام بنایا گیا۔ طے یہ پایا کہ یہ کام حج کے سیزن کے ساتھ ہی ہوتا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ صحابہ کرامؓ کے جنازہ میں شامل ہوسکیں۔ پروگرام کے مطابق جب قبریں کھولی گئیں تو لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ صحابہ کرامؓ کے جسم تروتازہ تھے جیسے سو رہے ہوں۔ ریڈیو اور اخبارات میں بھی یہ سب کچھ شائع ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اصحابہ کرامؓ جو شہید ہوئے ان کی شہادت کے واقعات اور مشاہدات احادیث کی مختلف کتابوں میں تفصیلاً دیے گئے ہیں۔ انہیں میں سے غزوہ اُحد کے چند واقعات بطور مثال دیے جاتے ہیں۔

بیہقی، ابن سعد اور ابونعیم نے مختلف اسناد سے روایت کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد غزوہ اُحد میں شہید ہوئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مدینہ منورہ کو پانی پہنچانے کیلئے ایک نہر نکالی گئی جو میدان اُحد میں سے گزرتی تھی جس کی وجہ سے بعض شہداء کی قبروں کو کھولنا پڑا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد اس حالت میں پائے گئے کہ ان کا ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا جب ہاتھ ہٹایا گیا تو زخم میں سے خون پھوٹ پڑا۔ پھر ہاتھ وہیں رکھ دیا گیا تو خون بند ہوگیا۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا تو ایسے تھے گویا سو رہے ہوں اور وہ چادر جس میں انہیں کفن دیا گیا تھا وہ بھی ویسی کی ویسی تھی اور وہ گھاس جو ان کے پیروں میں تھی بحال تھی حالانکہ انہیں دفن ہوئے چھیالیس سال بیت گئے تھے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک اور صحابیؓ غالباً وہ حضرت حمزہؓ تھے ان کے ایک پیر پر پھاوڑا لگ گیا تو اس سے خون نکل پڑا۔ ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ اس کے

بعد شہیدوں کی حیات کا کوئی کیسے انکار کرسکتا ہے؟ (بحوالہ جمال الاولیا۔ اشرف علی تھانوی۔ صفحہ 64-63)

20.11 جدید دور کے واقعات

جیسے پہلے بھی کہا جاچکا ہے کہ شہداء کے اجسام کے محفوظ رہنے کے واقعات جہاد کشمیر، پاک بھارت جنگوں اور جہاد افغانستان میں بھی اکثر مشاہدہ میں آئے۔ میجر (ر) امیر افضل صاحب 1965ء پاک بھارت جنگ کے متعلق اپنی تاریخی یادداشتوں میں لکھتے ہیں کہ ان کے ماتحت لڑنے والوں میں سے دو شہداء عالم خان اور مبین خان کے جسد چھ ماہ بعد مٹی کے کھودنے پر اصلی حالت میں پائے گئے۔ ان کے ماتحت لیفٹیننٹ اختر شہید کا جسد خاکی بی آر بی نہر سے جنگ کے ایک ماہ بعد ایسی صحیح حالت میں ملا کہ کسی آبی جانور نے ان کے بدن کی بوٹی بھی نہ نوچی بلکہ قمیض کی جیب سے کاکول کا جاری کردہ مومنٹ آرڈر ایسی صحیح حالت میں ملا کہ سیاہی بھی پانی میں نہ گھلی۔ (سبحان اللہ)

روس کے خلاف جہاد افغانستان میں ایک پاکستانی مجاہد جو آج کل اسلام آباد میں رہتے ہیں نے مصنف کو حلفیہ بتایا کہ روسیوں کے خلاف لڑتے ہوئے ان کا ایک مومن ساتھی دشمن کے علاقہ میں شہید ہوگیا جب کوئی ڈیڑھ ماہ کے بعد مجاہدین غالب آئے تو شہداء کی میتوں کو ڈھونڈا گیا تو ہمارے لئے یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں تھی کہ اس جوان شہید کے زخم اس وقت بھی تازہ تھے اور جسم خوشبو سے معطر تھا۔

کچھ دوسرے مجاہدین نے مجھے بتایا کہ "دوران جہاد ایک جگہ دشمن کا گولہ پھٹا تو گڑھا پڑ گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ گڑھے کے ایک طرف کافی نیچے کسی کی ٹانگ دبی ہوئی ہے جس سے خون بہہ رہا تھا، مجاہدین نے تجسس اور پہچان کیلئے بڑے آرام اور ادب سے جب زمین کو مزید کھودا تو وہاں گیارہ جنازے دفن پائے گئے اور سبھی کے سبھی تازہ حالت میں تھے۔ درخت کی جڑ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے رس ٹپک کر ان شہداء کے مونہوں میں گرتا تھا۔ ہمارے ایک ساتھی نے انگلی سے وہ رس چاٹ لیا اس کے فوری بعد اس کی زبان بند ہوگئی اور دماغ ماؤف ہوگیا اور وہ کچھ نہ بتاسکا۔ تحقیق پر بڑے بوڑھوں سے معلوم ہوا کہ یہ 1904ء کے مجاہدین تھے جو انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے لیکن اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ان کے اجسام محفوظ تھے بلکہ ایک طرح زندہ تھے جن کو رزق بہم مہیا کیا جارہا تھا"۔

پاکستانی انسٹیٹیوٹ آف سائنسز اینڈ ٹیکنالوجی کے سائنسدان مرحوم ڈاکٹر محمد رفیق نے 1982ء میں مصنف کو حلفیہ طور پر بتایا کہ "1980ء کی بارشوں میں سیلاب کا پانی ان کے گاؤں کے قبرستان کو بہا کر لے گیا، سیلاب کے اس ریلہ میں ایک بزرگ کی لاش بھی تھی جو ایسے محفوظ پائی گئی جیسے اسی دن مرا ہو حالانکہ اللہ کا وہ صالح بندہ چالیس پچاس سال پہلے فوت ہوا تھا"۔

اسی طرح ٹی زیڈ فاروقی صاحب، سابق فنانس سیکرٹری گورنمنٹ پاکستان نے مجھے بتایا کہ "1965ء کی جنگ میں وہ چشم دید گواہ تھے کہ شہداء کو زمانہ جنگ میں امانت کے طور پر دفن کیا گیا تھا جب زمانہ امن میں ان کے جسم کو وارثین تک پہنچانے کیلئے دوبارہ نکالا گیا تو وہ محفوظ

Marfat.com

تھے"۔

میرے محترم دوست پروفیسر احسان اللہ جو اردو کے معروف شاعر بھی ہیں انہوں نے اپنے شہید بیٹے کا واقعہ مجھے بتایا کہ "شہید پاکستان نیوی میں پائلٹ تھا۔ بڑا ہی متقی مسلمان تھا۔ 1998ء کی ایک ہوائی مشق میں ان کا جہاز بمعہ ان کے بارہ ساتھیوں کے سمندر میں گر کر ڈوب گیا۔ یہ کیسے ہوا یہ تو ابھی تک ایک معمہ ہے لیکن عام قیاس ہے کہ ہندوستان نے میزائل سے اس جہاز کو گرادیا تھا۔ بہرحال تین ماہ کی بسیار تلاش کے بعد پاکستان نیوی نے اس ڈوبے ہوئے ہوائی جہاز کو سمندر سے ڈھونڈ کر نکال لیا"۔ "اس وقت وہاں موجود لوگ حیران تھے کہ باوجود کہ وہ پانی کے اندر تین ماہ سے مردہ حالت میں تھے اور سمندر میں گوشت خور مچھلیاں اور مگر مچھ وغیرہ بھی ہوتے ہیں لیکن شہداء کے اجسام بالکل صحیح حالت میں تھے۔ خود ان کا اپنا بیٹا پائلٹ کی سیٹ پر بیٹھا ہوا پایا گیا۔ جسم بالکل نرم و نازک اور صحیح حالت میں تھا، چنانچہ ان کو نکال کر سیدھا کیا گیا وہ آرام سے ایسے لیٹ گئے جیسے ابھی ابھی فوت ہوئے ہوں"۔

میرے ایک اور محترم دوست نوید ظفر جو پاکستان ٹیلی ویژن کے ڈائریکٹر ریٹائر ہوئے ہیں نے بڑے وثوق سے اپنے دفتر میں 1965ء کی جنگ کے ایک میجر صاحب کے حوالہ سے بتایا کہ "سیالکوٹ سیکٹر میں ان کی ڈیوٹی لگی ہوئی تھی، جنگ بند ہونے کے تقریباً دو ماہ بعد جب ہندوستان نے پاکستانی شہداء کی نعشوں کو ہمارے حوالہ کیا تو وہ خراب نہیں تھیں جب کہ انڈیا کے مردوں کی لاشیں تعفن چھوڑ چکی تھیں"۔

1999-2001ء کے دوران افغانستان میں اپنے سفروں کے دوران مصنف کو شہداء کے حالات کے بارے میں تحقیق کا شوق ہوا اور سائنسی انداز میں صحیح صحیح مشاہدات کو اکٹھا کرنا شروع کیا جب میں نے واقف حال لوگوں سے حلفیہ طور پر چشم دید واقعات کے متعلق پوچھا تو نہایت ایمان افروز واقعات سامنے آئے، مثلاً مولانا سعید الرحمان حقانی صاحب نے جو طالبان کی حکومت میں نائب وزیر صنعت تھے نے بتایا کہ "میں روسیوں کے خلاف ننگرہال کے علاقہ میں مجاہدین کا کمانڈر تھا۔ ہمارا ایک الجزائری نوجوان ساتھی نہایت متقی اور باعمل مسلمان تھا۔ وہ ایک صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "یا شیخ! انشاء اللہ، آج میں شہید ہو جاؤں گا، میری قبر کسی اونچی پہاڑی پر بنانا"۔ بالکل یہی ہوا عصر کے قریب وہ روسیوں کے ایک گولہ کی زد میں آکر شہید ہو گیا، چونکہ حالت جنگ تھی اور وہاں مسلسل گولہ باری ہو رہی تھی اس لیے ہم نے انہیں اسی جگہ پر ہی دفن کر دیا جہاں وہ شہید ہوئے تھے۔ پھر وہاں سے مجاہدین کو پسپائی ہو گئی۔ اگلے سال جب ہم نے دوبارہ روسیوں سے وہ علاقہ چھین لیا تو پھر شہید کی خواہش کے مطابق ان کو کسی اونچی پہاڑی پر دفن کرنے کیلئے ان کی قبر کو کھودا۔ الحمد اللہ شہید بالکل تازہ حالت میں تھا، خون بھی خشک نہیں ہوا تھا اس کے جسم کا لباس بھی ویسے ہی تھا جیسے دفن کیا تھا"۔

کابل میں ایک الیکٹریکل انجینئر عبد الجلیل صاحب نے مجھے بتایا کہ "جہاد کے دوران میں اپنے علاقہ میں روسیوں کے خلاف لڑتا تھا۔ میں چشم دید گواہ ہوں کہ ہمارے شہداء کے جسم خراب نہیں ہوتے تھے۔ یہ بات ہمارے لیے بڑی ایمان افروز اور حوصلہ کا باعث تھی۔ بعد میں روسی ہمارے شہداء کے میتوں پر کیمیکل پھینکنے لگے جس سے جسم کے اجزاء گل جاتے تھے لیکن بو پھر بھی نہیں آتی تھی۔ البتہ روسی مردے ایک دو دن میں تعفن چھوڑ دیتے تھے"۔

مصنف نے خود ستمبر 2000ء میں قندھار کے قریب ایک قبرستان جسے قبرستان صالحین کا نام دیا گیا تھا وہاں 300 کے قریب دشت زہرا کے شہداء دفن ہیں۔ ان قبروں پر ان مظلوم شہداء کے کپڑے، پگڑیاں، سوئیٹر وغیرہ بھی رکھے تھے۔ انہی میں ایک قبر پر خون آلود کپڑے تھے، خون اگرچہ خشک تھا لیکن میری حیرانی کی کوئی حد نہیں کہ کئی سال بعد بھی یہ خون خوشبودار تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بھی اس کا مشاہدہ کروایا۔

ان واقعات اور بیشمار ایسے ہی دوسرے مشاہدات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف نفوس بلکہ اللہ کے خاص بندے مرتے نہیں بلکہ گہری نیند میں چلے جاتے ہیں جہاں ان کو سانس لینے کی ضرورت نہیں لیکن ان کے جسمانی خلیات اپنی تازگی برقرار رکھتے ہیں اور قیامت تک ویسے ہی رہیں گے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ البتہ ہم نے دیکھا ہے کہ سائنسی عملوں سے جو لاشیں محفوظ کی جاتی ہیں وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد گل سڑ جاتی ہیں۔ انہیں میں سے ایک چین کے چیئرمین ماؤ کی مثال ہے۔ مصنف نے 1992ء میں ان کا جسم کیمیکل مرکبات سے محفوظ دیکھا لیکن اگلے سال وہ وہاں نہیں تھا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ گلنے سڑنے لگا تھا اس لیے دوبارہ سائنسی عملوں کیلئے لیبارٹری بھیج دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اجسام کو کیوں اور کیسے محفوظ رکھتا ہے؟ یہ اسی کے راز ہیں کچھ کہنا صرف قیاسیات ہیں۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ چونکہ ایسے عظیم لوگوں کے نفوس آزاد ہوتے ہیں اس لیے کہ اپنے اجسام کو گلتا سڑتا دیکھ کر ان کی دل شکنی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کو محفوظ کر دیتا ہے۔ اسی ضمن میں بھی میرا یہ خیال ہے کہ ان روحوں کا اپنے پرانے جسم کے ساتھ رابطہ قائم رہتا ہے یعنی ان کا عکس ان اجسام پر پڑتا ہی رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک خاص طرح کی زندگی سے لطف اندوز رہتے ہیں اور گلنے سڑنے سے محفوظ رہتے ہیں اگرچہ ان کی یہ زندگی دنیاوی حیات سے بالکل مختلف ہے لیکن شعور سے خالی نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

Marfat.com

باب نمبر 21

بعد الموت کی زندگی اور حالات قبر

21.1 خواب اور موت میں مماثلت

نوٹ:۔(اس مضمون میں روح اور نفس کا بار بار ذکر ہوا ہے۔ دراصل یہ دونوں ایک دوسرے کے مماثل ہیں جب کہ روح انسان کی بنیاد ہے، نفس وہ شخصیت ہے جو اس بنیاد پر بنتی ہے اس کی ایک مثال بیج اور درخت کی ہے۔ بیج، روح اور درخت نفس کے متبادل ہے لیکن اپنی اپنی حیثیت میں دونوں ہی مختلف نظر آتے ہیں)۔

قرآن مجید، احادیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صوفیاء کرامؒ کی تحریروں سے یہ بات عیاں ہے کہ نفس بحالت نیند جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور آزادی سے گھوم پھر سکتا ہے لیکن جنہیں اپنے جسم سے بڑا پیار ہے ان کا نفس جسم سے زیادہ دور نہیں نکلتا بلکہ اسی سے چمٹا رہتا ہے ان کے برعکس وہ جن کی جدوجہد کا نظریہ جسم کی پرورش کی بجائے اعلیٰ مقصد حیات ہے، نیند میں بھی ان کا نفس اسی مقصد کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور بعض اوقات وہ اپنے مدعا نظر کو حالت نیند میں پالیتا ہے۔ مثلاً بینزین (Benzene) کا فارمولا سب سے پہلے خواب کی حالت میں ہی معلوم ہوا، اسی طرح کئی ایک حسابی اور سائنسی دریافتیں نیند کی حالت میں ہوئی تھیں۔

بعض صوفیاء کرامؒ لکھتے ہیں کہ نیند میں ان کے نفوس جسم کو چھوڑ کر حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روح انور کے دربار میں حاضری کیلئے جاتے ہیں، بعض کے نزدیک خواب بھی نفس کے دیکھے ہوئے واقعات کا عکس ہوتے ہیں، اس طرح خواب میں مستقبل میں پیش ہونے والے واقعات کا علم ہو جانا بھی نفس کی وقت میں آگے پرواز کی بناء پر ہی ہے۔ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے (انسانی جسم بھی چھیالیس کروموسومز پر مشتمل ہے) اور یہ کہ جو عام زندگی میں جتنا زیادہ سچا ہوگا اسی نسبت سے اس کے خواب بھی سچے ہوں گے (بخاری و مسلم)۔ قرآن پاک میں نیند کی حالت میں نفس کی پرواز مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتی ہے کہ:۔

> ”یہ وہ (اللّٰہ) ہے، جو رات کو (جب تم سوتے ہو) تو تمہارے نفوس کو جسم سے علیحدہ کردیتا ہے، اس کے ساتھ تمام علم بھی لے جاتا ہے، جو دن بھر تم رکھتے ہو، پھر وہ تمہیں دوبارہ اٹھادیتا ہے تاکہ ایک مقرر شدہ مدت پوری ہو، آخرکار تم اسی کی طرف لوٹ آئو گے، اس وقت تم سب اس حقیقت کو جان لوگے جو

Marfat.com

تم دنیا میں کرتے ہو"۔8(60)

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کریم ہماری اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ ہماری سمجھنے اور سوچنے کی صلاحتیں اور اچھے برے ضمیر کا منبع بھی روح ہی ہے اور علم کی بنیاد بھی روح ہی ہے اور یہیں سے وہ نفس میں آتا ہے بشرطیکہ نفس اس کو قبول کرنے کے قابل ہو، چونکہ نیند کی حالت میں ہمارا نفس جسم سے علیحدہ ہو جاتا ہے اس لیے آیت 8(60) میں کہا گیا ہے کہ رات کو نفس کے ساتھ ہی ہمارے علم کی تمام صلاحتیں بھی خوابیدہ ہو جاتی ہیں۔ تقریباً یہی حال ایک پاگل یا بیہوش آدمی کا بھی ہے اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ پاگل آدمی اگرچہ حیاتیاتی طور پر زندہ ہوتا ہے لیکن روحانی اور عقلی طور پر وہ مر چکا ہوتا ہے۔

نیند اور موت میں فرق یہ ہے کہ نیند میں جسم کا حیاتیاتی نظام چلتا رہتا ہے جب کہ موت کے وقت یہ ختم ہو جاتا ہے چونکہ اب یہ جسم نفس کیلئے بیکار ہو جاتا ہے اس لیے اسی وقت انسان پر متعین فرشتے اسے ہمیشہ کے لئے اپنے ساتھ عالم برزخ میں لے جاتے ہیں۔

21.2 ہمارے ساتھی فرشتے اور نفس کا نکالا جانا

ابھی تک ہم اس سوال کا جواب نہیں دے پائے تھے کہ مرنے پر جب نفس جسم سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو وہ کدھر جاتی ہے اور کیسے جاتی ہے یا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ دنیا میں بھٹکتی رہتی ہے؟ ہندو نظریہ کے مطابق وفات کے بعد روح بھٹکتی رہتی ہے حتیٰ کہ اپنی حیثیت اور ارتقاء کے مطابق کسی دوسرے جسم میں جنم لیتی ہے۔ یہ مسئلہ آواگون ہے اس کے مطابق روح جسم بدلتی رہتی ہے اور پہلی زندگی میں اعمال اچھے کیے ہوں تو وہ دوبارہ انسان کے ظہور میں وارد ہوتی ہے لیکن اگر برے ہوں تو پھر کتے بلی کی شکل میں بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا ہے لیکن اگر انسان اپنی زندگی میں انتہائی اچھے اعمال کرتا جائے تو اس کی روح بالآخر نروان یعنی آزادی حاصل کر لیتی ہے جس کے بعد اسے کسی دوسرے جسم میں ظاہر ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی رہتی ہے لیکن جیسا کہ پہلے ابواب میں ثابت کیا گیا ہے کہ سائنسی اور عقلی دلائل کے علاوہ قرآن کریم کے مطابق بھی یہ ایک غلط نظریہ ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو دنیا میں انسانوں کی آبادی کیسے بڑھتی؟ اتنی ساری روحیں کہاں سے آتی جاتی ہیں؟ اور پھر کتے بلیاں کیا اعمال کرتے ہیں کہ روحیں ان کے جسم سے گزر کر دوبارہ آدمی بن جاتی ہیں؟

اسلام کے مطابق ہر انسان پر شروع ہی سے دو فرشتے متعین کر دیے جاتے ہیں۔ زندگی بھر ان کا کام خاموشی سے انسان کے اچھے برے اعمال کا لکھتے جانا ہے اور اس کے علاوہ ان کا کام کائنات میں پھیلے ہوئے دوسرے توانائی کے وجود (Energy Being) مثلاً جنات وغیرہ سے بھی آدمی کو بچا کر رکھنا ہے ان فرشتوں کو کراماً کاتبین یعنی معزز لکھنے والے بھی کہا گیا ہے۔ موت کے وقت ہمارا نفس انہی فرشتوں کی معیت میں جسم سے علیحدہ ہو کر عالم برزخ کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ جیسے ریمنڈ موڈی کے مشاہدات کے حوالہ سے بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں وہ ایک نوری ہستی کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ یہ مبارک نوری وجود کون ہے؟ عیسائی اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھتے ہیں، کوئی اسے حضرت عزرائیل علیہ السلام کا نام

لیتا ہے لیکن وہ ذات باری تعالیٰ بھی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ ہماری اپنے رب سے ملاقات ہوکر رہے گی اور اس ملاقات کو موت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ 6(61-62), 32(11)

یہ حقائق وہ ہیں جن کو مغربی محققین کی تحقیق میں آنے والے حضرات کے مشاہدات بھی ثابت کر رہے ہیں۔ ان مشاہدات میں آنے والے بیشتر افراد نے بتایا کہ جب ان کی روح جسم سے باہر نکلی تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں پہلے سے ہی دو توانائی وجود موجود تھے۔ جنہوں نے بتایا کہ وہ اس کے زندگی میں ساتھی تھے، اس کے بعد وہ فرشتے اس نفس کو تنگ و تاریک راستوں سے گزارتے ہوئے ایک انتہائی روشن وجود کے سامنے حاضر کر دیتے ہیں۔ وہ اس سے سوال کرتا ہے کہ میرے لیے کیا لائے ہو؟ اس کے ساتھ ہی ان کی زندگی کے ایک ایک واقعہ کی فلم چلنا شروع ہو جاتی ہے لیکن چونکہ ابھی ان کی مہلت باقی ہے اس لیے وہ نوری شخصیت اس کے ساتھی فرشتوں کو کہتی ہے کہ اس کو واپس دنیا میں لے جاؤ، چنانچہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ جسم کی طرف پلٹ آتے ہیں۔

اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ اس حد تک مغربی محققین کے مشاہدات اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہیں۔ فرشتوں کے روح کو نکالنے کے بارے میں حسب ذیل قرآنی آیات نہایت غور طلب ہیں۔ ارشاد ہے کہ:

''اور اسی کا حکم غالب ہے اپنے بندوں پر، اور اس نے تم پر محافظ فرشتے مقرر کررکھے ہیں، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کا وقت وفات آتا ہے ، تو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اس کو اپنے ساتھ کرلیتے ہیں، اور وہ اس میں کوئی غلطی نہیں کرتے، اس کے بعد وہ سب اللہ کی طرف پہنچ جاتے ہیں، جو ان کا مالک ہے تحقیق یہ بات اچھی طرح سن لو، حکم اسی کا ہے اور وہ جلد محاسبہ کرنے والا ہے''.(61-62)6

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ موت کس طرح آتی ہے تو وحی نازل ہوئی اور فرمایا کہ:۔

'' لیتا ہے تم کو فرشتہ موت کا جو تم پر متعین ہے، پھر اپنے رب کی طرف لوٹ آئو گے''. (11)32

ان آیات کریمہ میں نفس کی الوداعی تقریب کی پوری تصویر کشی کر دی گئی ہے اور ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرتے ہوئے فرما دیا گیا ہے کہ انسان پر مقرر شدہ محافظ فرشتے ہی انسان کی روح کو وقت موت لے کر اس کے اگلے گھر کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

Marfat.com

21.3 فرشتے

ہوسکتا ہے کہ قاری کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ فرشتے کیا ہیں؟ ان کی اہمیت کیا ہے؟ یہ ایک مشکل سوال ہے لیکن مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرشتے خیر کی قوتوں کے مظہر ہیں۔ قرآن کریم سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ فرشتے ایک نوری مخلوق ہیں جو انسان کی تخلیق سے پہلے موجود تھے۔ (فرشتوں کے علاوہ کائنات میں ایک اور مخلوق بھی ہے جسے جنات کہا جاتا ہے یہ ناری توانائی کا وجود رکھتی ہے۔ یہ شر کی قوتوں کے سرخیل ہیں۔ تمام انسان دشمن قوتیں انہیں کے زمرے میں آتی ہیں)۔

قرآن کریم سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ فرشتے انسانوں کی طرح باقاعدہ شخصیت کے مالک ہیں، ان کے اپنے اپنے خواص ہیں اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتہائی سرعت کے ساتھ پہنچ سکتے ہیں، سننے اور سمجھنے کی قدرت رکھتے ہیں لیکن انسان کے برعکس یہ حق خود اختیاری کے مالک نہیں بلکہ مکمل طور پر حکم خدا کے پابند ہیں یعنی ان کی زندگی پروگرامڈ (Programmed) ہے اور خدا تعالیٰ نے انہیں جن کاموں پر لگایا ہے اس سے زیادہ نہ وہ کرتے ہیں نہ جانتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کائنات میں ان کا کردار خدا تعالیٰ کے کارندوں کا سا ہے جو اپنے لیے تجویز شدہ فرائض کو بلا چوں چرا ادا کرتے ہیں۔ لیکن ان میں بھی درجات ہیں، کوئی طاقت میں دوسروں سے زیادہ ہے تو کوئی مرتبہ میں۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہر ایک کی مختلف ڈیوٹیاں لگی ہیں، جلیل القدر ملائکہ کی ایک سے زیادہ ڈیوٹیاں ہیں ان کے زیر انتظام دیگر فرشتے کام کرتے ہیں، خیر کی قوتیں انہی کے زمرے میں آتی ہیں۔ انہی میں حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پیغمبروں پر وحی لاتے تھے۔ (خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد یہ سلسلہ ترک ہوگیا ہے)۔ حضرت میکائیل علیہ السلام کی ذمہ داری انسانوں کیلئے رزق کا حساب کتاب ہے جب کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کا کام قیامت کے وقت صور پھونکنا ہے۔ انہی مقرب فرشتوں میں حضرت عزرائیلؑ ہیں جو موت کے انچارج ہیں۔ تمام فرشتے جن کا کام روح کو نکالنا ہے انہی کو رپورٹ کرتے ہیں۔

21.4 محافظ فرشتے

محافظ فرشتوں کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے ہر ایک انسان پر اللہ تعالیٰ نے دو محافظ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں اس کا ذکر آیات مبارکہ 6(61-62) میں پہلے آچکا ہے۔ مزید ارشاد ہے کہ:۔

”کوئی ایسا نفس نہیں جس پر نہ ہو مقرر نگہبان، پس چاہیے کہ انسان غور کرے کہ کیسے پیدا کیا گیا“۔ سورۃ الطارق، آیت 4-5

Marfat.com

انسان کہیں بھی ہو کیسا بھی ہو، کافر ہو یا مسلمان ہو ہر ایک پر نگہبان فرشتے مقرر ہیں جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں شاید آپ کو بھی یہ تجربہ ہوا ہو کہ کیسے انتہائی خطرہ کے وقت کوئی غیبی قوت خبردار کر دیتی ہے یا مدد کرتی ہے، ہوسکتا ہے کہ انسان کے جسم کے اندر کا دفاعی نظام (Immune System) ہمارے محافظ فرشتوں کے نظام کا ہی حصہ ہو جو ہمارے اعصابی اور دماغی نظام کے ماورائی کام کرتا ہے۔

جیسا کہ نام محافظ سے ظاہر ہے ہمارے نگہبان فرشتوں کا ایک فرض تو یہ ہے کہ وہ ہمارا مرئی اور غیر مرئی مخلوقات سے دفاع کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کا دوسرا اہم کام یہ ہے کہ وہ پوری انسانی زندگی کی تصویر کشی کرتے جاتے ہیں۔ یوں وہ ہمارا ایک ایک عمل ریکارڈ کرتے جاتے ہیں۔ محافظ فرشتوں کی اس ذمہ داری کا اشارہ آیات (12-9)82 میں ملتا ہے فرمایا گیا ہے کہ:۔

"اور تم پر مقرر ہیں تمہاری حفاظت کرنے والے، عزت والے بزرگ، لکھنے والے وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو"۔ سورۃ الانفطار، آیت 12-9

اسی طرح ارشاد ہے کہ:۔

"کیا وہ خیال رکھتے ہیں کہ ہم ان کے رازوں اور مشوروں سے آگاہ نہیں، ہم کیوں نہیں جانتے؟ (ان کو معلوم ہونا چاہیے) کہ، ہمارے بھیجے ہوئے ان کے ریکارڈ رکھتے ہیں"۔ (43)80

جب آدمی مر جاتا ہے تو اس وقت اسے اپنی زندگی کے تمام اعمال دکھائے جاتے ہیں۔ مر کر زندہ ہونے والوں کے سائنسی تحقیق میں آنے والے لوگوں کا مشاہدہ بھی یہی ہے۔ اس کے متعلق قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے کہ:۔

"یہ ہمارا ریکارڈ ہے بولتا ہے تمہارے کام صحیح صحیح ہم لکھواتے جاتے ہیں، جو کچھ تم کرتے جاتے تھے"۔ (29)46

اس طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ:۔

"اور تم نے جو کچھ کیا سب ایک کتاب میں موجود ہے، اور ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے"۔ سورۃ القمر، آیت 53-52

Marfat.com

غرضیکہ قرآن پاک میں یہ مضمون کئی مختلف انداز میں بیان ہوا ہے لیکن جگہ جگہ پیغام یہی ہے کہ ہر آدمی کے اوپر محافظ فرشتے مقرر ہیں جو شر کی قوتوں سے اس کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری حرکات وسکنات تو کیا ذہن میں آنے والے خیالات بھی ریکارڈ کرتے جاتے ہیں۔ موت کے بعد انسان کو جب یہ تمام ریکارڈ دکھائے جاتے ہیں تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ ان میں تو کسی طرح کی بھی کوئی کمی نہیں۔

21.5 اعمال کا ریکارڈ

اعمال کا ریکارڈ کیسے رکھا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب آج سے کچھ عرصہ پہلے سمجھنا مشکل تھا، لیکن جدید سائنسی ایجادات جس میں الیکٹرانک لکھائی (Electronic Writing) اور انٹرنیٹ (Internet) شامل ہیں اور اس کے علاوہ ذرات کی یادداشت اور پانی کے مالیکیولیز کی یادداشت پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں ان سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اعمال کا لکھنا اور ان کو محفوظ رکھنا معمولی بات ہوگی۔ ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ آج کل آواز اور تصویر کا ریکارڈ رکھنے کے کئی طریقہ میسر ہیں جن میں ٹیپ ریکارڈر اور وی سی آر تو گھر گھر میں موجود ہیں۔ کمپیوٹر کے اندر بھی اربوں کی تعداد میں معلومات چھوٹی چھوٹی چپس (Chips) پر درج ہو جاتی ہیں جو ایک سوئچ کے دباتے ہی سامنے آجاتی ہیں۔ انٹرنیٹ (Internet) نے تو کمال ہی کر دیا ہے کہ دنیا کا بیشتار علم سپر کمپیوٹر کے ذریعے ایک بٹن دبانے پر حاضر ہو جاتا ہے۔ انٹرنیٹ کے اس دور میں غیر مرئی، بجلی اور مقناطیسی لہروں کے سر پر زمینی فضا کے چپہ چپہ میں ہر آن تمام علوم کی لائبریریاں موجود ہیں۔ جہاں آپ بیٹھے ہیں نہ صرف آپ کے اردگرد بلکہ خود آپ کے وجود میں ٹیلیویژن کے تمام چینلز موجود ہیں جنہیں آپ T.V سکرین پر دیکھتے ہیں۔

مطلب یہ کہ حرکات وسکنات اور آوازوں کا توانائی میں تغیر اور پھر محفوظ رہنا کوئی عجوبہ نہیں۔ انسان کے ذہن کے اندر خیالات بھی توانائی کی ہی لہروں کی شکل میں عیاں ہوتے ہیں اس لیے ان خیالات کا پڑھنا اور محفوظ کرنا بھی ممکن ہونا چاہیے۔ چونکہ فرشتے بھی کسی طرح کی توانائی (نور) کے وجود ہیں، اس لیے ان کیلئے انسان کے خیالات اور اعمال محفوظ کرنے کیلئے کسی مادی ذریعہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے۔ عین ممکن ہے کہ یہ سب تصویریں ان کے توانائی نظام میں اسی طرح ڈھل جاتی ہیں جس طرح ہمارے اپنے ذہنوں میں گزرے ہوئے واقعات اپنے نقوش چھوڑ جاتے ہیں اور پھر جب بھی ہم سوچیں وہی مناظر دوبارہ سامنے آجاتے ہیں۔

اس کے علاوہ اعمال کو محفوظ کرنے کا ایک طریقہ اٹامک سطح پر بھی ممکن ہے پچھلے دس سالوں میں سب اٹامک پارٹیکلز (Sub Atomic Particles) پر ہونے والی تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ ہر ذرے کا ایک اپنا یادداشت نظام ہے۔ (تفصیل کیلئے مصنف کی کتاب ''کتاب زندگی'' دیکھیں)۔ اس کے مطابق ہر لمحہ جو کچھ بھی دنیا میں ہوتا ہے وہ جوہری سطح پر ریکارڈ ہوتا جاتا ہے۔ مزید سائنسی ترقی سے شاید یہ ممکن ہو جائے کہ ہم ایٹم کی یادداشت سے ماضی کے تمام واقعات کا پتہ چلا سکیں۔ بہر حال ان ممکنات سے قطع نظر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے محافظ فرشتے ہر آن ہماری زندگی کا مکمل ریکارڈ کرتے جاتے ہیں جو مرنے کے بعد ہماری زندگیوں کی گواہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اصطلاح میں ان فرشتوں

Marfat.com

کو کراماً کاتبین (معزز لکھنے والے) کا نام دیا گیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے پتہ چلتا ہے کہ کراماً کاتبین جیسے جیسے ریکارڈ تیار کرتے ہیں وہ کسی دوسری جگہ بھی ریکارڈ ہوتا جاتا ہے۔ ان میں ایک کا نام سجین ہے اور دوسرے کا نام علیین ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیں۔

"بیشک کافروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے اور تجھ کو کیا معلوم کہ سجین کیا ہے؟ ایک دفتر ہے وہاں نامہ اعمال مرقوم ہے"۔ سورۃ المطففین، آیت 9-7

"یقینا نیکوں کا نامہ اعمال علین میں ہوگا، اور تجھ کو کیا معلوم علین کیا ہے؟ وہ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اس کی نگرانی نہیں کرتے مگر مقرب فرشتے"۔ سورۃ المطففین، آیت 21-18

جیسے اوپر کہا گیا ہے ان آیات سے خوب واضح ہوتا ہے کہ جیسے ہی فرشتے اعمال ریکارڈ کرتے ہیں اسی آن وہ اچھے برے کی تمیز کے ساتھ سجین یا علیین کی طرف ارسال کر دیتے ہیں جہاں اسے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ آج کسی کیلئے بھی یہ بات حیران کن نہیں رہی۔ (دنیا کا تمام مواصلات کا نظام Receiver اور Transmitter کی بنیاد پر ہی چل رہا ہے۔) اس ریکارڈ کے بڑے بڑے نکات کی فلم تو موت کے بعد عالم قبر میں اسے دکھائی جاتی ہے لیکن یوم الدین کو ہر چھوٹی بڑی تفصیل اس کے سامنے کھول کر رکھ دی جائے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"اور جب صور پھونک دیا جائے گا (تو معلوم ہوجائے گا) یہ وہ دن ہے وعدہ کیا گیا اس وقت ہر ایک نفس، ایک کھنچنے والے اور ایک گواہ کے ساتھ چلا آئے گا، ہر بدقماش کو کہاجاتا ہے تم زندگی میں اس دن سے غفلت میں رہے، (لیکن) اب تم پر سے پردہ چاک کردیا ہے، اور تم اپنی آنکھوں سے بغور دیکھ رہے ہو، ایسے میں اس کا ساتھی (فرشتہ) اس کو کہتا ہے، یہ وہ ہے جو میں تمہارے لیے تیار رکھتا تھا، (اس وقت خدا کا حکم ہوگا) کہ تم دونوں، ہر ایک باغی کو دوزخ کی طرف گھسیٹ کرلے جائو"۔ سورۃ ق، آیت 24-20

Marfat.com

ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے محافظ فرشتے صرف زندگی ہی میں ہمارے ساتھی نہیں بلکہ مرنے کے بعد بھی وہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔عالم برزخ میں بھی وہ ہمارے ساتھ ہیں اور قیامت کے دن بھی۔وہی ہر ایک نفس کو میدان محشر کی طرف لائیں گے۔ان کے یہ فرائض ایسے ہیں جیسے وہ اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر چوکیدار مقرر ہیں۔انسان بظاہر جو ایک جسم معلوم ہوتا ہے دراصل وہ جسم، زندگی اور روح کا مرکب ہے اور ان کے علاوہ اس کے ساتھ دو فرشتے اور ایک شیطان بھی ہے۔اس طرح زندگی میں آدمی کا یونٹ دو فرشتوں، ایک شیطان، ایک نفس پر مشتمل ہے جن کا قیام جسم میں ہے۔موت کے بعد جسم جو دنیا سے رابطہ کا ذریعہ ہے ختم ہو جاتا ہے۔شیطان جو ساری عمر اس کو بہکاتا رہا وہ بھی علیحدہ ہو جاتا ہے لیکن نفس اور محافظ فرشتوں کا تعلق قائم و دائم رہتا ہے۔

21.6 موت کا وقت

ہم یہ پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ جہاں موت کچھ انسانوں کیلئے خوشی کا مژدہ لے کر آتی ہے وہاں کچھ کیلئے یہ یاس و ناامیدی کا وقت ہوتا ہے۔اس وقت اگلے جہاں کے مناظر نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں اور پچھلے جہاں سے رشتہ ٹوٹ رہا ہوتا ہے۔موت وحیات کی اس کشمکش کے وقت کیا پیش آتا ہے یہ بندے اور اللہ کے درمیان صیغہ راز کی بات ہے۔عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والوں پر جو سائنسی تحقیقات ہوئی ہیں ان سے بھی کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتی ہیں اس کی صحیح تفصیلات آپ کو اللہ تعالیٰ کے نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے فرمودات ہی سے ملیں گیں۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنے آخری لمحات کے متعلق خود مرنے والے نے کوئی بات بتادی ہو مثلاً میرے ایک عزیز حبیب صاحب جو قائداعظم یونیورسٹی میں پراجیکٹ انجینئر تھے بتاتے ہیں کہ وہ اپنے والد صاحب کی وفات کے وقت ان کے بستر پر موجود تھے۔موت سے پہلے ان کے اوپر غشی کا دورہ تھا۔اچانک ان کو ہوش آگیا اور کہنے لگے کہ 'تم نے یہ آگ کیوں جلائی ہے؟ حالانکہ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی'۔ پھر دعا میں ہاتھ اٹھالیے اور کہنے لگے 'اے میرے خدا مجھے معاف کردے، مجھے معاف کردے'۔اور پھر خود ہی کہنے لگے کہ 'مجھے معاف کردیا گیا ہے، مجھے لینے والے میرے سامنے آگئے ہیں'۔حبیب صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ 'وہ کون ہیں'؟ اس پر ان کے والد صاحب نے بتایا کہ 'وہ مجھے بلا رہے ہیں، کہتے ہیں کہ اب غم مت کرو۔وہ باغ دیکھو، خدا نے تجھے معاف کردیا ہے'۔تھوڑی دیر کے بعد پھر بولے 'السلام علیکم'، اور پھر موت کی بیہوشی میں ہمیشہ کیلئے ڈوب گئے۔اسی طرح کا ایک واقعہ میری سیکرٹری رباب زہرا نے اپنے والد محترم کی وفات کا بتایا ہے کہ وقت نزع وہ کہہ رہے تھے، 'دیکھو سامنے میری ماں اور بھائی مجھے لینے کیلئے آگئے ہیں'۔اور وہ ان مرحومین کے ساتھ باتیں کر رہے تھے جو وہاں پر موجود ان کی بیگم اور بڑی ہمشیرہ نے بھی سنیں۔

موت کے وقت پیش آنے والے حالات تقریباً ویسے ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے احادیث نبوی اور قرآن کریم کی آیات مبارکہ میں بتادیے گئے تھے۔مثلاً آیت (26)55 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

Marfat.com

''اور جس وقت دو لینے والے آتے ہیں، دائیں بیٹھا اور بائیں بیٹھا اس وقت آدمی کچھ نہیں بولتا، مگر جو اس کے پاس صحیح بات ہے،اور آئی بیہوشی موت کی یہ وہ ہے جسے تو زندگی بھر ٹالتا رہا''۔(26)55

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آتا ہے کہ موت کے وقت دو فرشتے آدمی کو نظر آتے ہیں اور وہ آدمی کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں۔ ان کی باتیں کوئی اور تو نہیں سن سکتا لیکن مرنے والا آدمی سب کچھ سن اور سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اگر وہ بندہ فرمانبردار ہے تو اسے وہ کہتے ہیں۔ ''جزاک اللہ'' اور اگر گنہگار ہو تو کہتے ہیں تو نے اچھے اعمال نہیں کیے اور اللہ کے پاس تیرے لیے بدلہ بھی ویسے ہی ہے۔ اس بات کو سن کر اس مرنے والے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں''۔

آیئے اب قرآن کریم میں سے چند ایک ایسی آیات کا مطالعہ کریں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں کی روح کو کس طرح نکالا جاتا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ سب سے زیادہ برا حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جو اللہ کے باغی تھے اور جن کی سوچ زندگی بھر قرب الٰہی کی تلاش کی بجائے دنیاداری میں بھٹکتی رہی اور یوں وہ مسلسل بلاواسطہ یا بلواسطہ خدائے وحدہ لایموت کی ہستی سے لاتعلق رہے۔ ان بدبختوں کو موت کے وقت جو حالات پیش آتے ہیں اس کی تصویر کشی آیت (50)8 میں کی گئی ہے۔ فرمایا:۔

''اگر تم کبھی دیکھ سکو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کررہے ہوتے ہیں، فرشتے مارتے ہیں ان کو منہ اور پیٹھ پر، اور (کہتے ہیں) چکھو عذاب جلنے کا، یہ بدلہ ہے اس کا جو تم نے اپنے ہاتھوں سے کمایا، اور اللّٰہ تعالیٰ بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا''۔سورۃ الانفال، آیت 51-50

یہاں ہمیں یہ بات ذہن نشین کرائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کرنے والوں کا حشر مجرموں کا سا ہے اور ان کی سزا موت کے ساتھ ہی شروع ہوجاتی ہے۔ تقریباً اسی طرح کا مضمون آیات (28-27)48 میں بھی دہرایا گیا ہے لیکن وہاں یہ اضافہ ہے کہ ان لوگوں کے اچھے اعمال بھی ضائع ہوجاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے اور ان کے اچھے اعمال بھی کسی دنیاوی مقصد کیلئے ہوتے ہیں جن کا انہیں دنیا میں بدلہ دے دیا جاتا ہے۔ قانون قدرت ہے کہ:۔

''اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور آدمی کو وہی

ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی، اور یہ کہ (آدمی) اپنی کوشش عنقریب
دیکھ لے گا، پھر اس کو بدلہ دینا ہے اس کا پورا پورا بدلہ"۔
سورة النجم، آیت 41-38

اسی ضمن میں حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "انما الاعمال بالنیات "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی کام کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں کرتا"۔

آیات مبارکہ (41-38)53 انسان کیلئے قانون موافات کی بنیاد بھی فراہم کرتی ہیں۔ محنت دنیا کیلئے کریں تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے، محنت آخرت کیلئے کریں تو بدلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اس قانون موافات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے باغی بھی اس دنیا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں اور اکثر کی دنیاوی زندگی قابل رشک ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا جو دنیا کیلئے کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں ان کی محنت کا انہیں پورا بدلہ دیتا ہے جو ان کیلئے بھی آزمائش ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کیلئے بھی۔ چنانچہ ان کی چمک دمک دیکھ کر بہت سے ایماندار بھی رب العزت سے شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

رحمتیں ہیں تیری اغیار کے شانوں پر
برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

لیکن ایسے ایمانداروں کو شکوہ کرنے سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قوانین کسی خاص گروہ کیلئے نہیں بدلتا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیات طیبہ پر نگاہ کریں تو وہ سخت محنت، ریاضت اور صبر وتحمل والی زندگی تھی۔ انہوں نے کبھی نہ کہا کہ میں تو خدا کا نبی ہوں لہٰذا تبلیغ کیلئے کافروں سے پتھر کیوں کھاؤں، اگر اللہ چاہے گا تو اسلام پھیل ہی جائے گا، بلکہ اس راہ میں اس قدر محنت کی کہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ "میرے حبیب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم "اپنی جان کو ان کیلئے ہلکان مت کرو تم ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو۔

21.7 برے لوگوں کی موت

ہم دوبارہ اپنی اصل بحث کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ موت کا وقت سب سے برا ان کیلئے ہے جو اس وقت ظلم، فسق و فجور اور لہو لعب اور بے حیائی کے کاموں میں مشغول ہوں مثلاً کوئی آدمی اس وقت مارا جائے جب وہ ناحق کسی لڑائی، جھگڑے، فساد یا چوری ڈکیتی میں مشغول ہے یا لوگوں کو اللہ کی سیدھی راہ سے روک رہا ہو یا کسی اور کبیرہ گناہ میں مشغول ہو۔ چونکہ یہ اعمال رب تعالیٰ سے بغاوت کے اعمال ہیں، اس لیے ایسے اعمال کرنے والوں کو موت کے ساتھ ہی سزا سنا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اخیر اچھا کرے (آمین)۔ حدیث نبویؐ ہے کہ انسان کو دعا مانگتے رہنا

Marfat.com

چاہیے کہ اس کا اخیر اچھا ہو یعنی زندگی کا اختتام اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ کام کرنے میں ہو۔ وہ بدقسمت جو موت کے وقت ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں ان کیلئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"وہ لوگ جن کی روحیں اس حالت میں قبض ہوں، جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کررہے ہوں اس وقت وہ لوگ التجاء کرتے ہیں، کہ ہم نے برائی جان بوجھ کے نہیں کی تھی، (لیکن فرشتے ان کو جواب دیتے ہیں) کہ اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے، اس وقت جہنم میں داخل ہوجائو، اور یہ تم ایسے مغروروں کا آخری گھر ہے ہمیشہ کا ٹھکانا"۔سورۃ النحل، آیت 29-28

آیت (97)4 میں ایسے ہی لوگوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔

"اور جن لوگوں کی فرشتے جان کھینچتے ہیں، اس حال میں کہ وہ اپنا برا کررہے ہوں (فرشتے ان کو) کہتے ہیں، کہ تم کس بات میں تھے وہ لوگ جواب دیتے ہیں، کہ ہم تھے مغلوب اس ملک میں (یعنی ہم اپنی مرضی سے گناہ نہیں کرتے تھے) اس پر فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ کہ ہجرت کر جاتے، پس ایسوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے، بہت بری جگہ پہنچنے کی"۔
سورۃ النساء، آیت 97

آیہ مبارکہ (97)4 سے ایک پیغام تو ہمیں یہ ملتا ہے کہ کسی بھی حالت میں بھی گناہ جائز نہیں۔ اول تو انسان اس کے خلاف جہاد کرے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو آدمی وہاں سے ہجرت کر جائے، دل میں اس سے نفرت کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی جان پر اس کی استطاعت سے بڑھ کر آزمائش نہیں ڈالتا۔ انہی آیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت محافظ فرشتوں اور نفس کے درمیان پردہ اٹھ جاتا ہے اور وہ آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔

21.8 اچھے لوگوں کی موت

اوپر دی گئی آیات میں ان لوگوں کی موت کے واقعات ہیں جو مرتے وقت ناپسندیدہ کاموں میں مصروف تھے۔ ان کے برعکس وہ خوش

Marfat.com

قسمت لوگ ہیں جو اس وقت پسندیدہ اعمال میں مصروف ہوتے ہیں مثلاً وہ جہاد کر رہے ہوتے ہیں، نماز میں مشغول ہوتے ہیں، کسی غریب کی دادرسی کیلئے جا رہے ہوتے ہیں، کسی ظالم کا ظلم سے ہاتھ روک رہے ہوتے ہیں، حج پر جا رہے ہوتے ہیں، خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ کہ فرشتہ اجل آ پہنچتا ہے۔ ان مبارک لوگوں کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

”جن لوگوں کی جان کھینچتے ہیں فرشتے، اس حال میں کہ وہ پاکیزہ کام کرتے تھے وہ انہیں کہتے ہیں، ’تم پر سلام ہو اور جنت میں داخل ہو جائو، ان اعمال کے بدلے میں جو تم کرتے تھے“۔ سورۃ النحل، آیت 32

اے ہمارے ستار و غفار اور رحمٰن و رحیم مالک ہمیں معاف فرما اور موت کے وقت ہمارا انجام اپنے انعام یافتہ بندوں کے ساتھ ہو۔ احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ آدمی کی جس حالت میں موت آتی ہے، اس عمل کا ثواب یا گناہ اسے قیامت تک پہنچتا رہتا ہے مثلاً اگر کوئی حالت طواف میں انتقال کرتا ہے تو تا قیامت وہ طواف کرنے کا ثواب پاتا رہتا ہے، اگر کوئی حج میں فوت ہو گیا تو پھر ہر سال اسے حج کا ثواب ملتا رہے گا، اگر سجدہ میں موت آ گئی تو پھر تا قیامت خدا کے حضور سجدہ سے لطف اندوز ہوتا رہے گا، اگر کسی ظالم کو ظلم سے روکتے ہوئے مر گیا تو وہ غازیوں کا ثواب پاتا رہے گا، اگر تبلیغ اسلام میں مشغول تھا تو یہ اس کا صدقہ جاریہ بن جائے گا۔ ان کے برعکس اگر کوئی بدقسمت فسق و فجور کی حالت میں مر گیا تو قیامت تک اسی گناہ میں گرفتار رہے گا۔

21.9 قبر اور قبر کی زندگی

’قبر کیا ہے؟‘ اس سوال کا جواب مشاہدہ کے مطابق تو وہ گڑھا ہے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے لیکن پھر ان کی قبر کہاں ہے جنہیں جلا دیا جاتا ہے یا درندے کھا جاتے ہیں یا جو پانی میں ڈوب جاتے ہیں یا ہوائی جہاز کے حادثہ میں فضاء میں بکھر جاتے ہیں؟ یعنی ہر سال بیشمار ایسے انسان مرتے ہیں جن کو مٹی کی قبر نصیب نہیں ہوتی ان حضرات کی قبر کے متعلق کیا کہو گے؟

ان سوالات کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث مبارکہ میں بآسانی واضح ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " جو پانی میں ڈوب گیا اس کی قبر وہی پانی بن گئی، جسے درندہ نے کھا لیا اس درندہ کا پیٹ اس کی قبر ہے، جو آگ میں جل گیا وہ آگ اس کی قبر بن گئی، اور جسے کیڑوں نے ہضم کر لیا وہ کیڑے ہی اس کی قبر ہیں "۔ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کے مطابق زمین کا گڑھا ہی قبر نہیں بلکہ ہر کیفیت جس میں انسان کا جسم غائب ہو گیا وہی اس کی قبر ہے۔

درحقیقت قبر کسی دنیاوی مقام کا نام نہین بلکہ یہ ایک روحانی کیفیت ہے جس میں مرنے کے بعد ہم سب داخل ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی

Marfat.com

پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اس حقیقت کا اظہار اس طرح کیا کہ 'کسی کیلئے قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور کسی کیلئے یہ جہنم کے غاروں میں سے ایک گڑھا ہے' یعنی یہ وہ مقام ہے جہاں مرنے کے بعد انسان اپنے اعمال کے مطابق پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسی بات کو حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ایک اور موقع پر یوں بتایا ہے کہ 'قبر دنیا کی آخری منزل ہے اور آخرت کی پہلی'۔ اس بحث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قبر دو طرح کی ہے۔ ایک جسمانی اور ایک روحانی۔

جسمانی قبر: جسمانی قبر تو وہ گڑھا ہے جس میں آدمی کو دفن کر آتے ہیں یا پانی ہے جس میں جسم غرق ہو گیا یا اس درندہ کا پیٹ ہے جس میں وہ ہضم ہو گیا یا وہ آگ ہے جس میں وہ جل گیا یا وہ فضا ہے جس میں جسم کے خلیات بکھر گئے وغیرہ وغیرہ۔

روحانی قبر: روحانی قبر وہ مقام ہے جس میں موت کے بعد نفوس داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا کے بعد آخرت کی طرف ہماری پہلی منزل ہے۔ یہی وہ مقام ہے جس کو عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ عالم برزخ میں لوگوں کے حالات ان کی دنیاوی حیات کے اعمال اور خیالات جدا جدا ہوتے ہیں۔ انہی میں وہ بھی ہیں وہ سیدھے جنت کے مزے لیتے ہیں اور وہ بھی جو دنیا میں بھوت بن کر بھٹکتے رہتے ہیں اور وہ بھی جو سو جاتے ہیں اور وہ بھی جو دوزخ کی آگ سے جھلتے رہتے ہیں۔ یہیں سے نفوس زندہ لوگوں کی خوابوں میں آ کر ملتے ہیں۔

آیئے اس مسئلہ کو قرآن پاک میں باری تعالیٰ کے ارشادات کی روشنی میں بھی دیکھ لیں۔ قرآن کریم میں قبر جسمانی اور قبر روحانی کا ثبوت ملتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''(انسان کو) غفلت میں رکھا بہتات کی حرص نے، حتیٰ کہ قبروں میں پہنچ جائیں۔ بلاشك وشبہ اس وقت وہ (صحیح صورت حال) جان لیں گے۔ یقینا وہ اس وقت جان لیں گے''۔ سورۃ التکاثر، آیت 1-4

پھر ارشاد ہے کہ:۔

''پھر اس کو (انسان کو) موت دی، پھر قبر میں رکھوایا، پھر جب چاہے گا اس کو نکالے گا''۔سورۃ عبس، آیت 22-21

پھر حکم ہے کہ:۔

''اور جب قبروں سے اٹھائے جائیں گے ہر نفس جان لے گا، جو آگے بھیجا اور

Marfat.com

جو کچھ پیچھے چھوڑا"۔ سورۃ الانفطار، آیت4-5

اور پھر فرمایا کہ:۔

"کیا (آدمی) وہ وقت نہیں جانتا جب زمین اپنا بوجھ باہر نکالے گی، اور انسان کہے گا کہ اسے کیا ہوگیا ہے ، اس وقت وہ اپنی خبریں بیان کرے گی کہ اس پر کیا بیتا ہے"۔سورۃ الزلزال، آیت 2-4

"اور کیا وہ نہیں جانتا جب اٹھائیں جائیں گے جو قبروں میں ہیں، اور جو سینوں میں ہے کھل کر ظاہر ہوجائے گا"۔سورۃ العادیات، آیت9-10

اس طرح کی بہت سی آیات ہیں جن سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کا مطلب ایک ایسی کیفیت ہے جس میں انسان موت کے بعد ڈال دیا جاتا ہے یقیناً مادی جسم کی قبر وہی ہے جہاں مرنے کے بعد وہ غائب کر دیا گیا لیکن روحانی قبر قیامت تک رہنے والی چیز ہے جیسے پہلے کہا گیا ہے وہ دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ لیکن آدمی کو سمجھانے کے لئے حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے زمین میں گڑھے والی قبر کی تمثیل سے اکثر قبر کے عذاب وجزا کو واضح کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ 'جب نیک بندے کو زمین پر اتارا جاتا ہے تو فرشتے اس کو آ کر دلاسا دیتے ہیں مرحبا۔ آ۔ اور آرام کر۔ اس کے بعد قبر میں قندیلیں روشن کر دی جاتی ہیں اور قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ ہمیشہ وہاں کی سیر کرے'۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ 'جب آدمی کو قبر میں اتار دیا جاتا ہے تو قبر سے ایک آواز آتی ہے کہ اے شخص دنیا میں تو نے میرے بہت قصے سنے ہیں جس میں میرا قہر اور رحم دونوں تھے، اب تو بتا کہ اپنے ساتھ کیا لایا ہے'۔ ایک اور موقع پر حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے کہ 'کافر کو جب قبر میں اتارا جاتا ہے تو زمین دونوں پہلوؤں سے اس کو اتنی پیستی ہے کہ اس کی ہڈیاں چکنا چور ہوجاتی ہیں اور قیامت تک وہ اسی عذاب میں مبتلا رہتا ہے'۔ اسی ضمن میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ ان سب سے ایک بات یقینی حد تک ثابت ہوتی ہے کہ قبر موت اور آخرت کے درمیان ایک پل (Bridge) ہے، جنہوں نے دنیا کی آزمائشی زندگی اچھے اعمال اور الٰہی قانون کے مطابق گزاری ان کیلئے یہ مقام آرام وآسائش کا ذریعہ ہے لیکن وہ جو اس امتحان میں ناکام رہے ان کیلئے یہ انتہائی تکلیف دہ جگہ ہے۔ (استغفر اللہ)

اسی مضمون کو اب ہم کچھ قرآنی آیات کے حوالہ سے سمجھیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عبرت کیلئے فرعون کا واقعہ قرآن پاک میں کئی جگہ بیان فرمایا ہے۔ فرعون اور اس کے ساتھی انتہائی ظالم حکمران تھے انہوں نے تو صرف بنی اسرائیل کو غلام بنایا ہوا تھا بلکہ ان سے انتہائی مشقت کے کام بھی

Marfat.com

لیتے تھے۔فرعون اپنے غرور اور تکبر میں حد سے بڑھ چکا تھا وہ اپنے آپ کو خدا کہلاتا اور لوگوں کو اپنی پوجا کیلئے مجبور کرتا۔آخر کار وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیچھا کرتا ہوا بمع اپنی فوج کے سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔اس وقت دریا کا پانی اس کی قبر بن گیا لیکن بعد میں مستقبل کی نسلوں کیلئے سامان عبرت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کی لاش کو محفوظ کر دیا جو قاہرہ کے عجائب گھر میں آج بھی موجود ہے۔فرعون اور اہل فرعون کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ:۔

''آگ ہے کہ دکھادیتے ہیں ان کو صبح وشام، اور جب آئے گی قیامت (حکم ہوگا) حاضر کرو فرعون والوں کو سخت سے سخت عذاب میں''۔

یہ قوم فرعون کی اس حالت کا نقشہ ہے جو انہیں قبروں میں پیش آ رہی ہے۔وہ یوم الدین کے بعد پیش آنے والے اصل عذاب کے شدید خوف میں بھی مقید ہیں جو انہیں ان کے کرتوتوں کی بنا پر ملنے والا ہے۔موت کے فوری بعد نفس کو اپنا محاسبہ پورا پورا نظر آتا ہے۔اس محاسبہ کی فلم کی ایک جھلک ہمیں ان لوگوں کے بیانات میں بھی نظر آتی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوتے ہیں۔قبر کے محاسبہ کے بعد انسانی نفس کو اچھی طرح پتہ چل جاتا ہے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے یعنی عالم برزخ میں مجرموں کو اصل سزا نہیں دی جاتی بلکہ سزا کی جھلکی دکھائی جاتی ہے۔فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی وہاں ہر روز ان کے انجام کا منظر دکھایا جاتا ہے اور یہی ان کی سزا ہے۔اس طرح جو لوگ دنیا میں نیک تھے انہیں بھی قبروں میں ان کا نیک انجام دکھایا جاتا ہے جس سے ان کی روحوں میں مسرت کی لہر دوڑتی رہتی ہے۔اس کی مثال سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ کے اس بندے کے واقعہ سے ظاہر ہے جسے کفار نے شہید کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے دنیاوی حیات کے اختتام کے ساتھ ہی اسے جنت میں داخل کر دیا۔

قبر یعنی عالم برزخ کی جزا یا سزا کا تصور آپ اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ سکول میں ایک لڑکا پتھر مار کر کھڑکی کا شیشہ توڑ دیتا ہے۔یہ ایک ایسی غلطی ہے جس کی سزا شدید ہو سکتی ہے، ہم جماعت اسے پکڑ کر ہیڈ ماسٹر صاحب کی طرف لے جاتے ہیں۔یہ تصور کرنا مشکل نہیں کہ ہیڈ ماسٹر صاحب تک پہنچتے پہنچتے اس لڑکے کی کیا حالت ہوگی۔یقیناً وہ لڑکا اس دوران شدید احساس ندامت اور سزا کے تصور کے خوف سے انتہائی کرب و بلا میں مبتلا ہوگا۔اب وہ ہیڈ ماسٹر کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے، ٹانگیں کانپ رہی ہیں، دل دھڑک رہا ہے، پسینہ چھوٹا ہوا ہے لیکن کوئی بعید نہیں کہ ہیڈ ماسٹر صاحب اس پر رحم کھا کر یا اس کی پرانی خوبیوں کے پیش نظر اسے معاف ہی کر دیں۔انجام خواہ کچھ بھی ہو لیکن راستہ کا وہ خوف بھی تو کسی سزا سے کم نہیں تھا۔بیشک اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین ہے عین ممکن ہے کہ اپنی مہربانی سے وہ بڑے بڑے گنہگاروں کو بخش دے لیکن موت اور یوم حساب میں جو وقفہ ہے اس میں ہر روز انسان اپنے انجام کو دیکھتا ہے اور اگر خدانخواستہ اعمال اچھے نہیں تو یہ کیفیت سوہان روح بن کر اسے تنگ کرتی رہتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اس کیلئے تنگ معیشت ہے، اور ہم

Marfat.com

قیامت کے دن اسے اندھا اٹھائیں گے''۔سورۃ طٰہٰ، آیت 124

''اے ایمان والو! بچائو اپنی جان کو، اور گھروالوں کواس آگ سے، جس کا ایندھن ہیں انسان اور پتھر، ہر انسان اپنی کوشش کا پھل پائے گا، اور یہ کہ وہ اپنی کوشش عنقریب دیکھے گا، اور پھر اس کو (کوشش کا)بدلہ دیاجائے گا پورا پورا''۔سورۃ القمر، آیت 41-39

اس آیہ مبارکہ میں ارشاد ہے کہ

'ہر انسان عنقریب اپنی کوشش کو دیکھے گا اور پھر اسے اس کا بدلہ دیاجائے گا پوراپورا'

عالم برزخ کے وقفہ میں اعمال کو دیکھنے اور یوم الدین کے بعد جزاوسزا کی بھرپور عکاسی ہے۔اوپر کی بحث قبر اور عالم برزخ کی کیفیات کو قرآن کریم اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔مندرجہ ذیل واقعات اس مسئلہ کے کچھ ظاہری پہلوؤں کی نشان دہی کرنے کیلئے پیش کیے جاتے ہیں۔

یہ نومبر 1981ء کی بات ہے کہ اخبار جنگ میں خبر آئی کہ پشاور کے نواح کے ایک قبرستان میں نہایت عجیب واقعہ پیش آیا۔اس کی تفصیل یوں ہے کہ ''وہاں ایک پرانی قبرتھی قبر میں انہی دنوں ایک سوراخ ہوگیا۔گورکنوں نے دیکھا کہ سوراخ میں سے ایک عجیب الخلقت مخلوق نکلتی ہے جو کہ ہوبہو آدمی کا ایک چھوٹا نمونہ ہے لیکن لمبائی میں صرف چار پانچ انچ ہے۔وہ قبر میں سے اپنی ٹانگوں پر چلتے ہوئے نکلتا ہے،تھوڑی دیر کے بعد اس کی دونوں ٹانگیں علیحدہ ہوجاتی ہیں، پھراس کا دھڑ بھی گرجاتا ہے۔اس کے اعضاء علیحدہ علیحدہ ہونے کے بعد خشک ہوکر چھوٹے چھوٹے حصوں میں بکھر جاتے ہیں صرف ایک سر باقی رہ جاتا ہے جو تباہ نہیں ہوتا، پھر پہلے کی طرح وہ سالم ہوجاتا ہے اوراس طرح کئی دنوں سے یہ سلسلہ ہر پندرہ منٹ کے وقفہ کے ساتھ جاری ہے''۔

جب میں نے یہ عجیب وغریب واقعہ پڑھا تو اپنے دفتر میں ڈاکٹر منظور عطاء اور انجینئر محمد نسیم ڈائریکٹر سیفٹی ڈویژن سے ذکر کیا۔انہوں نے کہا کہ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے یہ واقعہ دیکھا ہے،نسیم صاحب نے بتایا کہ گردن سے اوپر یہ سر ہر لحاظ سے انسانی اعضاء سے مطابقت رکھتا تھا۔کچھ لوگ قبر کے سوراخ میں ڈنڈا اچلانے لگے تاکہ دیکھا جائے کہ اور کیا کچھ ہے۔بتایا جاتا ہے کہ ڈنڈے کے ساتھ ہی چند بچھو اور سانپ کے بچے نکلے۔اب غور کریں کہ اس واقعہ کے پیچھے کیاراز وابستہ ہے؟ ہمارے پاس اس قبر کے بدقسمت مکین کے بارے میں کوئی علم نہیں لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ عذاب قبر کی ایک شکل کی طرف دلالت کرتا ہے۔

Marfat.com

حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی احادیث سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ وہ انسان کے اپنے اعمال ہی ہیں جو قبر میں اسے خوش رکھتے ہیں یا تنگ کرتے ہیں۔ یعنی قبر کے سانپ بچھو، آگ آدمی کے اعمال ہی کی مختلف اشکال ہوتے ہیں۔ اس لئے مسلسل کبیرہ گناہ کرنے والوں کو قبر میں سخت سے سخت سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے مثلاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ " کافر کے جسم پر قبر میں ہزاروں اژدھے اور سانپ چھوڑے جاتے ہیں جو کہ قیامت تک اسے تنگ کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک آدمی جس نے بے گناہ کو قتل کیا، قیامت تک اس آدمی کا سر کاٹا جاتا ہے پھر وہ ٹھیک ہو جاتا ہے اور پھر اس کا سر کاٹا جاتا ہے اور یوں اپنے ظلم کا بدلہ پاتا رہتا ہے "۔ اسی ضمن میں کئی ایک اور بھی احادیث ہیں جو کہ لوگوں پر مرنے کے بعد سزا اور جزاء کے عمل کو اچھی طرح واضح کرتی ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو نیک عمل کر کے مر گئے۔

مبارک ہو تجھے اقبال پیغام اجل آیا ہے
سنا ہے قبر میں سرکار کا دیدار ہوتا ہے

Marfat.com

Marfat.com

باب نمبر 22

روحوں سے براہ راست یا خواب میں ملاقات

22.0 تعارف

اب تک ہم نے قدیم اور جدید حوالوں سے کچھ ماورائی حقائق کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اب ہم ان میں سے ایک حقیقت کشف کی ہے۔ جس کو جدید سائنسی اصطلاح میں ESP یعنی (Extra Sevsory Perception) کہہ سکتے ہیں۔اسی ضمن میں ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ کیا روحیں جو انتقال کر چکی ہیں ان سے رابطہ کرنا ممکن ہے یا نہیں؟ اور وہ ہمارے لیے کیا کر سکتی ہیں؟ یورپ اور امریکہ میں آج کل روحوں کو بلانے کا بڑا چرچا ہے۔ہمارے اپنے معاشرہ میں بھی عامل اور روحانی بزرگ ہستیاں روحوں کو بلانے کا دعویٰ کرتی رہتی ہیں،اسی طرف کشفِ قبور یعنی قبروں کے اندر دفن لوگوں کو دیکھنا اور ان کے حالات سے آگاہی بھی صوفیاء اکرام اور روحانی بزرگوں کے نزدیک کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے لیکن عموماً ایسے دعویٰ ذاتی تجربات تک محدود ہوتے ہیں۔یہ نہیں کہ دعویٰ کرنے والا کسی دوسرے کو بھی ان کا مشاہدہ کروا سکے۔بہر حال دعویٰ کے متعلق تصدیق شدہ والے واقعات کم ہیں۔مندرجہ ذیل مضمون میں روحوں سے ملاقات کے موضوع کو احادیث مبارکہ، اسلامی بزرگوں کے واقعات اور جدید سائنسی مشاہدات کے حوالہ سے پیش کیا جا رہا ہے۔

22.1 روحوں سے ملاقات

روحوں سے ملاقات کا ایسا موضوع ہے جو سب لوگوں کی دلچسپی کا حامل ہے۔سبھی جاننا چاہتے ہیں کہ کیا ہمارے مردہ رشتہ دار، دوست، واقف کار مرنے کے بعد بھی ہمارے حالات سے واقف ہیں اور ہمارے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا وہ ہمیں ملنے آتے ہیں یا ہم انہیں ملنے کیلئے جا سکتے ہیں؟ کیا روحوں کو بلایا جا سکتا ہے؟ ایسے سوالات کا جواب 'ہاں' بھی ہے اور 'نہ' بھی۔مذاہب عالم اور جدید روحانی سائنسی تجربات سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد روح (نفس) زندہ رہتی ہے اور جسمانی قیود سے آزاد اس کی استعداد بھی بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔جہاں تک آگے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں کا معاملہ ہے شروع شروع میں دونوں کو ایک دوسرے کی بڑی یاد ہوتی ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ بھولنے لگتے ہیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ ابتداء میں خوابوں کے ذریعہ ملاقات کے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ یہ سلسلہ کم ہوتا جاتا ہے۔مشہور مثل ہے کہ وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ابتداء میں کسی مرنے والے کی یاد لواحقین کو بہت زیادہ ستاتی ہے، جتنا کوئی عزیز ہوتا اتنا ہی زیادہ رُلاتی ہے اور مرنے والا بھی ان کے خوابوں میں آ کر ملتا رہتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد جدائی کا غم کم ہونے لگتا ہے حتیٰ کہ کچھ سالوں میں

Marfat.com

ماں بھی اپنے پیارے بچہ کو بہت حد تک بھول جاتی ہے۔

اس ضمن میں شاہ عبدالعزیز ابن شاہ ولی اللہ محدث و مفسر (وفات 1176 ہجری) اپنے ملفوظات میں نہایت دلچسپ واقعہ لکھتے ہیں۔ (مترجم محمد موسیٰ بھٹو) "ایک مرید نے پوچھا کہ مرنے کے بعد روح کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا نہیں؟ اگر چہ جسم خاکستر ہو چکا ہوتا ہے اور یہ کہ یہ تعلق روح مع الجسم ہر آدمی کیلئے ہے یا خاص کر اولیاء کی خصوصیت ہے؟ ارشاد فرمایا کہ "جہاں جسم کا بیشتر حصہ ہوتا ہے وہاں تعلق روح کا ہوتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد کم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ تیس سال کے بعد روح کا تعلق بہت کم رہ جاتا ہے مگر بعض اولیاء جن کیلئے خدا تعالیٰ کا فیضان معرفت منظور ہوتا ہے، زیادہ مدت تک یہ تعلق باقی رہتا ہے"۔ (صفحہ 134 ملفوظات شاہ عبدالعزیز)

آپ نے مصنف ہٰذا کتاب کے والد مرحوم کی رُوح کی خوشبو کے واقعات بھی پڑھے ہیں۔ آپ 9 اکتوبر 1981ء کو حج کرنے کے بعد طواف الوداع کے دوران فوت ہوئے۔ مکہ شریف میں آپ کی روح کی خوشبو روزانہ کئی کئی مرتبہ آتی رہی۔ یہی حال پاکستان میں بھی کچھ عرصہ رہا تقریباً تین ماہ تک ان کی روح کی مخصوص خوشبو سے ان کی آمد کا اکثر احساس ہوتا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ یہ سلسلہ کم ہوتا گیا اور ایک سال کے بعد بالکل ختم ہو گیا۔ اسی طرح کچھ اور لوگوں کی روحوں کے واقعات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ موت کے بعد روحیں اپنے عزیزوں سے ملنے آتی ہیں لیکن بعد میں یہ سلسلہ کم ہو جاتا ہے۔ مغربی محققین کے روحوں کے بلانے کے مشاہدات دراصل بھوتوں کے متعلق ہیں یعنی وہ روحیں جو دنیاوی محبت میں زمین پر پھیلتی ہیں انہیں بلانا آسان ہے بلکہ ان سے کئی ایک تو خود اپنے اظہار کے لئے بیتاب ہوتی ہیں۔

22.2 روحوں سے بات چیت

عارضی موت کے بعد زندہ ہونے والوں کے واقعات سے مردہ لوگوں کی روحوں کی آپس میں بات چیت ایک ثابت شدہ امر معلوم ہوتی ہے لیکن کیا زندہ لوگ مردہ لوگوں کی ارواح سے بات چیت کر سکتے ہیں؟ اس موضوع پر بھی یورپ اور امریکہ میں سائنسی طور پر پچھلے پچاس سال سے کافی کام ہو رہا ہے جس کی تفصیلات اس کتاب میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سب اسلامی حیات بعد الموت کے نظریات کے مطابق ہے بلکہ اگر کہا جائے کہ روحوں پر جدید سائنسی معلومات اور اسلامی نظریات کی تشریح ہیں تو غلط نہ ہوگا۔

احادیث کی اکثر کتابوں میں یہ واقعہ درج ہے کہ جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی، جنگ کے تیسرے دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اس گڑھے کی طرف تشریف لے گئے جس میں کفار کی لاشیں ڈالی گئی تھیں۔ ان میں ابوجہل اور عتبہ جیسے بدترین دشمن بھی تھے۔ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک ایک کافر کا نام لے کر پکارتے

Marfat.com

جاتے کہ فلاں بن فلاں آگاہ ہو کہ رب تعالیٰ نے میرے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کردیا، تم بتائو کہ تمہارے متعلق جو اس کا حکم تھا وہ بھی تم نے سچ پایا"۔جب آپ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم یہ فرمارہے تھے تو حضرت عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ "حضور صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم کیا مردے بھی سن سکتے ہیں جو آپ ان کی لاشوں سے یوں مخاطب ہیں؟" اس پر رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا! "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ یہ لوگ تم سے کہیں زیادہ سننے کی اہلیت رکھتے ہیں صرف جواب دینے سے قاصر ہیں"۔

22.3 روحوں کا دنیا میں آنا اور عمل دخل

امام غزالیؒ کی تحقیق کے مطابق بھی مردوں کی روحیں دنیا کے حالات سے بخوبی واقف ہوتی ہیں لیکن دنیا سے دلچسپی ان کے اپنے حالات کے مطابق ہوتی ہے۔ظاہر ہے کہ جو لوگ مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ تو اس بندی خانہ سے نکل نہیں سکتے اور جو جنت کی نعمتوں سے دل افروز ہوتے ہیں وہ خود وہاں سے نکلنا نہیں چاہتے۔یہی وجہ ہے کہ عالم برزخ سے روحوں کی واپسی کے واقعات بہت ہی کم پیش آتے ہیں اور جو تھوڑے بہت ہوتے ہیں ان میں سے اکثر واقعات وفات کے تھوڑا عرصہ بعد تک کے ہوتے ہیں یا ان روحوں کے ہوں گے جو عالم برزخ میں بھوت بن کر زندگی گزار رہی ہیں۔روحوں کے بلانے کے اکثر سائنسی واقعات یورپ اور امریکہ ہی میں ہو رہے ہیں۔شاید اس کی بھی یہی وجہ ہو کہ وہاں دنیاوی ہوس کی زیادتی کی وجہ سے اکثر لوگ مر کر بھوت بن جاتے ہیں، کچھ زمین پر ہی اپنے بسیرے کر لیتے ہیں۔

بہر حال وقت کے ساتھ ساتھ جیسے زندہ لوگ اپنے بچھڑے ساتھیوں کو بھولنے لگتے ہیں ویسے ہی مردہ لوگوں کی روحیں بھی دنیا کے حالات سے دلچسپی کھو بیٹھتی ہیں۔البتہ اولیاء کرام اور دوسرے نیک لوگوں کی ارواح جن کی حق تعالیٰ نے ڈیوٹی لگا دی ہو ان کا فیض جب تک اللہ تعالیٰ چاہے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر شدہ اوامر کی طرف اترتے ہیں۔شاید سورۃ القدر میں اسی کی طرف اشارہ ہے کہ

"اترتے ہیں اس میں (لیلتہ القدر) فرشتے اور روح اپنے رب کے اِذن سے تمام امور کی طرف....."۔

Marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی رحمت اللہ علیہ کے مطابق تو اس عالم شہادت میں آنے سے پہلے بھی بعض اکابر ارواح سے اللہ تعالیٰ نے وہ کام لیے ہیں جو عالم شہادت میں آنے کے بعد آدمی کرتا ہے۔ان کے مطابق اولیاء اللہ میں سے بعض ایک ہی وقت میں کئی جگہ اسی شکل یا بصورت دیگر ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔اپنے متعلق لکھتے ہیں کہ "فقیر کو لوگوں نے مکہ معظّمہ میں دیکھا، بعض نے بغداد میں، اور بعض نے روم وغیرہ میں۔حالانکہ فقیر کہیں نہیں گیا"۔اسی طرح حاجتمند لوگ زندہ اور مردہ لوگوں سے مدد طلب کرتے ہیں یا دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی صورتوں نے حاضر ہو کر ان کی بلا کو دفع کیا۔حضور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ہزاروں آدمی ایک ہی وقت میں بشکل مختلف دیکھتے ہیں اور استفادہ کرتے ہیں۔یہ سب حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی صفات ولطائف کی مثالی صورتیں ہیں"۔(بحوالہ مکتوب مجدد الف ثانی بنام محمد تقی)

22.4 مُردوں کی توقعات اور ایصال ثواب

اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ جیسے خط وکتابت، نیک خواہشات کے اظہار اور تحفہ تحائف کے لینے دینے سے ہم اپنے عزیزوں سے تعلق قائم رکھتے ہیں اگر ہم مردوں کی ارواح کیلئے بھی دعا، ایصال ثواب اور صدقہ وخیرات کریں اور انہیں اچھے الفاظ میں یاد کریں تو ہمارا اور ان کا تعلق بھی قائم رہتا ہے۔اس کا مشاہدہ خوابوں کی صورت میں ہوتا رہتا ہے۔اسلامی روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ عالم برزخ میں روحیں اپنے پیچھے دنیا میں رہ جانے والوں سے توقعات وابستہ رکھتی ہیں۔ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ان کے نام پر نیکی کرے اور ان کیلئے مغفرت طلب کرے۔ایسی چیزیں مردہ کیلئے زندوں کا تحفہ ہوتی ہیں۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت کی جاتی ہے کہ مردہ آدمی کی روح انتظار میں رہتی ہے کہ اس کے لواحقین اس کیلئے کیا بھیجتے ہیں مثلاً ان کے نام پر جب ہم نیکی کرتے ہیں تو فرشتے اس نیکی کا اجر اس روح تک لے کر جاتے ہیں۔حدیث میں ہے کہ زندوں کی دعائیں فرشتے ایک نورانی طبق میں آراستہ کر کے مردہ روح کے آگے پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ تحفہ فلاں ابن فلاں نے اسے بھیجا ہے۔وہ اس وقت ایسے ہی خوش ہوتے ہیں جیسے زندہ لوگ تحفہ لے کر خوش ہوتے ہیں۔اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ زندہ لوگ مرے ہوؤں کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام میں اس بات کو بڑی اہمیت حاصل ہے کہ انسان اپنے پیچھے صدقہ جاریہ چھوڑ جائے جس سے مراد ایسے تمام کام ہیں جن کے اچھے اثرات اس کی وفات کے بعد بھی قائم رہتے ہیں اور ان میں بہترین صالح اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے نیکی کرتی ہے۔

سورۃ یٰسین میں اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کو آدمی کے آثار کا نام دیتا ہے فرمایا "ہم لکھتے جاتے ہیں جو (اعمال) وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آثار (نشان) جو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آتے ہیں۔" ان آثار میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جنکے اچھے برے اثرات دنیا پر آدمی کی وفات کے بعد پڑتے رہتے ہیں مثلاً مریضوں کیلئے ہسپتال بنانا، تعلیم کیلئے سکول بنانا، دین اسلام کی تبلیغ کیلئے کوئی کام کر جانا، اللہ تعالیٰ کی خلقت کی فلاح کیلئے کوئی کام کر جانا، یہ سب آدمی کے نیک آثار ہیں جن کا ثواب انسان کو اس وقت تک پہنچتا رہتا ہے جب تک ان کا فیض جاری رہتا ہے لیکن جیسے اوپر کہا

گیا ہے، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ " آدمی کیلئے سب سے بڑا صدقہ جاریہ اس کی نیک اولاد ہے"۔ اس لیے کہ وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں اس کا ثواب بھی ان کے والدین کو ملتا ہے۔

22.5 روحوں سے ملاقات

روحوں سے تعلق کیلئے ضروری ہے کہ ہم ایسے اقدامات کریں جن کے ذریعے ان سے ہمارے تعلقات استوار ہوسکیں۔ تعلقات کو استوار کرنے میں سب سے اہم چیز محبت اور حسن ظن ہے۔ بزرگان دین اور صوفیاء کرامؒ کا عام دعویٰ ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے محبت والے تعلق کو گہرا کیا انہیں خواب میں حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا دیدار نصیب ہوتا ہے، بعض تو یہاں تک کہتے ہیں کہ وہ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی محفل میں بھی پہنچتے ہیں۔

یہاں میں اپنے ایک واقعہ کا ذکر بھی کرنا چاہتا ہوں ہوسکتا ہے کہ کوئی اسے میرا وہم سمجھے لیکن یہ بالکل سچ ہے۔ میں جب اپنے والد صاحب مرحوم کی روح کے خوشبو کے واقعات پر کتاب لکھ رہا تھا (اس کتاب کا مسودہ 1982ء میں مکمل ہوا) تو بعض اوقات مجھے ایک خاص طرح کی خوشبو کا احساس ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا جیسے کوئی میرے پاس بیٹھا ہوا ہے، کبھی مجھ پر جھک کر دیکھتا ہے کہ میں کیا لکھ رہا ہوں۔ خوشبو کے ہلکے ہلکے مرغولے تو اکثر ہی آتے رہتے تھے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ میرے تحت الشعور میں چھپی ہوئی خوشبو تھی یا مجھے کوئی نفسیاتی عارضہ تھا۔ میں نے ان تمام باتوں پر خوب سوچا ہے اور سوچ بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خوشبو کے ان احساسات کی وجہ میرے والد مرحوم کی روح تھی یا کوئی اور روحیں، یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے لمحات اکثر ہی آئے ہیں۔ امریکہ میں لکھی گئی کتاب "Search for the Soul" روح کی تلاش میں کئی ایک بڑے سائنسدانوں کے حوالہ سے 1850ء سے 1980ء تک روحوں کے بلانے کے واقعات لکھے گئے ہیں۔ روحوں کو بلانے والوں میں کچھ تو نوبل انعام یافتہ بھی ہیں۔ انہی میں سے ژیل یونیورسٹی کے کیمسٹری پروفیسر ڈاکٹر رابرٹ ہیر (Dr. Robert Hare) کا ذکر ہے کہ ستمبر 1854ء کو انہوں نے یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں تین ہزار لوگوں کے سامنے حلفیہ بیان دیا کہ "ان کے پاس روحوں کو ماننے کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور وہ خود روحوں کے حیرت انگیز کارنامے دیکھ چکے ہیں"۔ یہ بیان ان کی کتاب مطبوعہ 1855ء روحوں پر تحقیقات (Experimental Investigation of the Spirit Manifestation) میں دیا گیا ہے۔

22.6 روح اور خواب

خواب کی حالت میں روحوں کا ملنا تو ایک بہت ہی عام سی بات ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ میں سے اکثر اپنے عزیزوں کی روحوں سے خواب کی حالت میں مل چکے ہوں گے لیکن جس طرح انگریز کرنل رابرٹ ڈیون نے ایسے واقعات کا تجزیہ اپنی کتاب (An Experiment

Marfat.com

with Time-Published 1933) میں کیا ہے وہ لاجواب ہے۔ دراصل حالت نیند میں ہمارے نفوس جسم کو چھوڑ دیتے ہیں اس حالت میں ان کا جسم کے ساتھ ایک ہلکا سا تعلق رہتا ہے جسے محققین نے زندگی کی ڈوری "Life Chord" کا نام دیا ہے۔ قرآن کریم بھی نیند میں نفس کے جدا ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔

"اللّٰہ وہ ہے جو رات کو نیند کی حالت میں تم پر حالت موت وارد کردیتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو دن میں، پھر تمہیں وہ اٹھاتا ہے تاکہ مقرر میعاد پوری ہو، پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے، پھر وہ بتادے گا تمہیں جو کچھ تم کرتے تھے"۔سورۃ الانعام، آیت 60

اس آیۂ مبارکہ میں خصوصی طور پر بتایا گیا ہے کہ نیند مانند موت ہے اور اس عارضی موت کے بعد آدمی دوبارہ اٹھایا جاتا ہے۔ یہ روزانہ کا مشاہدہ ہے لیکن مستقل موت کے بعد واپسی نہیں ہوگی۔ آیۂ مبارکہ یہ بھی بتاتی ہے کہ سونے کی حالت میں انسان اپنے گردوپیش کے حالات سے بے خبر ہو جاتا ہے، جب کہ دن کے وقت انسانی نفس دنیاوی کاموں میں ڈوبا رہتا ہے۔ نیند نفس کیلئے دنیا سے آزادی کا موقعہ ہے لیکن زیادہ تر لوگ دنیا کے بکھیڑوں میں اس قدر پھنسے ہوتے ہیں کہ رات کو بھی ان کا نفس انہی پیچ وخم میں پھنسا رہتا ہے اس لیے ایسے نفوس خواب میں جو کچھ دیکھتے ہیں وہ ان کی ذہنی کیفیت کا ہی گرداب ہوتا ہے اور ان کے زیادہ تر خواب ان کی ذہنی پریشانیوں اور انتشار (Confusions) کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ شاذونادر ہی ہوتا ہے کہ ایسے انسانوں کا نفس نیند میں جسم کو چھوڑ کر کہیں دور نکل جائے۔

جو لوگ خواب کی تعبیر کا علم جانتے ہیں وہ حاصل شدہ معلومات کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں اور خوابوں کی اشکال سے پیش آنے والے حقائق کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ مشرقی ادب تو بے شمار ایسے واقعات سے بھرا پڑا ہے لیکن جو لوگ مغرب سے زیادہ مرعوب ہیں ان کیلئے رابرٹ ڈیون کی کتاب جس کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔ "A Travel into Time" - Published 1927 نہایت دلچسپی کی حامل ہوگی۔ مصنف اپنے زمانہ کا ایک مانا ہوا دانا تھا۔ اس نے لندن میں ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ممبران کا فرض تھا کہ جیسے ہی رات کے کسی پہر ان کی آنکھ کھلے وہ دیکھے گئے خوابوں کو فوری طور پر قلم بند کر لیں۔ اس طرح خواب میں دوسرے خیالات کی ملاوٹ کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے اور آدمی بھولتا بھی نہیں ہے۔ اس سوسائٹی نے خوابوں کی حقیقت پر بڑی اہم تحقیقات کیں اور بیشمار تجربات سے ثابت کیا کہ خوابوں کا مستقبل کے واقعات سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ انہوں نے اپنی تحقیقات سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ نیند کی حالت میں نفس آزاد ہوتا ہے اس لیے وقت کے دھارے پر زمان و مکان کی پابندیوں سے بالاتر وہ مستقبل اور ماضی میں جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مشق کے ذریعے انسان اپنی اس صلاحیت کو مزید بھی اجاگر کر سکتا ہے حتیٰ کہ متواتر ریاضت سے انسان جاگتے ہوئے بھی اپنے نفس کو جسم سے آزاد کرنے کی قابلیت حاصل کر کے مستقبل کے واقعات کو

Marfat.com

بہت پہلے دیکھ سکتا ہے۔

یہ تو تھے رابرٹ ڈیون کے مشاہدات اگر آپ تحقیق کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے مسلم صوفیاء کرامؒ کے تجربات اور مشاہدات ان سے کہیں زیادہ ہیں۔ جہاں تک خوابوں کی سچائی کا تعلق ہے اس پر قرآن کریم خود سب سے بڑی شہادت ہے۔ سورۃ یوسف میں تین خوابوں کا ذکر ہے۔ ان سب واقعات کا تعلق مستقبل سے تھا لیکن خواب میں وقت سے بہت پہلے ان کی طرف اشارہ کر دیا۔ اس طرح رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اپنے ایک خواب میں دیکھا کہ آپؐ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب مکہ کے کافروں نے مسلمانوں کا وہاں داخلہ تک بند کیا ہوا تھا، لیکن چند ہی سالوں میں حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فاتح مکہ کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کر کے طواف کیا۔ اسی واقعہ کی طرف یہ آیت کریمہ اشارہ کرتی ہے۔

"اور اللّٰہ تعالیٰ نے سچ کر دکھایا ہے اپنے رسول کا خواب تحقیق تم انشاء اللہ مسجد حرام میں داخل ہوگے نہایت امن کے ساتھ"۔ سورۃ الفتح، آیت 27

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خوابوں کی تعبیر کا خصوصی علم عطا فرمایا تھا چنانچہ جب ایک لمبے عرصہ کی جدائی کے بعد ان کا خاندان اکٹھا ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے فرمایا:۔

"اور کہا! اے باپ یہ تعبیر ہے میرے اس پہلے خواب کی بیشک اس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا"۔ سورۃ یوسف، آیت 100

22.7 خواب میں روحوں سے ملاقات کے کچھ واقعات

اوپر کی بحث کا مطلب یہ ہے کہ اگر خوابوں کا صحیح طور پر تجزیہ کیا جائے تو انسان ان واقعات تک پہنچ سکتا ہے جو ابھی مستقبل کی ملکیت ہوتے ہیں لیکن اس وقت ہمارا موضوع وہ خواب ہیں جن کا تعلق دنیا سے گزر چکی روحوں سے ہے۔ آپ میں سے کئی لوگوں نے دیکھا یا سنا ہوگا کہ جب کوئی عزیز رشتہ دار فوت ہو جاتا ہے تو پس ماندگان اسے خواب میں ملتے ہیں۔ شروع شروع میں یہ ملنا زیادہ ہوتا ہے لیکن بعد میں کم ہو جاتا ہے، (یہ بھی ہے کہ بعض لوگ خوابوں میں روحوں کو زیادہ ملنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور بعض کم)۔ لیکن یہ کہاں تک صحیح ہے کہ آدمی روح ہی سے ملتا ہے اور خواب اس کے اپنے ذہن کی بناوٹ نہیں ہوتے؟ اس کا انحصار خواب دیکھنے والے پر ہے۔ ان کا ملنا اصل بھی ہو سکتا ہے اور ذہنی حالت کی اپنی شکل بھی۔ یہ کہ خواب میں ملنے والی کوئی روح ہی تھی اس کا ثبوت یہ ہے کہ بعض اوقات روحیں اپنے ملنے والے کو ایسے واقعات بتا جاتی ہیں جو بعد

Marfat.com

میں سچ ہو جاتے ہیں۔اس طرح کے بہت سے واقعات آپ خود بھی سنتے رہتے ہونگے۔مندرجہ ذیل میں خواب میں روحوں سے ملاقات کے کچھ واقعات بیان کیے جا رہے ہیں۔

ا۔ یہ واقعہ مورخہ 19 دسمبر 1981ء کے اخبار جنگ میں مشہور مصنف جناب رئیس امروہی کے حوالہ سے شائع ہوا تھا۔اس وقت چونکہ اس واقعہ کے گواہ ابھی بفضل خدا حیات تھے اس لیے اس کی صداقت پر شک کی گنجائش نہیں ہونا چاہیے۔انیس صاحب لکھتے ہیں کہ "ناصرالدین ناصر صاحب نے مرزا غالب مرحوم کی شاعری اور زندگی پر ایک کتاب دبستان غالب لکھی اور اظہار محبت کے طور پر ایک کتاب حضرت مولانا عبدالمعبود سواتی صاحب کو بھی بھیجی۔مصنف مولانا عبدالمعبود سواتی کے معتقد تھے جن کی عمر 1981ء میں 157 سال تھی اور بڑے اعلیٰ پایہ کے بزرگ تھے۔کہا جاتا ہے کہ 1981ء تک وہ ایک سو سے زیادہ مرتبہ حج بیت اللہ کر چکے تھے (ماشاء اللہ)۔آپ مرزا غالب کے ہم عصر بھی تھے اور ظاہر کو دیکھ کر مرزا صاحب کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے۔کتاب دیکھ کر آپ نے برہمی کا اظہار کیا اور غصہ میں مرزا غالب کو شرابی، کبابی اور ابن الوقت بھی کہا جس پر ناصر صاحب کو مایوسی ہوئی۔

ناصر صاحب بتاتے ہیں کہ نومبر 1969ء میں مولانا لاہور تشریف لائے، آپ وہاں اپنے میزبان ڈاکٹر راجہ ممتاز کے ہاں ٹھہرتے تھے۔مولانا نے ناصر صاحب کو وہاں بلایا اور کہا کہ میں نے مرزا غالب کے بارے میں اپنے خیالات بدل لیے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "27 اور 28 اگست کی درمیانی شب میں فجر کی اذان سے چند منٹ بعد عالم خواب میں دیکھا کہ مرزا غالب لباس فاخرہ پہنے چلے آ رہے ہیں، خوش نما داڑھی، بڑی بڑی مونچھیں، بھرا ہوا منہ، کھلا ماتھا، روشن آنکھیں۔علیک سلیک کے بعد مرزا غالب نے مجھ سے پوچھا کہ 'آپ نے پہچانا'، میں نے کہا کہ ہاں! آپ مرزا غالب ہیں، مرزا کے منہ سے مشک و عنبر کی خوشبو آ رہی تھی۔دورانِ گفتگو مرزا صاحب نے پوچھا کہ کیا آپ ناصر کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا، ناصر مصر والا؟ فرمایا نہیں لاہور میں ایک بچہ ناصر ہے اس کیلئے دعا کریں میں نے کہا کیا دعا کروں، فرمایا کہ بخشش کی۔مولانا عبدالمعبود کہتے ہیں کہ اس طرح مرزا غالب کے بارے میں ان کی بدگمانی دور ہوگئی"۔

ناصرالدین صاحب نے یہ واقعہ اپنی کتاب "دبستان غالب" کے دوسرے ایڈیشن میں بھی لکھا ہے جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرزا غالب جن کی وفات کو 100 برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے ان کی روح ابھی بھی اپنے یاد کرنے والوں کو نہیں بھولی۔اس طرح دوسری ارواح بھی دنیا کے لوگوں کے حالات سے واقف رہتی ہیں۔

2۔ خوابوں میں روحوں کی ملاقات کا ایک واقعہ مجھے مسٹر ٹی۔زیڈ فاروقی سابق ممبر مالیات پاکستان اٹامک انرجی کمیشن نے بھی سنایا۔بتاتے ہیں کہ "ان کے ایک ملنے والے کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد کچھ کاغذات کی تلاش میں بڑے پریشان تھے۔یہ کسی مکان کی رجسٹریاں تھیں جو ان کے والد مرحوم نے زندگی میں کسی جگہ رکھ دی تھیں۔وفات کے بعد جب ان کی ضرورت پڑی تو جگہ جگہ چھان ماری لیکن کہیں سراغ تک نہ ملا۔آخر ایک دن اللہ تعالیٰ سے بڑی دعا کی کہ کسی طرح مل جائیں۔اسی رات خواب میں ان کے والد کی روح تشریف لائی اور ان رجسٹریوں کے

Marfat.com

بارے میں صحیح صحیح معلومات بتادیں جن کے مطابق اگلی صبح انہیں وہ تمام کاغذات مل گئے"۔

3۔ روح کے خواب میں آنے کا ایک اور واقعہ میرے اپنے ساتھ بھی پیش آیا۔ یہ دسمبر کی 10 تاریخ کا ذکر ہے کہ "رات کا وقت تھا۔ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میرا لحاف کوئی نیچے کی طرف کھینچ رہا ہے یہ احساس اس قدر شدید تھا کہ میں جاگ گیا اب بھی یہی محسوس کر رہا تھا کہ جیسے کوئی چیز میرے لحاف کو بستر کے نیچے کھینچے چلی جا رہی ہے۔ اس وقت مجھے ایک خوف سا لگا اور میں نے آنکھیں کھول دیں اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ عین اس وقت جانی پہچانی خوشبو کا جھونکا آیا جو اس سے پہلے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم کی روح کے سلسلہ میں محسوس کر چکا تھا۔ جب میں نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہاں مجھے یوں محسوس ہوا کہ وہاں کوئی آدمی کھڑا ہے جس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کمرے میں اندھیرا تھا اور باہر کوئی لائٹ بھی نہیں جل رہی تھی۔ سفید کپڑوں کا اندازہ اس آدمی نما شبیہہ کی چمک سے لگ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ یہ سفید جسم کمرے سے باہر جا رہا ہے۔ ہمت کر کے میں اپنے بستر سے اٹھ گیا اور اس سفید لباس والے جسم کے پیچھے چل پڑا۔ اس انسان نما روشنی کو میں نے اچھی طرح دیکھا۔ وہ میرے آگے آگے چل رہی تھی اور پھر وہ میری آنکھوں کے سامنے بند دروازوں سے گزر کر اچانک اوجھل ہو گئی"۔

22.8 نبی پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت

حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد پاک ہے کہ "جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی مجھے دیکھا چونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا"۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ خواب میں جن لوگوں کو حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت ہوتی ہے وہ سچ ہے اور لاکھوں لوگ یہ مبارک حال دیکھ چکے ہیں۔

ذیل میں ہم ایک نہایت حیرت انگیز مشہور تاریخی واقعہ کا ذکر کریں گے جو کہ سلطان نورالدین زنگی کا پیش آیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان صلیبی جنگیں زوروں پر تھیں۔ دشمنوں نے ایک سازش بنائی کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جسم مبارک کو ان کی قبر سے نکال کر اغواء کر لیا جائے۔ اس منصوبہ کی تکمیل پر انہوں نے دو عرب یہودیوں کو مامور کیا۔ یہ دونوں شخص مسلمان صوفیاء کے بھیس میں مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئے اور اپنا دن رات منافقانہ عبادات اور روضہ مبارک کے زائرین کی خدمت میں لگا دیا۔ اپنے اس منافقانہ طرز عمل سے تھوڑے ہی عرصہ میں انہوں نے مدینہ کی آبادی میں ایک محترم مقام حاصل کر لیا۔ ان دنوں سلطان نورالدینؒ دمشق کے محاذ پر صلیبی طاقتوں کے خلاف جہاد میں مشغول تھے۔ تاریخ دان لکھتے ہیں کہ سلطان نے متواتر تین رات ایک ہی خواب دیکھا کہ رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی آواز آتی ہے کہ! اے نورالدین مجھے یہ دو کتے تنگ کر رہے ہیں اور خواب ہی میں دو آدمیوں کی شکلیں انہیں دکھا دیں۔ سلطان تین دن بڑی کشمکش میں رہا۔ آخر کار جب اسے یقین ہو گیا کہ یہ آواز واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ہے اور اس نے آدمیوں کی شکلوں کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تو پانچ

ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر انتہائی سرعت سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوا۔ پہنچتے ہی اس نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ شہر کا محاصرہ کر لیا جائے اور مدینہ منورہ میں رہنے والے تمام آدمیوں کو اس کی خدمت میں ایک ایک کر کے حاضر کیا جائے۔ حکم کی بجا آوری ہوئی اور شہر میں رہنے والے ہر آدمی کو سلطان کے سامنے سے گزارا گیا لیکن خواب میں دیکھے ہوئے لوگ اسے نظر نہ آئے۔ آخر کار اس نے پوچھا کہ کوئی آدمی باقی تو رہ نہیں گیا۔ اس پر لوگوں نے بتایا کہ صرف دو بزرگ ہیں جن کا دن رات عبادت میں گزرتا ہے۔ حکم ہوا کہ انہیں بھی حاضر کیا جائے۔ جب وہ سامنے آئے تو نورالدین زنگیؒ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ تو وہی تھے جن کو حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے خواب میں دکھایا تھا۔ تفتیش کی گئی تو معلوم ہوا کہ ان دونوں نے روضہ مبارک کے قریب ہی ایک مکان لے رکھا تھا جہاں سے وہ ایک سرنگ کھود رہے تھے جو اس وقت روضہ مبارک کے بالکل قریب پہنچ چکی تھی۔ انہیں تو جو سزا ملنا تھی ملی لیکن اس احتیاط کے پیش نظر کہ مستقبل میں پھر کوئی ایسا واقعہ پیش نہ آئے سلطان نورالدین زنگیؒ نے روضہ مبارک کے اردگرد ایک گہری کھائی کھدوائی اور سیسہ پگھلا کر اس میں بھروا دیا جو اب تک قائم ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

1981ء میں جب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دربار کی حاضری دی تو کچھ دوستوں نے مجھے بھی اس جگہ کی نشاندہی کروائی جہاں سے سرنگ شروع ہوئی تھی جو اس واقعہ کی سنگینی کو ظاہر کرتا ہے کہ 1000 سال بعد بھی لوگ اس کو نہیں بھول سکے۔

22.8.1 صحابہ کرامؓ کی ارواح کا خواب میں واقعہ

1950ء کا وہ واقعہ تو ابھی زیادہ پرانا نہیں جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دو صحابہ کرامؓ کی ارواح عراق کے بادشاہ شاہ فیصل اول کو متواتر تین رات خواب میں آ کر بتاتی رہیں کہ ہماری قبروں تک دجلہ کا پانی پہنچ چکا ہے جس سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ حج کے فوراً بعد ان دو جلیل القدر اصحابہ کرامؓ کے اجسام مبارک کو لاکھوں لوگوں کی موجودگی میں نکالا گیا۔ واقعی پانی رس کر قبروں میں جا چکا تھا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اصحابہ اکرامؓ کے اجسام اسی طرح تازہ تھے جیسے ابھی فوت ہوئے ہوں۔ باقاعدہ جنازہ کے بعد انہیں دوسری جگہ دفن کیا گیا۔

22.8.2 کچھ دوسرے لوگوں کے واقعات

1۔ روحوں کے متعلق مجھے ایک واقعہ Pakistan Institute of Nuclear Science & Technology, Islamabad. کے ڈاکٹر رفیق ہارون مرحوم نے 1981ء میں اپنے ایک عزیز رشتہ دار کا بتایا کہ ''وہ صاحب میڈیکل ڈاکٹر تھا اور عمر بھر لوگوں کی خدمت کرتا رہا، نماز روزہ کا پابند اور انتہائی ہمدرد انسان تھا جب ان کی وفات جنوری 1978ء میں ہوئی تو انہیں گاؤں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ جولائی اگست میں بہت بارشیں ہوئیں۔ اس کی بیوی نے خواب میں دیکھا کہ وہ اسے کہتے ہیں کہ "میری قبر ٹھیک کر دو وہاں پانی ہے

Marfat.com

جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے"۔ چنانچہ بیوی نے ہمت کر کے گاؤں کے چند آدمیوں کی مدد سے اپنے خاوند کی قبر کھود ڈالی۔ انتہائی حیرت کی بات تھی کہ لاش ابھی تک تر و تازہ تھی اور واقعی قبر کے کچھ حصوں میں پانی تھا۔"

2۔ 12 دسمبر 1981ء کی بات ہے کہ امریکہ میں ڈاکٹر خالد محمود رندھاوا کا کار حادثہ میں انتقال ہو گیا جو ایک قابل ڈاکٹر تھے۔ فیصل آباد میں ان کے بوڑھے والدین رہتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات کی خبر ان کی والدہ کو 18 دسمبر کو دی گئی لیکن وفات والی رات یعنی 12 دسمبر کو ان کی والدہ کو ایک حیران کن خواب نظر آیا جس کا مطلب اس وقت کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ انہیں ان کے مرحوم بھائی، مرحوم ساس اور ایک مرحوم صاحب زادے جو 20 سال پہلے ٹرین کے حادثہ میں انتقال کر گئے تھے یہ سب ان کو خواب میں ملتے ہیں، ان کے ساتھ ہی ایک کفن ان کے گھر پہنچتا ہے، وہ کفن کو دیکھ کر بڑی پریشان ہو جاتی ہیں جس پر خواب میں آنے والے ان کے بھائی، ساس اور بیٹا ان کو تسلی دیتے ہیں کہ صبر کر جو منظور خدا ہے وہی ہوتا ہے غم کی شدت سے ان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ صبح اپنے شوہر سے اس خواب کا ذکر کرتی ہیں۔ اس وقت تک فیصل آباد میں کسی کو بیٹے کے حادثہ اور وفات کی کوئی خبر نہیں تھی۔

3۔ اسی طرح کا ایک اور حیران کن خواب میری اپنی بہن نرگس کو دکھائی دیا۔ یہ بات 26 دسمبر 1981ء کی ہے۔ ان دنوں وہ گاؤں میں جو کہ لاہور سے تقریباً 60 کلومیٹر پرے ہے رہتی تھی۔ اسے خواب میں ہمارے والد مرحوم ملتے ہیں۔ منظر ہمارے لاہور والے گھر کا ہے نرگس کو کہتے ہیں کہ تمہارے بھائیوں نے اچھا نہیں کیا کہ تمہاری ماں کو اکیلا چھوڑ کر وہ راولپنڈی اپنے بھائی کے پاس سیر کیلئے چلے گئے ہیں۔ اب میں خود کچھ دنوں کیلئے لاہور گھر میں ہی ٹھہروں گا۔ نرگس نے صبح اپنے خاوند عبدالحمید صاحب کو اس خواب کا ذکر کیا۔ اس وقت تو انہوں نے خواب کو خواب خیال سمجھتے ہوئے کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن شام کو جب لاہور سے ایک مہمان گھر آیا تو اس نے بتایا کہ کل آصف اور ادریس اہل خانہ کے ساتھ بشیر صاحب کے پاس اسلام آباد چلے گئے تھے اور ان کی والدہ اکیلی ہیں۔ (یعنی خواب میں دیکھے گئے واقعات کی تصدیق ہو گئی)۔

4۔ علامہ سید سلیمان ندوی جو کہ مشہور عالم دین اور تاریخ دان تھے اپنی کتاب سیرۃ النبی طبع 1947ء میں خوابوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "تم کسی مبصر سے دریافت کرو۔ اسے اپنی زندگی میں بہت سے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتے ہیں اسی قدر صحیح نکلتے ہیں"۔ 15 اپریل 1920ء کے روزنامچہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ " آج دوپہر کو سویا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ "ح" کا خط آیا ہے جس میں "س" کا بھی خط ملفوف ہے۔ اٹھنے کے بعد ڈاک آئی۔ یہ خواب بالکل واقعہ تھا۔ انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا۔ حالانکہ مجھ کو "ح" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور 'س' کے خط کا تو حاشیہ بھی خیال میں نہ تھا۔"

علامہ سید سلیمان ندوی انسائیکلوپیڈیا برطانیہ کے مضمون ڈریم کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں کہ "پروفیسر ہلپرکت اسریا آثار قدیمہ کا مشہور ماہر ہے اس نے بابلی کتابت کے متعلق اشکال کو جو بیداری میں حل نہ کر سکا تھا خواب میں حل کیا تھا اور وہ بھی اس طرح کے بابل کے ایک

Marfat.com

پرانے رہنے والے نے خواب میں آکر اس کی رہنمائی کی"۔

یہ صرف چند مثالیں ہیں ورنہ آپ میں سے ہر ایک نے کبھی نہ کبھی سچے خواب دیکھے، سنے یا پڑھے ہوں گے۔ ایسے تمام واقعات سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض اوقات مرحومین کی ارواح لوگوں کو خوابوں میں ضرور ملنے آتی ہیں، اگر ان خوابوں کا صحیح تجزیہ کیا جائے تو بہت سے دنیاوی اور عالم برزخ کے حقائق کا بھی پتہ چل سکتا ہے لیکن اکثر ہوتا یوں ہے کہ خوابوں میں بہت سے استعارے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہر حال اس بحث سے ہمارا مقصد صرف اس بات کو واضح کرنا تھا کہ روحوں کا شعوری وجود بعد از موت نا صرف باقی رہتا ہے بلکہ وہ ہماری زندگیوں سے اچھی طرح باخبر ہوتی ہیں اور خوابوں میں آکر ملتی بھی ہیں اور بعض اوقات پیغام بھی دیتی ہیں۔

Marfat.com

باب نمبر 23

کامیاب زندگی اور روحانی ارتقاء

23.0 تعارف

قرآنی تعلیمات کے مطابق جسمانی حیثیت میں انسان احسن تقویم ہے یعنی پہلے ہی سے انتہائی ارتقائی مقام پر فائز ہے اس لیے اس میں مزید تبدیلی نہیں ہوگی جبکہ نفس کے ارتقاء کی کوئی حد نہیں۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی ہے کہ اپنے جسمانی ارتقاء میں انسان کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ قدرت کا یہ لاکھوں سالوں پر پھیلا ہوا ایک عمل تھا لیکن نفس کا ارتقاء ہر انسان کی اپنی ذمہ داری پر موقوف ہے۔

ہم نے روح کی حقیقت کے تجزیہ کے دوران یہ دیکھا کہ روح ہر چیز کا خاصہ ہے لیکن مدارج میں بہت فرق ہے مثلاً نباتات وحیوانات کی روح جمود کی حالت میں ہے جبکہ انسانی روح نہ صرف شعور رکھتی ہے بلکہ یہ اپنی ترقی کیلئے آزاد بھی ہے، صاحب اختیار بھی ہے اور زندگی میں اپنا راستہ بنانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ اختیار اور شعور کے استعمال کے نتیجہ میں روح کی جو حالت بنتی ہے اس کا نام نفس ہے۔ ہمارا یہ روحانی وجود ہمارے جسم کے اردگرد روشنی کے ایک ہالہ کی طرح ہے جس کی وسعت اور ترقی کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہتا ہے دراصل یہی ہمارا سب کچھ ہے اور یہی ہم ہیں۔ اس لیے زندگی کا مقصد جسم کی خدمت نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس کا صحیح مصرف نفس کا رب العالمین کے قرب کی طرف ارتقاء ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ نفس کا ارتقاء ایک مسلسل عمل ہے جو اس زندگی اور آخرت کی زندگی میں بھی جاری رہتا ہے۔ اس کے لئے قرآن کریم میں عام اصول (General Law) یہ ہے کہ:۔

"یقینا تم چڑھتے جاؤ گے منزل بہ منزل"۔ سورۃ الانشقاق، آیت 19

23.1 نفس کا ارتقاء کدھر؟

ہر چیز کی آخری منزل اس کے مقصد کی انتہا ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی آیت (29)15 سے یہ واضح ہوتا ہے کہ روح رب تعالیٰ کا امر ہے اور اس کی حقیقت خود ذات پاک ہے۔ ہم سب کی روح رب کائنات کی روح کی پھونک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرشتوں کو حکم خداوندی تھا کہ " پھر جب ٹھیک کروں اس کو اور پھونک دوں اس میں اپنی روح میں سے کچھ، تو گر پڑو اس کے آگے سجدہ میں "(9)32۔ اس لیے کامیاب نفس وہ ہے جو صفات الٰہیہ کا مظہر ہو۔

Marfat.com

آیت (30) 30 واضح کرتی ہے کہ "اللہ کی فطرت دین اسلام ہے "۔ اور انسان کو بھی اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے چنانچہ جو آدمی اسلام پر پوری توجہ سے عمل کرے گا اس کی فطرت خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرے گی اور یہی سیدھا راستہ ہے۔ ارشاد ہے کہ:۔

"اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دین حق کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوجائو ، یہ اللہ کی فطرت ہے وہی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی بنائی ہوئی چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی، یہی ہے دین سیدھا مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے"۔ سورۃ الروم، آیت 30

صوفیاء کرامؒ کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسانی نفس کے ارتقاء کی معراج اس کا اپنی اصل سے وصل ہے یعنی ہمارا نفس زندگی میں جس قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہوتا جائے گا اسی نسبت سے اس کا ارتقاء ہوگا اس لیے زندگی کا مقصد خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہے اور اس قرب کے حصول کا طریقہ یہ ہے 'والسجد واقترب' یعنی قرب اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے میں ہیں۔ اس کی منشاء کو اپنی منشاء بنالینے میں ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء دین اسلام ہے اس لیے اللہ کا قرب اس دین حنیف پر دل کی گہرائیوں کے ساتھ عمل کرنے میں ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کی یہ جدوجہد انسان کے نفس کو اپنے مالک کی صفات کا مظہر بنا دیتی ہے اور انسان اللہ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ فرمایا:۔

"ہم نے قبول کرلیا اللہ کا رنگ اور ہر رنگ سے بہتر ہے اللہ کا رنگ، اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں"۔ سورۃ البقرۃ، آیت 138

اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے آپ میں انسانی حد تک اپنے رب کی صفات پیدا کریں مثلاً وہ کریم ہے، ہم بھی کریم ہوں، وہ موجد اور خالق ہے ہم بھی موجد اور خالق ہوں، وہ غفار ہے ہم بھی معاف کرنے والے ہوں، وہ عظیم ہے ہم بھی اپنی انا کو برقرار رکھیں، وہ رب ہے ہم بھی مخلوقات کو پالنے والے بنیں، وہ عطا کرنے والا ہے ہم بھی سخی بنیں، غرض کہ اللہ کا مومن بندہ دنیا پر اس کا خلیفہ بن کر زندگی گذارتا ہے۔

23.2 اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ

دنیا میں کوئی بھی مقصد کیوں نہ ہو اس کو حاصل کرنے کے صرف دو ہی طریقے ہیں، سچی لگن اور سچی محنت۔ اللہ تعالیٰ کی جانب نفس کے ارتقاء کیلئے بھی یہی دو چیزیں چاہئیں، اگر اللہ تعالیٰ کی طرف ترقی کرنا ہے تو پھر جیسا کہ آیت (30) 30 میں ہے کہ "دین فطرت پر یکسوئی سے

Marfat.com

ساتھ جدوجہد'' اس کیلئے شرط اوّل ہے۔ دنیا میں عام اصول یہ ہے کہ آدمی نہ جانے میں بھی اپنی عادتوں میں اپنے محبوب جیسا ہو جاتا ہے چنانچہ اگر ہم مٹی سے دل لگائیں گے تو مٹی جیسے ہو جائیں گے، اگر اللہ تعالیٰ کی محبت میں زندگی گزاریں گے تو خود بخود اس کی صفات ہم میں پیدا ہو جائیں گی۔ اس لیے اگر یہ جاننا چاہتے ہو کہ کوئی شخص یا ہم خود رب تعالیٰ سے کتنی محبت کرتے ہیں اور اس سے کتنے قریب ہیں تو یہ دیکھیں کہ ہم ذات الٰہی کی صفات میں کس قدر رنگے ہوئے ہیں۔ جیسے پہلے بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ سچا مومن خدائی صفات کا مظہر ہوتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ حکیم، علیم، خبیر، بدیع، خالق، قدیر، جبار، قہار، رحمٰن ورحیم ہے۔ مومن بھی اپنی بساط کی حد تک ان صفات کا زندہ نمونہ ہوگا۔ ایسا آدمی دنیا میں کامیاب اور آخرت میں بھی کامیاب ہوتا ہے اس کا کاروبار کوئی بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا مقصد حیات اللہ کی خوشنودی ہی رہے گا۔ لہٰذا اگر نفس کا ارتقاء اللہ تعالیٰ کی طرف مطلوب ہے تو پھر ہر قدم پر اپنے آپ سے یہ سوال پوچھیے کہ آیا میرا یہ نیا قدم اپنے رب کی طرف اٹھ رہا ہے یا کسی دوسری سمت؟۔ "بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے اعمال کا کئی گنا ثواب ہے اور پر امن بلند درجات پر ان کی رسائی ہوگی"۔(37)34

23.3 ارتقاء کے راستے

انسان جب پیدائش کے موقع پر زندگی کا آغاز کرتا ہے تو اس وقت اس کی روح ارتقاء کے پیدائشی درجہ پر ہوتی ہے۔ جیسے ہر آدمی اپنی ذہنی اور جسمانی ساخت میں مختلف ہے روح کے پیدائشی درجہ میں بھی سب لوگ برابر ہیں۔ بہرحال ہر نفس کے ارتقاء کی پیائش اس کے پیدائشی درجہ سے ہوگی بالکل ایسے ہی جیسے سطح سمندر کسی مقام کی اونچائی یا نیچائی کا معیار ہے۔ لہٰذا آخرت میں پیدائش میں اونچ نیچ کا فرق مٹ جاتا ہے۔

زندگی کے سفر میں انسان کے سامنے بہت سے راستے ہیں وہ جس راستہ پر چل نکلے گا روح بھی ادھر ہی بڑھتی جائے گی۔ انہی راستوں میں ایک راستہ وہ ہے جو سیدھا اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے۔ یہ اسلام کا راستہ ہے جو دین فطرت ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے ٹیڑھے راستے بھی ہیں، ہو سکتا ہے کہ ان کا مسافر بھی اللہ تعالیٰ کے قرب کا متلاشی ہو لیکن یہ پُر خطر راستے ہیں جن سے منزل کا حصول مشکل ہو سکتا ہے کچھ ایسے راستے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کی بجائے دوسری سمتوں میں جاتے ہیں۔ اگر کوئی ان سمتوں پر چل نکلتا ہے تو نفس کا میلان اللہ تعالیٰ سے ہٹ کر دوسری چیزوں کی طرف ہو جاتا ہے اور نفس ارتقاء کی بجائے پستی کی طرف گرنا شروع ہو جاتا ہے۔ نفس کے اس ارتقائی سفر کو واضح کرنے کیلئے اب ہم اسے میکانیات کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کریں گے اگلے گراف میں ہم نے تمثیلاً مختلف قسم کے لوگوں کی روحوں کے سفر کے نتائج دکھائے ہیں۔

A وہ لوگ ہیں جو رواج کے تحت زندگی گزارتے ہیں۔ ان کی سوچ کبھی بھٹکتی ہے کبھی سیدھی ہو جاتی ہے اور آخر میں ان کا نفس اپنے پیدائشی درجہ کے قریب قریب اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

B وہ آدمی ہے جو ابتدائی زندگی کے بعد کچھ عرصہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف کوشش کرتا ہے اور کچھ ارتقائی منازل بھی طے کر لیتا ہے لیکن پھر اپنی راہ سے ایسا بھٹک جاتا ہے کہ اس کی کوششوں کا محور تقویٰ کی بجائے فسق و فجور ہو جاتا ہے اور آخرکار گمراہی میں اپنی جان خدا تعالیٰ کے حوالے کر دیتا ہے۔

Marfat.com

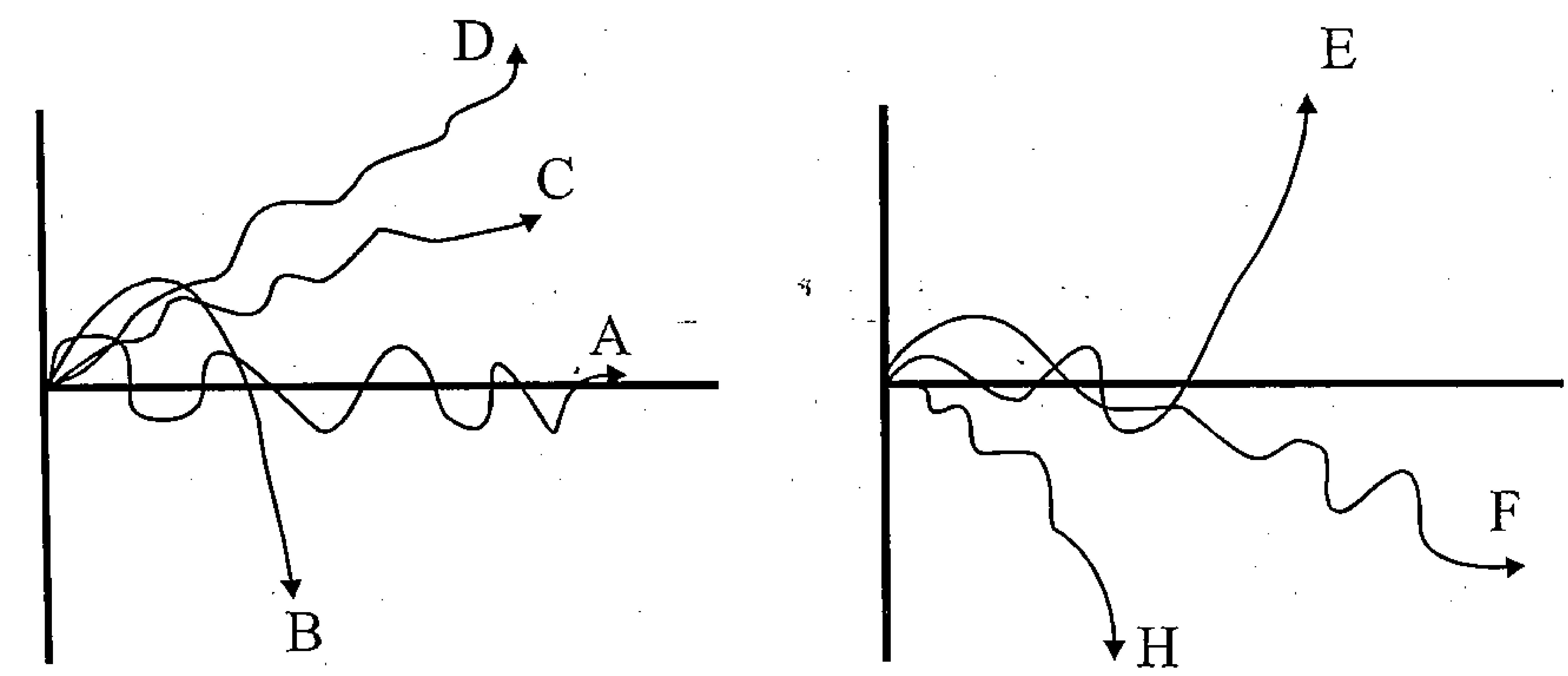

Cوہ آدمی ہے جو ساری عمر اس فکر میں رہا کہ اس کی روح خدا کے قرب کی طرف ارتقاء کرتی رہے اور حتی الوسع اس کی طرف یکسوئی سے کوشش کرتا رہا اور آخر کار اعلیٰ مدارج پر پہنچ کر خدا کے حضور حاضر ہو گیا۔

Dوہ آدمی ہے جو اپنی محبت خداوندی میں شدید ہے۔ اس راہ میں لمبی لمبی چھلانگیں لگاتا ہے کہ اگر کبھی بھٹکتا بھی ہے تو فوراً ہی سنبھل کر دوبارہ جدوجہد میں لگ جاتا ہے اور آخر کار انتہائی اونچے مقام پر پہنچ کر خدا تعالیٰ کے روبرو حاضر ہو جاتا ہے۔

Eوہ خوش قسمت انسان ہے جو اپنی پہلی زندگی میں درمیانے درجہ کا دنیادار انسان تھا آخر کار جب وہ حقیقت کو سمجھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے محبت کی ایک ایسی زبردست چھلانگ لگاتا ہے کہ اپنے زاہد دوستوں سے بہت آگے نکل جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کے حضور ایک بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔

Fوہ جس کی سوچ ہمیشہ بھٹکتی رہی اس کا مدعا دنیا تھا وہ اپنی حیوانی خواہشات کے پیچھے لگا رہا اگر کبھی اپنے رب کا سوچا بھی تو فوراً دوسرے لمحے اسے پس پشت ڈال کر پھر اپنی نفسانی خواہشات کی پرستش میں لگ گیا۔ آخر میں کچھ سنبھلنے کی کوشش کی لیکن وقت بہت گزر چکا تھا چنانچہ ذلت اور پستی کی حالت میں دنیا کو چھوڑ کر مر گیا۔

Hوہ ہے جس کی کوشش مسلسل گمراہی کی طرف لگی رہی، اس کا خدا اس کی حرص و ہوا تھی وہ ساری عمر ان کی پرستش کرتا رہا اور یوں اس کی روح مسلسل اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہی ہٹتی گئی حتیٰ کہ ظلمت کی اتھاہ گہرائیوں تک پہنچ گیا اور انہی پستیوں میں اس کی زندگی کا یہ سفر ختم ہو گیا۔

23.4 ارتقاء میں کوشش کی حقیقت

جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نفس کا ارتقاء ایک شعوری عمل ہے جس کی بنیاد نیت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔ چنانچہ ایک ہی عمل کے نفس پر مختلف اثر ہو سکتے ہیں مثلاً ایک آدمی صدقہ اس غرض سے کرتا ہے کہ اس کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے اس کا نفس ارتقاء میں ایک منزل بلند ہو گیا لیکن جست کی مقدار اس کے صدقہ کی مقدار کے مطابق نہیں بلکہ اس جذبہ کے مطابق ہے جس کے تحت وہ خیرات کی گئی تھی۔ روحانی ارتقاء میں کوشش اور جذبہ کا دخل مندرجہ ذیل واقعہ سے بڑی اچھی طرح واضح ہوتا ہے۔

جنگ موتہ کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے مال کی اپیل کی تو اصحابہ کرامؓ اپنے جذبہ اور حیثیت کے مطابق مسجد میں سامان لا کر ڈھیر کرتے جاتے تھے۔ اتنے میں ایک بڑھیا پھٹے پرانے کپڑوں میں حاضر ہوئی، اس کی جھولی میں کچھ کھجوریں تھیں اور آنکھوں میں کچھ آنسو تھے بولی! "حضور مجھ غریب کی کائنات تو یہی چند کھجوریں ہیں کاش! کہ یہ قبول ہو جائیں"۔ یہ کہہ کر مال کے ڈھیر پر انہیں انڈیل دیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تو کیوں ڈرتی ہے تیرے اس جذبہ پر تو آسمان والے بھی رشک کر رہے ہیں"۔

ایسی خیرات بھی ہو سکتی ہے جس کا مقصد نام و نمود ہو، دوسروں کو ممنون کرنا ہو یا ٹیکس سے بچنا ہو، اس خیرات کے پیچھے جو جذبہ اور مقصد ہے نفس نے بھی اسی طرف ہی جانا ہے۔ اس طرح ظاہراً نیک عمل بھی انسانی نفس کو پستی کی طرف گراتے جاتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے کہ:۔

"آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمادیں کہ کیا ہم تمہیں بتادیں کہ ، سب سے بڑھ کر ناقص عمل کس کے ہیں، ان کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہوگئی، اور وہ اس خیال میں ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں، وہ لوگ جنہوں نے رب کی آیتوں سے انکار کیا، اور اس کے دیدار کے بھی منکر ہوئے تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے، تو ہم ان کیلئے قیامت کے دن کوئی تول قائم نہ کریں گے"۔سورۃ الکہف، آیت 103-104

ان آیات مبارکہ سے یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ کفار کے اعمال کا انہیں قیامت کو صلہ کیوں نہیں ملے گا؟ درحقیقت نفس کی ترقی عمل کے پیچھے جذبہ اور مقصد کی سمت میں ہوتی ہے اور یہ سلسلہ یونہی آخری وقت تک رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کے کسی کام کی ضرورت نہیں، نہ اسے ہماری قربانیوں کا گوشت پوست چاہیے بلکہ وہ تو ہمارے جذبے دیکھتا ہے۔ اگر اعمال کا مطمع نظر رب تعالیٰ نہیں تو پھر نفس کا اس کی طرف ارتقاء بھی ممکن نہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے ظاہراً نیک اعمال بھی نفس کی ترقی کا باعث نہیں بنتے۔

Marfat.com

اصل بات یہ ہے کہ آخری نتیجہ کیا نکلتا ہے چنانچہ انسان اگر تمام عمر بھٹکنے کے بعد بھی ایمان لے آئے یا آخر میں کچھ ایسے اعمال کر لے جن کے نتیجہ میں اس کے نفس کا رخ رب تعالیٰ کی طرف ہو جائے تو وہ آدمی بھی انعام واکرام کا حقدار ٹھہر جاتا ہے۔ وقت نزع کے قریب مریض کو کلمہ شریف یاد کرانے اور اس کے قریب قرآن کریم پڑھنے میں بھی یہی فلسفہ ہے۔

23.5 عبادت اور نفس کا ارتقاء

اب ہم ایک اور اہم مسئلہ پر اپنی توجہ مبذول کراتے ہیں۔ اکثر لوگوں کے ذہنوں میں شک وشبہات دبے پڑے ہیں کہ عبادات کا آخر کیا فائدہ ہے؟ واقعی اگر ہم صرف دنیاوی فوائد کا سوچیں تو کوئی ایک عبادات کے پیچھے فلسفہ سمجھ نہیں آتا۔ کم از کم ان سے وابستہ دنیاوی تقاضے پورے ہوتے نظر نہیں آتے مثلاً بعض لوگ پانچ وقت کی نماز پڑھنے کے حق میں اس طرح کے عقلی دلائل دیتے ہیں کہ اس سے تمام اعضاء کی ورزش ہو جاتی ہے، بار بار اٹھنے اور بیٹھنے سے پیٹ ٹھیک رہتا ہے، نمازی کو صاف ستھرا رہنا پڑتا ہے اس لیے اسے بیماری لگنے کے امکان کم ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس کے جواب میں فوراً ذہن میں یہ آسکتا ہے کہ یہ سب ٹھیک ہیں لیکن جسم کی ورزش کیلئے تو اور بھی بہت سے طریقے ہیں، دوڑ لگاؤ، سیر کرو، مختلف اعضاء کیلئے علیحدہ علیحدہ ورزشیں کرو، صرف نماز پر ہی کیوں زور؟

اس طرح روزہ اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے لیکن عقلی فوائد کے حوالہ سے ہمیشہ لوگ یہ کہتے نظر آئیں گے کہ روزہ صحت کیلئے اچھا ہے، سال بھر میں یہ مہینہ جسم کیلئے آرام کا مہینہ ہے، اس سے غریبوں کیلئے محبت کے جذبات ابھرتے ہیں، یہ ہمیں ضبط سکھاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ ٹھیک ہیں لیکن ذرا یہ تو بتایئے کہ روزہ نہ رکھنے والے کیا مہربان نہیں ہوتے یا وہ اکثر بیمار رہتے ہیں؟ اسی طرح وضو کے مسائل ہیں غرضیکہ جب ہم عبادات کی پرکھ سیکولر بنیادوں پر کرتے ہیں تو ان کی روح سے بہت دور نکل جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی یا کوئی اور فرض سنت یا نفلی عبادت ہو ان کا تعلق انسان کے جسم سے زیادہ اس کے نفس سے ہے اس لیے ان کے فوائد ماپنے کے پیمانے بھی اس دنیا سے مختلف ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر نفس اسلامی عبادات سے کچھ دنیاوی اور جسمانی فوائد بھی متوقع ہیں لیکن یہ ظاہری فوائد ہرگز عبادت کا مقصد نہیں۔ عبادت کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کے قرب کا حصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ

"سجدہ کر اور قریب ہو جا"

رکوع اور سجدہ نام ہیں اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور حوالہ کرنے کے۔ نیت، جذبہ اور دل کی حضوری سے کیا گیا نیکی کا ہر کام روحانی ترقی کی جانب زینہ چڑھنا ہے۔ حضوری کا ہر سجدہ قرب الٰہی کا باعث ہے۔ ہر وہ روزہ جو کمال نیت اور صبر سے ادا ہوتا ہے وہ روحانی ارتقاء کے راستوں

Marfat.com

میں زبردست جست ہے۔اسی طرح جب آدمی صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور محبت سے حج کے سفر پر نکلتا ہے تو نفس کو اوپر کی طرف ایک مسلسل لفٹ ملنا شروع ہو جاتی ہے اور اس راستہ میں تکالیف اور قربانیاں نفس کے درجات کو بلند کرتی جاتی ہیں۔یہی صلہ ہر بار نماز کیلئے وضو کرنے کا ہے، یہی فلسفہ خیرات، صدقات کے پیچھے کارفرما ہے۔اس طرح وہ علم بھی قرب الٰہی کا باعث بن جاتا ہے جس کا مقصد رضائے الٰہی کی اتباع میں کائنات کے راز معلوم کرنا ہو یا اس کی تسخیر ہے۔غرض مزدور کی مزدوری، تاجر کی تجارت، عالم کا علم، حکم کی حکمرانی، سائنسدان کی سائنس، ڈاکٹر کی ڈاکٹری، انجینئر کی انجینئری، اگر ان کے پیچھے نیت اللہ تعالیٰ کی رضا کی جستجو ہے تو طالب کا دن رات اللہ تعالیٰ کی طرف مسلسل آگے بڑھنے کی منازل ہیں۔ ورنہ ریاکار زاہد کا سو سال کا زہد بھی اسے پستیوں کی طرف گھسیٹتا جاتا ہے۔کامیاب انسان وہ ہے جس کا نفس ہر روز نئی بلندیوں کو چھوتا ہے۔رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ یقیناً وہ مومن خسارے میں ہے جس کا آج کل کے مقام پر رہا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:۔

"اے آدمی تم کو بچنا ہے (گناہ سے)، اپنے رب تك پہنچنے میں، بچ بچ کر پھر اس سے ملنا ہے"۔ سورۃ النشقاق، آیت6

23.6 روح کا ارتقاء اور نیکیوں کا تصور

اب ہم ایک اور مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔اکثر احادیث میں جب مختلف نفلی عبادتوں کا ذکر آتا ہے تو وہاں پر ساتھ ہی بتا دیا جاتا ہے کہ فلاں نیک کام کی اتنی نیکیاں ہیں مثلاً قرآن کریم کی تلاوت پر ہر حرف کی دس دس نیکیاں ملتی ہیں، اس طرح اور عبادتوں کے نتائج بھی نیکیوں کی تعداد میں بتائے گئے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ ذہن میں یہ خیال آئے کہ نیکیوں کی تعداد سے کیا مطلب ہے۔اس مسئلہ کو بھی سمجھنے کیلئے نفس کے ارتقاء کا نظریہ بڑا معاون ہوسکتا ہے۔دراصل نیکی اللہ تعالیٰ کی طرف ایک زینہ چڑھنے کے مترادف ہے۔دس نیکیوں کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے قرب میں دس زینے بلند ہو گئے۔اس زاویہ نگاہ سے 'ذکر' کی اہمیت بڑی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی عبادت ہے جب ایک مومن دل پر بار بار اللہ اللہ کی چوٹ کھاتا ہے تو ہر چوٹ نفس کیلئے قرب کی طرف ایک نئی بلندی ہوتی ہے۔چونکہ زندگی کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ انسان اپنے خالق سے قریب تر ہو جاتا ہے اس لیے تمام وہ چیزیں اور کوششیں جو قرب کے حصول میں معاون ہوں وہ سب عبادت ہیں اور عبادت کی پیمائش کی اکائی نیکی ہے اور ہر نیکی نفس کی سربلندی کی طرف بڑھتا ہوا قدم ہے۔اس کے برعکس ہر گناہ بلندی سے گراوٹ کا سبب ہے۔

23.7 فکر اور روح کا ارتقاء

جیسے اوپر بیان ہو چکا ہے روحانی ارتقاء کیلئے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اہمیت بہت زیادہ ہے لیکن اس سفر میں فکر کی جو اہمیت ہے وہ بھی کسی

Marfat.com

عبادت سے کم نہیں۔فکر کا مطلب خالق کے حوالہ سے مخلوق کو سمجھنا ہے۔اس طرح مخلوق کی پہچان سے خالق کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ "عالم کی ایک ساعت کی سوچ بچار زاہد کی ہزار رات کی عبادت سے افضل ہے"۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ روحانی ارتقاء میں فکر کا مقام ذکر سے بھی بلند و برتر ہے۔حضرت آدم علیہ السلام کی ملائکہ اور جنات پر برتری کی وجہ بھی اس کو علم الاسماء کی عطا تھی۔یہی سنت ابراہیمی ہے۔آپؑ کے اردگرد سب لوگ بتوں کی پوجا کرتے تھے،معاشرہ میں توحید کا کوئی تصور نہیں تھا۔ایسے میں لازمی تھا کہ جو پیدا ہوتا وہ بتوں کی ہی پوجا کرتا لیکن آپؑ نے جیسے ہی ہوش سنبھالا غور و فکر شروع کر دیا،بتوں کی بے بسی کو دیکھا کرتے تو کہتے یہ خدا نہیں ہو سکتے۔ چاند کی خوبصورتی اور چمک کو دیکھ کر سوچا کہ شاید یہی خدا ہو لیکن جب وہ غائب ہوتا نظر آیا تو کہا کہ ایسا خدا نہیں ہو سکتا،سورج کی آب و تاب کو دیکھ کر اس پر خدا ہونے کا گمان کیا لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے کہ "ڈوبنے والا میرا خدا نہیں ہو سکتا"۔یوں غور و فکر سے انہوں نے ہر چیز کو خوب پرکھا اور آخر کار ان پر یہ حقیقت کھل گئی کہ خدا وہ ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے ہمیشہ سے قائم و دائم،زندہ،سب کو پیدا کرنیوالا،بے مثل جس کا کوئی باپ ہے نہ ماں،نہ اولاد،وہ اکیلا اور یکتا ہے،اپنے کمال میں لازوال،اپنی صفات میں بے عیب،اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔**لا الٰہ الا اللہ**۔فکر کا مطلب قدرت کی صناعی پر غور اور پھر اس کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔مندرجہ ذیل ارشاد ربانی سے صاف ظاہر ہے کہ:۔

"بیشک آسمانوں اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں، ماننے والوں کیلئے اور تمہارے بنانے میں، اور جو جو اس نے مخلوق بکھیری ہے زمین میں، ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں، اور بدلنے میں رات دن کے اور جو اتارا اللّٰہ نے آسمان سے رزق، پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد، اور ہوائوں کی گردش میں بھی نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے، یہ آیات ہیں اللّٰہ کی جو سناتے ہیں ہم تمہیں حق کے ساتھ، توپھر اللّٰہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر تم کونسی باتوں پر ایمان لائو گے"۔

سورۃ الجاثیہ، آیات 3-6

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"بیشک آسمانوں اور زمین کے بنانے اور رات دن کے نظام میں، بڑی نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے وہ جو یاد کرتے ہیں اللّٰہ کو، کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر

Marfat.com

لیٹے اور غور کرتے ہیں، آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں ، (اور کہتے ہیں) اے رب تو نے یہ عبث نہیں بنایا ، تو پاک ہے پس ہم کو بچا دوزخ کی آگ سے"۔ سورۃ آل عمران، آیت 191-190

پھر حکم ہے کہ:۔

"کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اللہ نے کام لگائے ہیں تمہارے لیے، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور تمہیں اپنی پوری نعمتیں عطا کیں ظاہر اور چھپی ہوئی، اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں، بغیر علم اور بغیر عقل اور بغیر روشن کتاب کے"۔ سورۃ لقمان، آیت 20

قرآن کریم میں سینکڑوں بار انسان کو اس بات کی بار بار تلقین کی جارہی ہے کہ وہ اپنے ماحول، اپنی پیدائش، زمین وآسمان کی تخلیق اور خدا تعالیٰ کی صناعی پر غور وفکر کرے اور یوں مخلوق سے خالق کی معرفت حاصل کرے۔ حق تو یہ ہے کہ انسان کی پیدائش کے پیچھے یہی پوشیدہ راز تھا۔ رب تعالیٰ نے جب چاہا کہ اس کی شان میں آخر کوئی تو ہو جسے اس کی معرفت ہو تو اس نے انسان کی پیدائش کا قصد کیا اور اس کی خاطر کائنات کو بنایا۔ قرآن کریم سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا منصوبہ فرشتوں پر ظاہر کیا تو وہ نہ رہ سکے اور بول اٹھے کہ ہم جیسے فرمانبردار، تسبیح کرنے والوں، عبادت گزاروں کے ہوتے ہوئے ایک اور مخلوق کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر رب العالمین نے فرمایا کہ تم ان باتوں کو نہیں سمجھتے۔ جب آدم علیہ اسلام معرض وجود میں آگئے تو انہیں فرشتوں کے سامنے لایا گیا اور کہا کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو مجھے کائنات میں میری تخلیقات کے ناموں سے آگاہ کرو۔ فرشتے لاچار ہوگئے اور حضرت آدم علیہ السلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ یوں ان کی علمی فضیلت کو ثابت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کیلئے سجدہ کا حکم دیا۔

جیسے انسان کو اس کے علم کی بنا پر فرشتوں سے سجدہ کروایا اس طرح اب بھی روحانی ارتقاء میں اونچا مقام حاصل کرنے کیلئے علم وفکر ضروری ہے۔ اس میدان میں اونچی اڑان والوں کے بارے رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ "وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور پھر بے اختیار بول اٹھتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ عبث نہیں بنایا"۔ قرون اولیٰ میں مسلمان علماء ان خواص کے مظہر تھے۔ چنانچہ ان میں علوم دین اور علوم دنیا میں فرق نہیں کیا جاتا تھا بلکہ عالم ہونے کا مطلب ہی یہی تھا کہ وہ دونوں علوم میں ماہر ہے۔ آج بھی ہمارے وہ علماء، سائنسدان اور محقق جو کائنات کے رازوں پر سے پردہ اٹھانے میں مصروف ہیں اگر وہ اپنی تحقیق کا مقصد خدا تعالیٰ کی پہچان کو

Marfat.com

ٹھہرائیں تو روحانی ارتقاء کی منازل میں ان کا مقام بہت اونچا ہو گا۔ اوپر کی اس بحث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کائنات میں فکر صرف سائنسدانوں کا ہی کام نہیں بلکہ یہ فکر ہر مسلمان پر لازم ہے۔ یوں ہر مسلمان ایک قدرتی سائنسدان ہے۔

اگر ایک انسان اپنی مشاہدہ کی آنکھ کو بند رکھتا ہے تو اس میں اور حیوانوں میں کیا فرق باقی رہ گیا؟ مسلمان تو وہ ہے جسے ہر منظر میں اللہ نظر آئے، پرندوں کے نغموں میں اسے عرش کی صدا آئے، ایٹم کا جگر چیرے تو وہاں بھی خالق کا احساس پائے، ستاروں کا مشاہدہ کرے تو بنانے والے کی حمد گائے۔ غرضیکہ گھاس کی ایک معمولی پتی ہو، پاؤں کے نیچے آنے والا کیڑا ہو، منہ میں جانے والا لقمہ ہو، پہاڑوں کی بلندی ہو، دریا کا زور شور ہو، کوئل کی کوک ہو، چمن ہو کہ ریگ زار ہو، بادنسیم ہو یا بادسموم ہو، غرض ہر چیز میں مومن کی روح اپنے خالق کی قدرت کو دیکھتی ہے۔ اللہ جمیل ہے ہر چیز میں اس کا جمال رچا ہوا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآاِلٰہَ اِلَّا للّٰہ وَاللّٰہُ اَکْبَر

23.8 دنیا ایک آزمائش گاہ

ابھی تک کی بحث میں ہم نے یہ واضح کیا ہے کہ انسانی زندگی کا حقیقی مقصد اپنے رب کی طرف روحانی ارتقاء حاصل کرنا ہے۔ یہ انسان کیلئے دنیاوی زندگی، عالم برزخ کی زندگی اور آخرت کی زندگی غرض تمام مقامات پر اس کے لئے باعث عزت و اطمینان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**یطمئن القلوب بذکر الله**"۔ دنیا کی زندگی نفس کیلئے امتحانی وقفہ اور ایک آزمائشی قیام ہے جس میں روح کو اچھے برے کی فطری پہچان کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔ یہاں پر بعض معاملات میں زندگی اختیاری ہے اور یہی معاملات انسان کے لئے اس کے امتحان کا پرچہ ہیں۔ ان کیلئے اس پر کوئی فطری مجبوری نہیں کہ وہ لازماً اچھے کام ہی کرے بلکہ یہ اس کا اپنا انتخاب ہے کہ وہ زندگی کو اپنی فطرت کے مطابق ڈھالتا ہے یا لہو و لعب میں خرچ کرتا ہے۔ جو نفوس زندگی کے اس شعوری دور کو خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے بسر کرتے ہیں وہ اپنے رب کی طرف ارتقائی منازل طے کرتے جاتے ہیں ان کے برعکس وہ جو مقصد سے دور ہٹ کر حیوانی سطح پر زندگی گزار دیتے ہیں وہ اپنے پیدائشی مقام سے بھی بہت نیچے گر جاتے ہیں اور نتیجہ میں ناکام و نامراد اس دارالامتحان سے دارالحساب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

مندرجہ ذیل آیات بھی یہی واضح کرتی ہیں کہ دنیا کا قیام ہر انسان کیلئے ایک امتحانی دور ہے تاکہ پوری کائنات جان لے کہ وہ اپنی تخلیقی غرض و غایت پر پورا اترا ہے کہ نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

"اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا موت کو اور زندگی کو، تاکہ وہ آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے، اور وہ

Marfat.com

زبردست بخشنے والا ہے"۔ سورۃ الملک، آیت2

یہ امتحان کیوں ضروری ہے؟ اس کا جواب ہم پہلے بھی واضح کر چکے ہیں۔ تخلیقی عمل میں ہر تخلیقی کارکن خواہ وہ انجینئر ہو، سائنسدان ہو یا آرٹسٹ سب سے پہلے اپنی تخلیق کا خاکہ اپنے ذہن میں تیار کرتا ہے۔ اس کا ڈیزائن کاغذ پر اتارتا ہے اور اس کے مطلوبہ اہداف مقرر کر دیتا ہے۔ آزمائش کا طریقہ بھی ڈیزائنر خود مقرر کرتا ہے پھر اس ڈیزائن کے مطابق کاریگر اسے بناتا ہے۔ جب مشین تیار ہو جاتی ہے تو اسے آزمائش کے مرحلوں میں سے گزارا جاتا ہے۔ ماڈل کی کامیاب آزمائش کے بعد اس کا ڈیزائن فیکٹری میں اس جیسے ہزاروں لاکھوں یونٹ بنانے کے لئے بھیج دیا جاتا ہے لیکن وہاں بھی ہر ایک یونٹ کو آزمائش کے مختلف مرحلات میں سے گذارا جاتا ہے اور مطلوبہ کوائف کے مطابق اس کی کارکردگی کو ٹیسٹ کر لیا جائے۔ ساتھ ساتھ ہی ہر امتحان کے کوائف اور نتائج تفصیل سے لکھے جاتے ہیں۔ جب مشین مطلوبہ آزمائشوں سے گزر لیتی ہے تو تفصیلات انجینئر کے سامنے پیش کی جاتی ہیں جو ایک ایک کوائف کو بغور دیکھتا ہے تاکہ مشین میں کوئی خامی ہو تو سامنے آجائے، اگر مشین ڈیزائن کے مطلوبہ معیار پر پورا اترتی ہے تو اس کو پاس کر دیا جاتا ہے، اگر کوئی نقص ہو تو انجینئر اپنے احکامات کے ساتھ اسے دوبارہ ورکشاپ میں خامی دور کرنے کیلئے بھیج دیتا ہے لیکن جو مشین قابل اصلاح نہیں ہوتی اسے دوبارہ پگھلایا جاتا ہے یا ناکارہ خانہ میں ہمیشہ کیلئے پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ مثال کسی حد تک ہمارے اوپر بھی صادق آتی ہے۔ تمام انسانی روحوں کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی ہوئی تھی اور یوں جینٹک سطح (Genetic Level) پر ہم میں سے ہر ایک حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں خوابیدہ حالت میں موجود تھا۔ دنیاوی حیات ہمارا ٹیسٹ ہے۔ اگر ہم معیار پر پورے اتریں گے تو ہمارا مقام جنت ہوگا جو نفوس مطلوبہ معیار پر پورا نہیں اترتے ان کی عالم برزخ میں ٹھکائی ہوتی ہے اور پھر یوم الدین کے وقت ان کا فیصلہ ہوجاتا ہے کہ کہاں رکھے جائیں گے۔ بعض کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے بدلہ لینے کیلئے نہیں بنائی بلکہ یہ بھی ایک اصلاح گاہ ہے جس جگہ نفوس اپنی کمزوریوں کے ساتھ آتے ہیں تاکہ اصلاح کے بعد وہ بھی جنت میں رہنے کے قابل ہو سکیں (انشاء اللہ) البتہ جو نفوس ناقابل اصلاح ہو چکے ہیں انہیں پوری طور پر ہمیشہ کے لئے ڈھلائی کے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جہاں وہ ہمیشہ کیلئے جہنم کا ایندھن بن کر جلتے رہیں گے۔

23.9 پہلا امتحان

امتحان کا پہلا عمل حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا تھا۔ قرآن کریم میں یہ کہانی کچھ اس طرح بتائی گئی ہے کہ جب آدمؑ اور حواؑ کی تخلیق ہوگئی تو انہیں شعور اور حق خود اختیاری دے کر جنت کے کسی مقام پر ٹھہرا دیا گیا لیکن یہ جگہ محض عیش و عشرت کیلئے نہیں تھی بلکہ ایک تربیت گاہ بھی تھی، تاکہ وہاں رہ کر نوع انسانی کے ماں باپ صبر اور نظم و ضبط سیکھیں، غلط اور صحیح میں تمیز کو سمجھیں اور برائی کی طاقتوں کے خلاف اپنے آپ کو تیار کریں تاکہ شیطان جو حسد کی بنا پر ان کا دشمن بن چکا تھا وہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ چنانچہ اس تربیت کیلئے انہیں ایک چھوٹی سی

Marfat.com

آزمائش بھی ڈالی اور ساتھ ہی بتادیا کہ دیکھنا اپنے آپ کو قابو میں رکھنا شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔قرآن کریم کی آیت (35)2 میں اس تربیت گاہ کی اس طرح تشریح کی گئی ہے:۔

''اور ہم نے فرمایا تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور آزادی سے جو چاہو وہ کھائو پیو، لیکن یہ ایک ایسا درخت ہے جس کے تم نے قریب نہیں پھٹکنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم غلط کاروں میں سے ہوجائو''۔ سورة البقرة، آیت35

یہ کہنا تو مشکل ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اس تربیت گاہ میں کتنا عرصہ رہے لیکن بالآخر وہ نظم وضبط برقرار نہ رکھ سکے اور شیطان جوان کا دشمن تھا اس کے دھوکے میں آگئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی لگائی ہوئی پابندی توڑ دی اور برائی کی طاقت کے سامنے زیر ہوگئے یوں حضرت آدم علیہ السلام جنت کے مطلوبہ معیار سے نیچے گر گئے ۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''پس شیطان نے ان دونوں کو ڈگمگادیا اور نکال دیا ان دونوں کو ، اللہ تعالیٰ نے اس سے جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا! اترجائو، تم سب کے سب تم ایک دوسرے کے دشمن ہو"۔

''اب زمین پر کچھ عرصہ تمہارا قیام ہوگا، اور وہیں پر تمہاری خوراک ورہائش کا انتظام ہوگا، اور وہیں تم دوبارہ مروگے اور پھر وہیں سے تم دوبارہ زندہ ہوگے''۔ سورة البقرة، آیت36

''ہم نے فرمایا! تم سب کے سب اس مقام سے نیچے اترجائو، پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے، پس جو میری ہدایت کی فرمانبرداری کرے گا اسے کوئی اندیشہ ہوگا، اور نہ کوئی غم اور وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری آیات کو، وہ آگ کے ساتھی ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔ سورة البقرة، آیت39-37

ان آیات کے بغور مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے مطلوبہ معیار سے گر گئے تو انہیں اوران کی تمام اولاد کو دنیا میں بھیج دیا گیا کہ وہاں اللہ کے بتائے طریقوں پر محنت کریں تا کہ وہ دوبارہ جنت میں پہنچ سکیں۔اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ اگر آدمؑ شیطان کے دھوکے میں نہ آتے تو ہمیشہ ہی جنت میں رہتے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں آنا ان کیلئے شروع ہی سے مقرر تھا، شیطان کے بہکاوے میں آنے کا نقصان یہ ہوا کہ وہ اپنی جنتی تربیت مکمل نہ کر سکے اور وقت مقررہ سے پہلے ہی انہیں وہ عالی مقام چھوڑنا پڑا۔اس لیے کہ جنت میں کوئی نافرمان نہیں رہ سکتا۔یہاں سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ دنیا میں زندگی کا ایک ہی مقصد ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور پیغمبروں کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے اپنے نفس کی تربیت کرے اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پانے کی کوشش کرے۔اسی لیے زندگی کا یہ وقفہ نہایت قیمتی ہے۔لہٰذا دنیا کی زندگی ہمیں ایک اچھے طالب علم کی طرح گزارنا چاہیے۔جنہوں نے اس قیمتی وقت کو ضائع کر دیا وہ امتحان میں اچھی کارکردگی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں؟اور اعلیٰ مدارج کے حق دار کیسے ہو سکتے ہیں؟

”قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کی تکمیل کی، اور اسے اچھے برے کی تمیز عطا کی، وہ آدمی یقینا کامیاب ہوا جس نے اسے تقویت دی، اور یقینا وہ ناکام ہوا جس نے اسے دبادیا“۔ سورۃ الشمس، آیت 7-10

23.10 ارتقائے نفس کے ذرائع

یہ سوال کہ دنیا کے امتحانی دور میں ارتقائے نفس کیلئے کیا راستہ ہے اس کا ذکر مختصراً کئی دفعہ آچکا ہے لیکن مربوط طریقے پر ہدایت کیلئے مندرجہ ذیل ذرائع ہیں:۔

1۔ انسانی ضمیر

2۔ قرآن کریم

3۔ حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حیات طیبہ

4۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق

آیئے ان ترجیحات کو ذرا تفصیل میں دیکھیں۔بنیادی طور پر صحیح راہ خود متعین کرنے کی صلاحیت ہر انسان میں موجود ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے قرب کی طرف ارتقاء کی پہلی رہنمائی تو خود انسان کے اندر اپنی فطرت میں ہے۔قرآن کریم میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق اس فطرت

Marfat.com

کے مطابق ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی اپنی فطرت ہے اسی کا نام اسلام ہے۔ چنانچہ انسان اس فطرت کے مطابق زندگی گذارے گا تو آسانی میں رہے گا لیکن شیطان کا بہکاوا ایسا ہے کہ ہم اپنے آپ کو مشکل میں ڈال کر بھی برائی میں لذت محسوس کرتے ہیں اور ساری عمر اپنی ضمیر سے لڑنے میں گزار دیتے ہیں۔ چونکہ شیطانی کام ہماری فطرت کے خلاف ہیں اس لیے کتنے بھی دلفریب کیوں نہ ہوان میں سکون نہیں اور ضمیر اس پر ملامت کرتا ہے۔ سکون صرف اس دین میں ہے جس پر انسان کی فطرت بنائی گئی ہے اور وہ صرف اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''اور فرمایا! ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہرچیز کو اچھی صورت پر پیدا کیا، اور ان کی فطرت میں ہدایت ڈال دی''۔ سورۃ طٰہٰ، آیت 50

اللہ تعالیٰ نے کوئی قوم ایسی پیدا نہیں کی ہے جس پر اس نے اپنی طرف سے ہدایت دے کر رسول اور پیغمبر نہ بھیجے ہوں۔ رسول پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے روایت ہے کہ " تاریخ کے ہر دور میں پیغمبرؑ اور رسول تشریف لاتے رہے ہیں اور ان سے پہلے دنیا کی مختلف اقوام پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث ہو چکے تھے۔ ان سب کا ایک ہی دین تھا کہ ان راہوں کی نشاندہی کریں جن پر چل کر انسانی روح اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکے "۔ سب سے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے جو 571 ہجری عیسوی میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور 632ء ہجری تک متواتر 23 سال تک خدا کا پیغام پہنچا کر اپنے رفیق اعلیٰ کو جا ملے (صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) پروردگار عالم کی جو ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتری اس کا نام قرآن کریم ہے جو انسانیت کے لئے زندگی کا روڈ میپ ہے اور پہلے نبیوں کی تعلیمات کا مکمل خلاصہ بھی ہے۔ یہ ہمیشہ کیلئے اپنی زیر زبر تک بالکل اسی شکل میں محفوظ ہے جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اوپر وحی ہوا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کی ایک دلیل بھی ہے کہ اب انسانی تہذیب اس قابل ہوگئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ہمیشہ کیلئے کسی ردوبدل کے بغیر محفوظ رہ سکتا تھا اس لیے مزید کسی اور نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ حکم ربی ہے کہ:۔

''یہ قرآن تمام جہانوں کیلئے رہنمائی کا منبع ہے، اب جوکوئی چاہے سیدھی راہ لے اس کے اپنے لیے ہے، اور تم وہی چاہ سکتے ہو جو اللہ چاہے جو سارے عالموں کا رب ہے''۔ سورۃ التکویر، آیت 29-27

قرآن پاک میں ارتقائے نفس کے لئے تمام راستے بتادیے گئے ہیں۔ ان کی عملی صورت ہمارے سامنے اللہ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی کا نمونہ ہے۔ تمام نوع انسانی کے لئے حضور پاک صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی شخصیت مثالی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انسانیت کی اعلیٰ ترین منازل پر فائز ہیں۔ نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مروجہ رسوم اور مذاہب سے بچ کر ایک خدا کی

Marfat.com

پرستش اور رضا میں گزاری اور اس کے بعد بھی اس کی رضا کیلئے بڑی سے بڑی قربانی دی اور ایک ایک سانس اپنے رب سے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے میں صرف کیا۔حتیٰ کہ دنیاوی حیات کے دوران ہی میں آپ کو معراج کا وہ مقام حاصل ہوا جس جگہ فرشتوں کے سردار حضرت جرائیل علیہ السلام یہ کہہ کر رک گئے کہ اس مقام سے آگے صرف اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہی جا سکتے ہیں۔تاریخ عالم میں اگر کسی انسان کی نجی اور عوامی زندگی کی ہر تفصیل معلوم ہے تو یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات اقدس ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشن زندگی تمام نوع انسانی کیلئے اسوہ حسنہ اور پیروی کیلئے بہترین نمونہ ہے۔جس کا نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں کو بھی اعتراف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی عظیم ترین انسان ہیں۔کاش انہیں یہ بھی سمجھ آجائے کہ موت کے بعد کی ہر کامیابی کیلئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع لازمی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''تحقیق ہم نے بھیجا تجھ کو (خاتم النبین محمد صلّی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم) خوشخبری دینے والا اور ڈرسنانے والا، اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں نہیں پہنچا کوئی ڈر سنانے والا''۔ سورۃ فاطر، آیت24

ہدایت کے ان سرچشموں کے علاوہ ایک رب تعالیٰ کی طرف سے توفیق ہے وہ لوگ جو سیدھا راستہ کی خلوص دل سے کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی رہنمائی بھی کرتا ہے اور ان کے او پر نیکی کے راستے آسان کر دیتا ہے اور برائی مشکل کر ڈالتا ہے۔عام اصول ہے '**من طلب وجدا**'۔'جس نے طلب کی پالیا'۔ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:۔

''اور جنہوں نے ہمارے قرب کیلئے کوشش کی، ہم یقینا ان کو اپنی راہیں سمجھا دیں گے، اور بیشك اللّٰہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔

سورۃ العنکبوت، آیت69

Marfat.com

مصنف کا تعارف اور ذہنی ارتقاء

ہر تعریف اللہ تبارک تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام عالموں کا رب ہے اور قابل بیان شان صرف خیر الانبیا محبوب خالق کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ میں اپنی تمام تر خامیوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذہنی ارتقاء کی کہانی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ شکر کا مقام ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے مجھے مسلمان والدین کے ہاں پیدا کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں کوئی ہندو، سکھ یا عیسائی ہوتا۔ اس لئے جو کچھ بھی آج تک میں نے اسلام کے لئے کیا ہے یہ توفیق خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوئی اور اس میں ہرگز میرا کوئی کمال نہیں۔ اگر وہ اس کام کا کوئی بدلہ دیتا ہے تو سراسر اس کی شان رحمت ہوگی ورنہ میرا کوئی حق نہیں۔

والد صاحب جن کا نام چوہدری محمد شریف خان ہے راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے ضلع امرتسر سے جب ہجرت کی تو میں تقریباً چھ سال کا ہوں گا۔ وہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی سٹوڈنٹ لیڈر تھے اور اصلاح معاشرہ کے لئے ساری عمر کام کرتے رہے، اس لئے ان کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ معمول کی بات تھی۔ آٹھویں جماعت تک مجھے روزانہ گاؤں سے چار میل دور پیدل سکول آنا جانا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ جب میں نے سائیکل کے لئے بہت اصرار کیا تو والد صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا ''تم پیدل ہی سکول جاؤ گے، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمہیں آرام کی عادت پڑ جائے'' اور واقعی بچپن کی یہ سخت زندگی میرا سرمایہ حیات بن گئی۔ میرے گاؤں کا نام لاگر ہے۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں وہاں زندگی کی کوئی آسائش میسر نہیں تھی۔ رات کو گھر میں مٹی کا دیا جلتا تھا جس کی روشنی میں والد صاحب دیر تک پڑھنے کی تلقین کرتے اور صبح جلدی اٹھا دیتے۔ میں جب بھی نیند پوری نہ ہونے کی شکایت کرتا تو کہتے ''تمام بڑے لوگ رات کو دیر تک کام کرتے تھے اور صبح جلدی اٹھنے کے عادی تھے''۔ میرا بچپن یوں ہی گزر گیا۔ یہ ماں باپ کی دعائیں اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک پس ماندہ سکول کے طالبعلم ہونے کے باوجود میٹرک میں اعلیٰ نمبروں پر وظیفہ حاصل کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۵۹ء میں پورے پنجاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور قومی سکالرشپ لیا۔ انجینئر نگ یونیورسٹی کے آخری سال میں اگرچہ پڑھائی کے دوران ملازمت بھی کرتا تھا پھر بھی الیکٹریکل انجینئر نگ میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ڈگری کے بعد پہلی نوکری واپڈا کی تھی لیکن مجھے وہاں کا ماحول پسند نہ آیا اور تین ماہ بعد ہی ساڑھے سات ہزار روپیہ بانڈ منی (Bond Money) دے کر اٹامک انرجی کمیشن میں شمولیت کر لی۔ یہیں سے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلا گیا اور مانچسٹر یونیورسٹی کالج آف سائنس اور ٹیکنالوجی سے نیوکلیئر ری ایکٹرز کنٹرول انجینئر نگ میں ایم ایس انجینئر نگ کی ڈگری حاصل کی اور مختلف اٹیمی ری ایکٹروں پر کام کرنے کا تجربہ حاصل کیا۔ 1965ء میں جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا تو پی ایچ ڈی کے پروگرام کو چھوڑ کر وطن عزیز کے لئے کچھ کرنے کے خیال سے پاکستان آ گیا، اٹامک انرجی کی پینتیس سال کی ملازمت کے دوران بھی وہی بچپن کی محنت رہنما رہی۔ الحمد للہ ہر روز یہی کوشش رہی ہے کہ آنے والا کل میرے آج سے بہتر ہو اور کسی دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر اللہ کے فضل و کرم سے پوری ایمانداری سے کام کیا ہے۔ اس دوران نیوکلیئر

انجینئرنگ سے متعلقہ بہت سے مقالہ جات لکھے، کئی ایک ایجادات کیں جن میں سے بعض بین الاقوامی طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ملک کی خدمت کیلئے اس نے مجھے کام کے بڑے بڑے مواقع عطاء کئے اور کامیابی بخشی۔ میں نے ہمیشہ خاموشی سے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ اب جبکہ بہت کچھ اخباروں میں چھپ چکا ہے اس لئے بتایا جا سکتا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ صرف ۳۳ سال کی عمر میں نومبر ۱۹۷۴ء کو مجھے پاکستان کے یورینیم کی افزدگی کے پروگرام کا بانی ڈائریکٹر بنایا گیا جسے اب کہوٹہ پراجیکٹ کہتے ہیں اور کامیابی سے اس منصوبہ کو آگے بڑھایا۔ جولائی ۱۹۷۶ء میں جب پراجیکٹ بفضل حق تعالیٰ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا معلوم نہیں کہ کیوں کچھ چھپے ہاتھوں نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیئے، مثلاً یہ کہ میں مرزائی ہوں، جو کہ قطعاً غلط ہے حتیٰ کہ میرے خاندان میں بھی آگے پیچھے کوئی مرزائی نہیں ہے، یا یہ کہ میں نے پراجیکٹ کے لئے کچھ غیر ضروری۔۔۔؟۔۔۔قسم کا مواد خرید لیا تھا وغیرہ یہ سب جھوٹ تھا بعد میں سب کچھ غلط ثابت ہوا۔ ان حالات میں منیر احمد خان جو اس وقت اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین تھے نے اس خطرہ کے پیش نظر کہ سائنس دانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے کہیں اس قومی اہمیت کے پراجیکٹ کو نقصان نہ پہنچ جائے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو چارج دلا کر مجھے دوسرے ایٹمی منصوبہ جات پر تبدیل کر دیا گیا جن میں سے ہر ایک ہماری مطلوبہ ایٹمی منزل تک پہنچنے کے لئے اہم نشان تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی۔ ۱۹۸۷ء میں جب اٹامک انرجی کے چیئرمین منیر احمد خان مرحوم نے ایٹمی میدان میں اگلی منزل کا تعین کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر ایک موقع عطاء کیا کہ خوشاب ایٹمی ری ایکٹر کو ملکی وسائل سے ڈیزائن کر کے بناؤں۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائی اور یوں ایٹمی میدان میں یہ یکتا پراجیکٹ بھی ۱۹۹۷ء میں کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے بفضل حق تعالیٰ ایٹمی میدان کی اگلی منازل پر کام شروع کر دیا اور خواہش یہی تھی کہ پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانے میں مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کر گزروں لیکن اتنے میں امریکہ کے دباؤ کے تحت CTBT یعنی ایٹمی دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی مہم چل پڑی۔ میری دانست میں CTBT کے معاہدہ پر دستخط کرنا بالآخر اپنی ایٹمی صلاحیت کو کھو دینے کے مترادف تھا، اس لئے میں نے یہ ٹھان لیا کہ ساری عمر ایٹمی منصوبوں کو بنانے میں لگائی ہے اب انشاءاللہ ان کو بچانے میں لگا دونگا۔ چونکہ کچھ بڑے بڑے ناموں والے سائنسدان، شاید حکومت کے دباؤ کی وجہ سے CTBT کے حق میں بول رہے تھے اس لئے میں نے گورنمنٹ کا ملازم ہونے کے باوجود کھل کر اس کی مخالفت شروع کر دی اور محب وطن قوتیں جو CTBT پر دستخط کرنے کی مخالفت کر رہی تھیں ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ اٹامک انرجی کے بعض اہم لوگ جو انسانی حسد کی کمزوری کی بنا پر پہلے ہی ایٹمی میدان میں خوشاب کی کامیابی اور مزید آگے بڑھنے والی منصوبہ بندی کی وجہ سے مجھ سے ناراض تھے، اب جب کہ حکومت وقت بھی خلاف ہو گئی تو ان کو زچ کرنے کا مزید موقع مل گیا۔ بالآخر میرے پاس استعفیٰ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ یوں ایٹمی میدان میں پاکستان کی ترقی اور دفاع کیلئے کام کرنے کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے گئے۔

اٹامک انرجی کمیشن سے علیحدگی کے بعد میں کچھ سال لاہور ایک دوست میاں الیاس معراج کے حسیب وقاص گروپ آف کمپنیز میں

Marfat.com

ملازمت کرتا رہا لیکن پھر خیال آیا کہ دنیا کیلئے بہت کام کر لیا اب بقیہ زندگی امت مسلمہ کی فلاح کیلئے خرچ کرنا چاہئے، چنانچہ کئی ایک نہایت قابل، اسلام اور پاکستان سے انتہائی مخلص دوستوں کیساتھ مل کر "اُمّہ تعمیر نو" کی تشکیل کی جس کے سامنے پہلا کام افغانستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا تھا تا کہ وہاں کی اسلامی حکومت کامیاب ہو اور یوں اس مثال سے دیگر ملکوں میں بھی لوگ اسلام کے عظیم اصولوں کے مطابق اپنی صنعت اور معیشت کو ترقی دے کر دنیا کو ایک خوشحال کنبہ بنانے میں مددگار رہوں۔ لیکن ہماری ان کوششوں کو جو خالصتاً اصلاحی اور تعمیری تھیں ان کو امریکہ میں ۱۱ ستمبر کے حادثہ کے بعد غلط رنگ دیا گیا کہ سلطان بشیر محمود انکو ایٹم بم بنانے میں مدد دے رہا تھا۔ یوں مجھے اور میرے ساتھیوں کو تقریباً دو ماہ کیلئے پکڑ لیا گیا۔ اس دوران جو کچھ ہوا وہ ایک الگ داستان ہے لیکن جس طرح ہر جگہ مسلمان بھائی بہنوں نے صرف اسلامی جذبہ کے تحت ہمارے لئے دعائیں کیں وہ ایک ایمان افروز بات ہے اس قید تنہائی میں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے دین سے قرب نصیب ہوا اس کیلئے اپنے مالک کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ اسی دوران امریکی صدر کے ایما پر سیکورٹی کونسل نے امہ تعمیر نو کو بند کروادیا میرے علاوہ میرے قریبی ساتھیوں میں سے اٹیمی انجینئر عبدالمجید صاحب اور نامور صنعت کار محمد طفیل صاحب کے ذاتی اثاثے اور بینک اکاؤنٹ بھی ضبط کر دیئے گئے۔ رہائی کے بعد بھی خوف سے لوگوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا جو ایک طرح سے اللہ کی رحمت ثابت ہوئی، ان حالات میں جس طرح ۱۹۷۶ء میں قرآن پاک کے ذریعہ مجھے تقویت بخشی گئی تھی اب بھی وہی نسخہ کارگر ثابت ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب کہ میں نے تفسیر کا ہر کام کرنا شروع کر دیا جس کے میں اہل نہیں ہوں لیکن رب تعالیٰ جس سے چاہے ہر کام لے سکتا ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میری دینی تعلیم واجبی سی تھی، قرآن پاک بھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا تھا۔ جب ۱۹۶۳ء میں انگلینڈ گیا تو وہاں پہلی دفعہ مجھے قرآن حکیم اور مسلم امہ سے صحیح معنوں میں محبت پیدا ہوئی۔ چنانچہ مانچسٹر یونیورسٹی میں مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کا پہلا جنرل سیکرٹری چنا گیا اور "الاسلام" کے نام سے وہاں ایک رسالہ بھی نکالا۔ میری زندگی کا یہی وہ دور ہے جب قرآن الحکیم کو باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا بلکہ اس کا تفصیلی انڈیکس بھی تیار کرنا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ مولانا مودودی صاحب یہ کام پہلے ہی کر چکے ہیں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اسی فورم سے ہم نے مشہور امریکی مسلمان مالکم ایکس ملک شہباز کو دعوت دی اور اس کے علاوہ مشہور نو مسلم جناب محمد اسد سے بھی میری ملاقات ہوئی غیر کشمیری رہنما شیخ عبداللہ کو بھی بلایا گیا الاخوان کے سید محمد رمضان کو بھی سنا۔ ان سب کی یادیں اب تک ذہن میں باقی ہیں۔ اسی اثناء میں مانچسٹر میں "سنڈے مسلم سکول" کی بھی بنیاد رکھی جو اب باقاعدہ سکول بن چکا ہے۔

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میرے دل پر بجلی کا سا حملہ تھا۔ اس موقع پر پاکستانی سفارتخانہ کو ایک ہزار پونڈ سے زیادہ چندہ جمع کر کے دیا اور فیصلہ کیا کہ وطن واپس جا کر پاکستان کے دفاع کیلئے کچھ کیا جائے۔ نیوکلیئر انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ کی تکمیل کے بعد اگرچہ ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو۔ واکر جو یونیورسٹی میں میرے سپروائزر تھے، نے بڑا زور لگایا کہ Phd مکمل کر لوں لیکن پاکستان کی محبت میں ۱۹۶۶ء میں واپس وطن آ گیا۔ میری پوسٹنگ لاہور ہوئی اور بڑا مفید کام شروع ہوا لیکن دو سال بعد ہی انگلینڈ کے اٹامک انرجی اتھارٹی کے مشہور ڈیزائن سنٹر

Marfat.com

رز لے (Rislay) میں نیوکلیئر ری ایکٹروں کے ڈیزائن میں شمولیت کا موقع مل گیا۔ برطانیہ کے اس قیام کے دوران اللہ تعالی نے بڑی برکت عطاء فرمائی اور صرف ایک سال میں .U.K اٹامک انرجی اتھارٹی جس کا شمار اٹیمی ٹیکنالوجی کے موجدوں میں سے ہوتا ہے، نے نیوکلیئر ری ایکٹرز پر میرے گیارہ مقالہ جات چھاپے اور تین ایجادات کے پیٹنٹ حاصل کرنے کیلئے درخواستیں دیں جو کہ ان کے نزدیک بھی کسی سائنس دان کیلئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ ۱۹۶۹ء کے آخر میں جب واپس آنا چاہا تو ان کا اصرار تھا کہ میں وہیں رک جاؤں لیکن وطن عزیز کی محبت اور خدمت کے سامنے ایسے اعزاز ہیچ ہیں۔ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ واپس جا کر ڈیزائن انجینئرنگ کی بنیاد رکھوں گا تا کہ پاکستان میں اٹیمی صلاحیت کو فروغ دیا جاسکے، الوداعی پارٹی میں میرے انگریز ساتھی سائنس دانوں میں سے بعض نے برملا یہ کہا کہ پاکستان میں کام کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے میری صلاحیتیں ضائع ہو جائیں گی لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کے یہ خدشات غلط ثابت ہوئے۔

میری زندگی میں ۷۷۔۱۹۷۶ء کے سال بڑے ہنگامہ خیز رہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس وقت میں یورینیم افزدگی کے پلانٹ کا پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا اور دن رات اس منصوبہ کو آگے بڑھانے کے لئے کام کر رہا تھا کامیابی قریب نظر آ رہی تھی کہ اچانک مجھ پر قادیانی ہونے کا سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگایا گیا اور میری ٹیکنیکل صلاحیتوں کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اس کے پیچھے حسد تھا یا کچھ اور کسے نہیں معلوم، لیکن 2005ء اگست کی ہالینڈ کی اخبار میں چھپا ہے اور میری مخالف میں سب سے پیش پیش جو آدمی تھا وہ CIA کا پروردہ تھا۔ بہر حال حقائق خواہ کچھ بھی ہوں ان بے بنیاد الزامات کی وجہ سے مجھے پراجیکٹ سے اس وقت علیحدہ ہونا پڑا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری دن رات کی محنت رنگ لا رہی تھی۔ اس تبدیلی سے مجھے کافی زیادہ ذہنی صدمہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میرے خلاف مختلف قسم کی بے بنیاد تحقیقات کا آغاز شروع ہو گیا لیکن انہی واقعات نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اسلام آباد کی گھٹن والی فضاء سے نکل کر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خانس پور میں گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس میں چلا آیا۔ مصیبت میں اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی سہارا نظر نہ آیا اور دل کو صرف قرآن حکیم سے سکون ملا۔ کلام اللہ کو پڑھتے وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کیوں نہ میں قرآن حکیم پر سائنٹیفک انداز میں کام کروں، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آیت در آیت سمجھ کر پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کوشش کے دوران پہلی بار مجھے قرآن پاک کی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوا اور یہ بھی پتا چلا کہ مترجم حضرات اکثر کلام اللہ کے الفاظ کو ایسے معنی پہنا دیتے ہیں جو ان کی دانست میں تو صحیح ہونگے لیکن بدقسمتی سے قرآن الحکیم کی روح سے وہ دور نکل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب کئی ایک تراجم کا موازنہ کیا گیا تو ان کے درمیان اختلافات کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کو اگر سمجھنا ہے تو کلام اللہ کے عربی الفاظ کے معنی پر ڈٹ جاؤ اور اگر کسی عربی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں تو وہ سب بھی ٹھیک ہوں گے، اس لئے کہ علیم العزیز الحکیم جس نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ سب معنوں کو خوب جانتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے کلام اللہ کو سمجھنے کیلئے یہ اصول اپنایا تو مجھے اس عظیم کتاب میں بیشمار رموز اور نئے حقائق نظر آنے شروع ہوئے جو ترجموں کے غلاف میں چھپے ہوئے تھے۔ پہلی دفعہ صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ واقعی اللہ کی کتاب تمام علوم کے لئے ام الکتاب ہے اور جو سائنس کی انتہاء ہے وہ دراصل قرآن کریم کی ابتداء ہے۔ اسی دوران مجھ پر یہ بھی آشکارا ہوا کہ فی زمانہ خط و کتابت اور

Marfat.com

لٹریچر کے ذریعے اسلام کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے اور چاہے تو میرے جیسا ایک عام آدمی بھی اپنے گھر میں بیٹھے دور دور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتا ہے، اس کیلئے وہی طریقہ جو چھ ہجری حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عالمی دعوت کیلئے اپنایا تھا، اس دور میں ہمیں بھی اپنانا چاہیے۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل ترجیحات صحیح معلوم ہوئیں۔

اول۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو خود سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا ۔

دوم۔ سیرت طیبہ کا فروغ یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل رہنما اور انسانیت کے ہیرو ہیں، اس چیز کو دل سے ماننا اور دوسروں سے نوانا۔

سوم۔ حیات بعد الموت کی حقیقت کو واضح کرنا چونکہ اسکے بغیر دین بے معنی ہے اور انسانیت کی فلاح اسی حقیقت پر پختہ اعتقاد میں ہے۔

چہارم۔ قرآن الحکیم اور سنت نبوی کو جدید علوم کی روشنی میں سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور دوسرے لوگوں کو سمجھانا کہ دونوں جہانوں میں کامیابی اور فلاح کا یہ بہترین ہدایت نامہ (Manual) ہیں۔

پنجم۔ ایک انسان کا دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔

اس کام کو باقاعدہ طور پر کرنے کیلئے قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس کے پلیٹ فارم سے کافی مفید کام ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ میری پہلی کتاب Doomsday and Life After Death جو اس موضوع پر ایک نہایت مفید کاوش ثابت ہوئی ہے، 1987 میں چھپی اور اس کا بڑا اچھا خیر مقدم ہوا۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے 1991 میں ''قرآن الحکیم اکیسویں صدی میں'' کے موضوع پر سیمینار کرایا گیا تا کہ آنے والی صدی کو اسلام کی صدی بنایا جا سکے۔ اگرچہ قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن ایک چھوٹا سا ادارہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا ہے۔ اس سارے کام کو بین الاقوامی طور پر جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جولائی 1996 میں امریکہ کے مشہور ادارے ''امریکن بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ'' (American Biographical Institue) نے قرآن الحکیم فاؤنڈیشن اور اس کے واسطے مجھے بھی 1986 سے 1996 تک کے ان اداروں اور لوگوں میں شامل کیا ہے جن کے کام سے دنیا پر بہتر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس طرح سوڈان میں 1993 میں قائم ہونے والے انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ فار ریسرچ انٹو فیتھ (International Institute of Research into Faith) کا ٹرسٹی ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ سائنس اور انجینئرنگ کے شعبہ میں میری خدمات کو سراہتے ہوئے 1991 میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے گولڈ میڈل کا اعزاز دیا اور حکومت پاکستان نے ستارہ امتیاز عطا کیا۔

دین کے اس کام کے ساتھ ساتھ اٹامک انرجی کے منصوبہ جات پر بھی کام ہوتا رہا۔ کچھ اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ اسلام کے لئے میری ان کاوشوں کے نتیجہ میں سرکاری کام میں حرج ہوتا ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط ثابت کیا اور میرے ہاتھوں سے ریکارڈ وقت میں بہت سے کام

Marfat.com

پایہ تکمیل کو پہنچائے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جب بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکا کام کرنے لگ جاتا ہے، بھلا جس کے ساتھ کون ومکان کا مالک ہو جائے اسکی رفتار اور استطاعت کا کیا کہنا۔ چنانچہ انہی سالوں میں اٹامک انرجی کمیشن کے چیئر مین میز احمد خان نے مجھ پر بڑا اعتماد کیا اور ان کی سر پرستی میں اس غرض سے کہ اٹیمی منصوبہ جات کو پاکستان میں بننا چاہیے میں نے بذات خود کم وبیش 350 کے قریب پاکستان کے صنعتی اداروں کا معائنہ کیا، ان پر کتابیں لکھیں اور بتایا کہ پاکستان میں کیا کیا ہو سکتا ہے یعنی بحیثیت مجموعی ہمارا ملک ایک عظیم ورکشاپ ہے اور اگر اسکے ذرائع کو استعمال کیا جائے تو سب کچھ کرنا ممکن ہو سکتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 1981 میں، میں نے پہلی دفعہ پاکستان میں کوالٹی اشورنس (Quality Assurance) کی بنیاد رکھی اور انڈسٹری کے لوگوں کی کوالٹی میں ٹریننگ کے لئے سکول قائم کیے۔ اسکے علاوہ ملکی طور پر نیوکلیرری ایکٹر بنانے کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی گئی۔ لاہور میں پاکستان کا پہلا ایسا اٹیمی پلانٹ لگایا جسکی مدد سے دوائیوں اور میڈیکل سامان میں اٹیمی شعاؤں کی مدد سے جراثیم کشی کی جاتی ہے، اسکے علاوہ پاکستان کو یورینیم کی صنعت میں خود انحصاری کے پراجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ چشمہ نیوکلیر پاور پلانٹ کے لئے پاکستان سے بننے والے حصوں کی نشاندہی کی گئی، اور پاکستان میں اٹیمی ایندھن بنانے والے منصوبے کو مکمل کیا یہ تمام منصوبے اپنی اپنی جگہ پر اہم تھے لیکن اہم ترین پراجیکٹ خوشاب جیسے غیر معمولی نیوکلیئرری ایکٹر کو پاکستان کے ذرائع سے بنانا تھا۔ مجھے یہ بتانے میں ایک روحانی خوشی ہوتی ہے کہ ان تمام بنیادی منصوبوں کی تکمیل میں میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرتا رہا نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے استظامی طریقوں کو اپنایا۔ غرض میں تمام تر ذمہ داری سے کہوں گا جو کچھ بھی کامیابی ہوئی وہ انہی کی مرہون منت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنی زندگی کا مقصد اللہ تبارک تعالیٰ کا نام بلند کرنا بنالیتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ ''میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب رب العالمین کیلئے ہے'' تو وہ ذات پاک اس آدمی کے وقت، رزق اور اولاد میں برکت عطا فرما دیتا ہے اور اس کے مسائل کو خود حل کرتا ہے۔ رب العالمین کی اس رحمت اور برکت کا مجھ سا نکما آدمی بھی گواہ ہے۔ یہ اسی کا فضل ہے کہ دن رات کی سرکاری مصروفیات کے باوجود مجھے دین کیلئے کام کرنے، کتابیں لکھنے اور اس کام کو آگے بڑھانے کیلئے بہت سا وقت ملتا رہا، اس کا مطلب یہی ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کیلئے کام کرے گا تو عزیز الحکیم غفور الرحیم اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام شعبے اس پر آسان کر دے گا، اس کے ذرائع میں برکت ڈال دے گا، اس کی اولاد اور دوستوں کو اس کیلئے باعث رحمت بنا دے گا اور اگر کبھی توقعات کے خلاف بھی کام ہوتا ہے تو اس میں بھی اگر ہم سمجھیں تو فوائد ہی فوائد ہوتے ہیں۔

میرے لئے یہ بات بھی بہت خوشی کی ہے کہ مجھے حبیب اللہ فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھنے کی توفیق ہوئی اور یوں یہ حقیر بندہ سیرت نگاروں میں شامل کر لیا گیا۔ اس کتاب کا نام بزبان انگریزی First and The Last ہے جو بفضل تعالیٰ مقبولیت حاصل کر رہی ہے حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق میری زندگی بھی حضور رحمت العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کی مرہون منت ہے اور میں بھی ان کی طرح کہتا ہوں۔

Marfat.com

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جالڑیاں

اس تعارف کا اختتام میں اپنے ہی چند ٹوٹے پھوٹے شعری جملوں پر کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ ان کے مصداق بن جاؤں۔

ظاہر دیکھا، باطن دیکھا
اول دیکھا، آخر دیکھا
جس چیز کو میں نے دیکھا
اس چیز میں تجھ کو پایا
ہر جا تو ہی تو، ہر سو تو ہی تو، تو ہی تو
وہ ہونا تھا کہ انہونا تھا
سمندر تھا کہ قطرہ تھا
جنگل تھا کہ پتہ تھا
سورج تھا کہ ذرہ تھا
یہی کچھ یاد ہے، ہر جا تو ہی تو، ہر سو تو ہی تو
یہ سب تیرے امر کا مظہر تھا
تیری چاہت کا نظارہ تھا
تیرے حسن کا جلوہ تھا
تیرے کرم کا نتیجہ تھا
ہر جا تو ہی تو، ہر سو تو ہی تو، تو ہی تو
اس نیند کے عالم میں، میں نے ایک رہبر دیکھا
روشن چہرہ مصطفیٰ، کہتے تھے اسے
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
ایک نوری قلم سے اپنے ہاتھوں،
وہ لکھتا جاتا تھا، لکھتا جاتا تھا
ہر شے پر اللہ اللہ اللہ............. اللہ اللہ اللہ
اسکے روشن قدموں کے پیچھے پیچھے۔
میں چلتا رہا، میں چلتا رہا، میں چلتا رہا

کتابیات اور حوالہ جات

ضروری حوالہ جات متن کتاب میں ساتھ ساتھ دیے گئے ہیں۔لیکن یہ کتاب برسوں کی سوچ بچار اور ریسرچ کا نتیجہ ہے جس کے دوران مصنف نے خصوصی طور پر مندرجہ ذیل کتابوں سے فائدہ اُٹھایا ہے۔

References

1. Robert J. Braid Word, "Prehistoric Man" Book, Published by Chicago Natural History
2. Charlotte Wallace, "A Study of Evolution", Book published by Blarhie. (1959)
3. Philip Haidler, Biology and Future of Man" (Book) Published
4. I.E. To "History of Biology" Published (1929)
5. C.G. Sampson, "The Meaning of Evolution" Book Published (1949)
6. Cobbert, "Evolution of Vertebrate" Book Published by John Tuiby and Sons (1955)
7. William Lee Stoks, "Essentials of Earth History", Book Published by Prentice Hall
8. Byn Sabels and Philip Steel; "1000 Great Events" Publisher Hamlyn, London, New York, 1977
9. The Times, Jan 17, 2000.
10. J. Simpkins to J.J Willson, Advance of Biology, Publisher Bell Hyman Ltd. 1986.
11. Frank J. Tipler, "The Physics of Immortality", Publisher Doubleday London 1994.
12. Ali Shariati, "On the Sociology of Islam", Publisher Mizan Press Berkley USA, 1979.
13. Michell Schiff, "Memory of Water" Publisher Thorsons 1995.
14. Ian Robertson, "Society, A brief Introduction" worth Publishers, USA, 1989
15. Belser, "Concepts of Modern Physics" McGraw ills, 1987
16. Robert Hutchison: The Search of our Beginning", Oxford University Press, 1983.
17. Carl Sagan: "Cosmos" Pub. Abacus, 1998
18. Burtrand Russel: An Enquires into Meaning of Truth" Pub. Cox and Wymen UK., 1980

19. Will Ourant: "The Pleasures of Psychology" Service Book Depot Rawalpindi, 1995

20. I.D Novikos "Evolution of the Universe" Pub Cambridge Press 1983

21. Lymn Sabel and Phillp Steel , "1000 Great Events" Published by Hamlyn London 1977

22. Sultan Bashir Mahmood, "Doomsday and Life after Death", 1987 Al Quran-ul-Haqeem Research Foundation, Islamabad

23. Dr. Mohsin "Theory of Evalution" Quran Research Centre Karachi.

24. J.W. Dune, "An Experiment with Time" Book First Published 1927 AUC Block London.

25. Jhon Gribbon, "Hot House Earth" The Green House effect and Gaia", Pub. Grove Werdenfield New York, 1990.

26. Ayatullah Najafi, "Journey of the Unseen World" Book Pub. by Ansaryon Publications. Qurn Iran

27. Psychic Directory, Book Pub. by Macdonald Co. SA

28. Ruquiyyah Waris Marsood, "After Death Life" Pub. Talha Pub. Lahore 2001

29. Anayatullah Almashraqi; God, Man and Universe" Pub. Akhuwat Publications Rawalpindi, 1952.

30. Sultan Bashir Mahmood "Fragrance of the Soul" Urdu, Pub. Al-Quran-ul-Hakeem Foundation 1983.

31. Frank J. Tippler, The Physics of Immortality" Pub. Doubleday, New York 1994

32. Sylivia Browne, "The Other Side and Back" Book Pub. New Brnerican Library 1999

33. Jaelwyn Roberts, "Yesterdays People" Book Pub. Elements Books 1997

Marfat.com

اسلام اور سائنس کے حوالہ سے نہایت مفید کتابیں

نامور ایٹمی سائنسدان انجینئر موجد اور محقق سابق ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سلطان بشیر محمود کی مندرجہ ذیل کتابیں نوعیت میں اسلامی اور سائنسی کلاسک ہیں۔ جن کا مطالعہ نہ صرف زندگی اور آخرت کے مسائل کو سمجھنے کے لئے بلکہ انسانیت کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے بھی ضروری ہے۔ یہ کتابیں دوستوں کو دینے کے لئے بہترین تحفہ اور تبلیغ اسلام کے لئے بھی نہایت موثر ذریعہ ہیں۔

1) قیامت اور حیات بعد الموت:

جس میں قرآن کریم، احادیث خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جدید سائنس کی روشنی میں تخلیق کائنات، مومن کا فلسفہ حیات، زندگی، موت، جسم، نفس، روح، ملائکہ اور جنات کے حقائق، عالم قبور، عالم برزخ، قیامت، آخرت، یوم الدین، جنت، دوزخ کے حالات پر بے مثل تحقیق ہے، جس کے متعلق ہزاروں پڑھنے والوں کی یہی رائے ہے کہ یہ کتاب انسان کے زمان و مکان میں سفر پر محققانہ، مدلل اور سائنٹیفک تجربات پر مشتمل ایک ایسا کلاسک کام ہے جس کا مطالعہ ہر ایک کے لئے ضروری ہے۔

Price Rs.300/- Exclusive Postage

2) DOOMS DAY AND LIFE AFTER DEATH

This is the original English version of the above book-a Treatise on the secrets of Life and the Life Hereafter, Doomsday, Jannat and Jehannum in the light of the Holy Quran and Modern Science-a reader friendly book-study of which will enrich your lives tremendously.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

3) قرآن پاک ایک سائنسی معجزہ:

قرآن کریم ایک زندہ معجزہ ہے جس کی سب سے بڑی گواہ سائنس ہے۔ یہ کتاب اس بات کا ثبوت ہے۔

Price Rs.150/- Exclusive Postage

4) کتاب زندگی: (قرآن کریم کی سائنٹیفک تفسیر: (سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرۃ)

دنیا و آخرت کی زندگی کے لئے کلام اللہ کے معجزانہ مضامین کی مدلل سائنسی تفسیر جو اپنی مثال آپ ہے۔ مختلف مسلک کے علماء نے بھی قرآن کریم کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور اس کو پھیلانے کے لئے مصنف کی اس کوشش کو بے مثل قرار دیا ہے۔ یہ تفسیر ثابت کرتی ہے کہ جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کی ابتداء ہے۔

Price Rs.300/- Exclusive Postage

5) تباہ کن ہتھیاروں کے اثرات سے بچنے کی حفاظتی تدابیر:

Safeguards against the weapons of mass destruction, describing civil defense measures for the safely of the personnel and property.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

6) **COSMOLOGY AND HUMAN DESTINY**

An original research work which deals with our daily life happenings to help make vital decisions about our family life, children, business and political developments in the world, rise and fall of civilizations, past present and future of the world. The book is a through scientific study of "Why events happen?" It is a scientific guide to pan and care for your own future and sheds light on the future events, with reference to activity of sunspots and storms in the Sun.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

7) **THE FIRST AND THE LAST (May pace be upon him)**

It is a comprehensive biography of the greatest of the mankind, the Last Messenger of Allah (PUBH). Benefactor of the worlds. It is especially written for the busy muslims alike to help people, students, scholars and intellectuals, muslims and non- to fashion our lives on the glorious footsteps of the greatest of Prophets of Allah.

Price Rs.200/- Exclusive Postage

8) **تلاش حقیقت**

مصنف نے صوفیانہ انداز میں سائنس کو اس طرح رنگ دیا ہے کہ عام آدمی بھی اس مختصر کتاب ''تلاش حقیقت'' سے بہت مستفید ہوا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ذکر و فکر اور تسخیر کے حوالہ سے جس طرح مومن کی شان کی تعریف کی ہے اس کا سمجھنا آج کل کے مسلمانوں کیلئے نہایت ضروری ہے۔ تلاش حقیقت میں ذکر، فکر اور تسخیر یہ تینوں مومن کے اسباب ہیں۔

Price Rs.150/- Exclusive Postage

دار الحکمت انٹرنیشنل

60-C، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد Tel : 2255107-2260001

Web:- www.darulhikmat.com E-mail:- darulhikmat114@yahoo.com , sbm@darulhikmat.com

Marfat.com

ماوریٰ

انسان کی اپنی کہانی

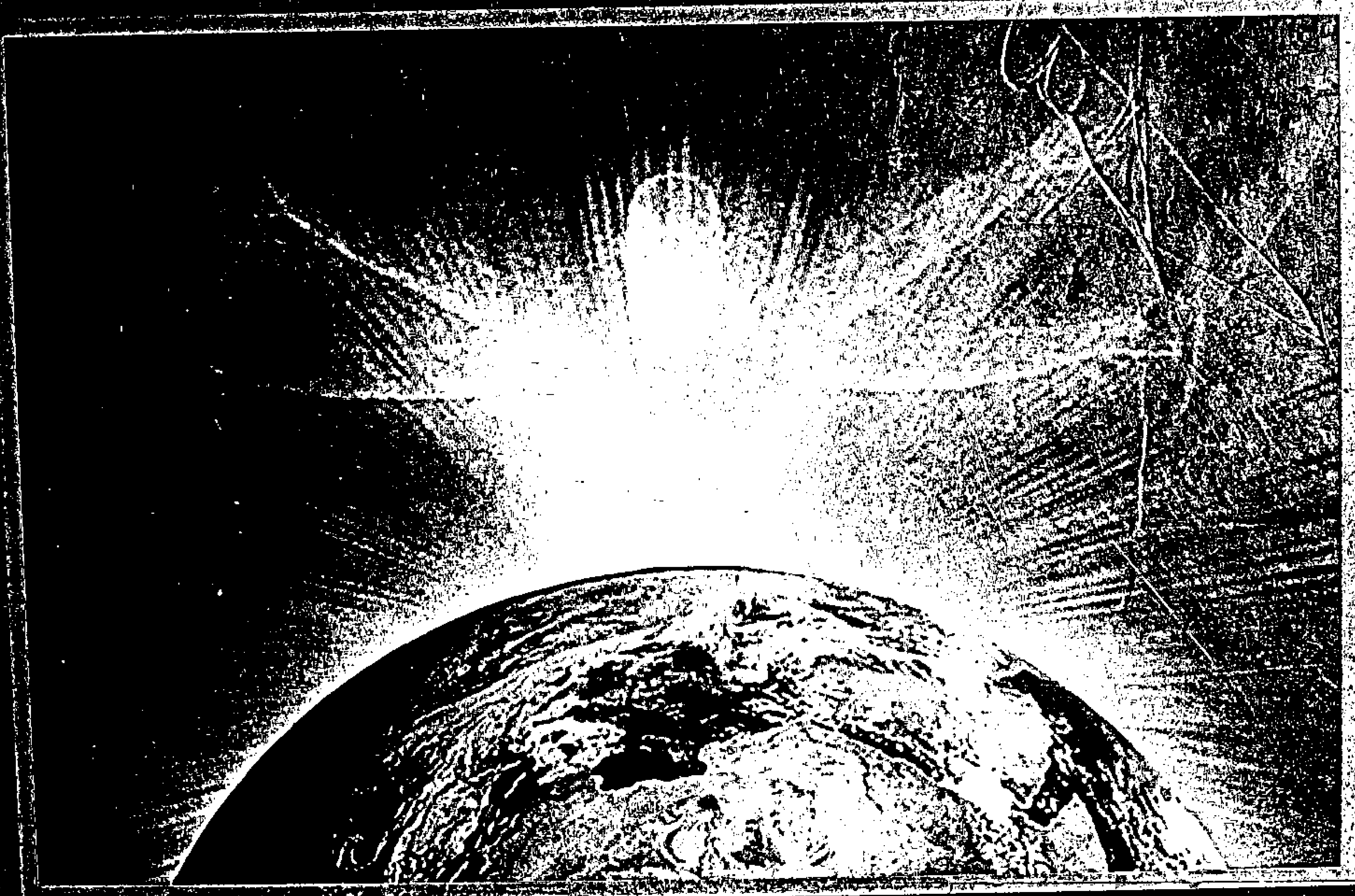

انسان کی طبیعاتی اور ما بعد طبیعاتی حقیقت
ازل سے ابد تک سفر کے متعلق سائنسی تحقیقات
اور تفصیلی حالات و واقعات

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر

سلطان بشیر محمود ستارہ امتیاز

(سابقہ) ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن

Marfat.com